شمالی ہند میں اُردو کا سب سے قدیم صاحب دیوان شاعر

فائز دہلوی اور دیوانِ فائز

مؤلفہ و مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی ادیب

طبع دوم

مطالب کے اضافے اور جدید ترتیب کے ساتھ

انجمن ترقی اُردو ہند علی گڈھ

طبع اول ۱۹۴۶ء

طبع دوم ۱۹۶۵ء

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... پانچ روپے پچاس پیسے

نظامی پریس لکھنؤ

۱۹۶۵ء

اقتباسوں اور رسالوں کی مدد سے میں نے فائز اور اُن کی شاعری پر ایک مقالہ لکھا۔ جس کے بعض حصّے ادبی جلسوں میں پڑھ کر سنائے۔

اس کے بعد فائز کی بعض تصنیفیں وقتاً فوقتاً ملتی رہیں۔ اُن کتابوں کی دستیابی کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ فائز کی کُل تصنیفوں پر گہری نظر ڈال کر اور اُس مقالے میں ضروری اضافے کرکے اُسے کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائے اور اُس کے ساتھ فائز کا اُردو دیوان بھی مع فرہنگ اور حاشیوں کے شامل کر دیا جائے۔

ابھی یہ کام شروع ہی کیا تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے معائنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی، جس کا ایک ممبر میں بھی مقرر ہوا۔ مارچ ۱۹۴۴ء کے تیسرے ہفتے میں میں اس غرض سے دہلی پہنچا اور پانچ دن جامعہ نگر میں قیام کیا۔ اس سفر سے میری ایک دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ یعنی کلیاتِ فائز کے بالاستیعاب مطالعے کا موقع مل گیا۔ میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اگر موصوف کی خاص عنایت نہ ہوتی تو یہ نادر نسخہ کافی مدت تک میرے پاس نہ رہ سکتا۔ اس نسخے کے حصول میں مکرمی ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب سے جو مدد ملی اس کے لیے موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دہلی سے واپسی کے کوئی پونے دو مہینے بعد فائز کا کلیات میرے پاس پہنچ گیا اور میں نے اُس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ دس پندرہ دن میں یہ کام ختم ہو جائے گا۔ مگر تحقیق اور تلاش کے نئے نئے راستے پیدا ہوتے گئے۔ کلیات کو بار بار پڑھنا پڑا اور دنوں کی جگہ مہینے لگ گئے۔

فائز کی دوسری تصنیفوں کا بھی حرف حرف جب غور سے پڑھا

ہو گیا ہی خطبۂ کلیات کا دوسرا نسخہ صاف ہی مگر اُس کا زیادہ حصہ غائب ہی۔ تیسرا نسخہ صاف بھی ہی اور کامل بھی۔ اس پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہر پڑی ہوئی ہی۔ پیشتر یہ تینوں نسخے کلیات فائز کے ساتھ منسلک تھے مگر اب رقعات الصدر کے ساتھ ایک علاحدہ جلد میں بندھے ہوے ہیں، جو جامعۂ ملّیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں موجود ہی۔

۲۱۔ **دیوان فارسی** ۔ فائز کے کلیات کا جو نسخہ میرے پیشِ نظر ہی اُس میں فائز کے فارسی اور اُردو دونوں دیوان شامل ہیں۔ اِس نسخے کے سرورق پر "محمد برہان الدین حسن خاں" کی مُہر لگی ہوئی ہی اور اُس میں ۱۲۲۶ھ درج ہی۔ یہ برہان الدین حسن خاں کوئی بڑے علم دوست بزرگ تھے۔ انھوں نے کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ کوئی پندرہ سولہ برس ہوے کہ میں نے اِس علمی سرمائے کو لکھنؤ کے نخاس میں لٹتے دیکھا تھا۔ اِس مالِ غنیمت میں سے ایسی چند کتابیں میرے بھی ہاتھ لگیں جن پر اُن کے سابق مالک کی مُہر لگی ہوئی ہی۔

۲۲۔ **دیوان ریختہ**۔ فائز کے کلیات میں اُن کے فارسی دیوان کے ساتھ اُردو دیوان بھی شامل ہی۔ اُس کے متعلق اُردو ادب کا مشہور فرانسیسی عالم گارساں دی تاسی لکھتا ہی :۔

> "فائز (صدرالدین محمد) پسر زبردست خاں کا ہندوستانی دیوان غزلوں، قصیدوں اور چھ مثنویوں پر مشتمل ہی۔ مثنویوں میں پنگھٹ، جوگن، مالن، گجری، بھنگیرن کا بیان ہی اور ایک رقعہ ہی"[۵۱]

منشی کریم الدین نے طبقات شعرائے ہند میں فائز کے اُردو دیوان کے متعلق دی تاسی کا یہ بیان اپنے لفظوں میں پیش کر دیا ہی[۵۲]۔

---

۵۱ تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی جلد اول طبع دوم ص ۴۳۶-۴۳۷

۵۲ طبقات شعرائے ہند ص ۱۷۲

تصنیفات فآئز کی نشان دہی

پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں :- اعتقاد[۱] الصدر، صراط[۲] الصدر
معارف[۳] الصدر۔ نجم[۴] الصدر۔ تحریر[۵] الصدر۔ ہدایت[۶] الصدر۔ احزان[۷] الصدر۔ زبنۃ
البساتین[۸]۔ تبصرۃ[۹] الناظرین۔ رسالۂ[۱۰] مالیخولیا۔ دیوان[۱۱] فارسی

جامعۂ ملیہ، دہلی کے کتب خانے میں :- طریق[۱] الصدر۔ رقعات[۲] الصدر۔ کلیات[۳] فآئز
خطبۂ کلیات[۴] ۳ نسخے۔

لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں :- اعتقاد[۱] الصدر۔ صراط[۲] الصدر۔ تحفۃ[۳] الصدر
احیاء[۴] القلوب۔

مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے کتب خانے میں :- انیس[۱] الوزرا۔ ارشاد[۲] الوزرا۔

رضا لائبریری، رام پور میں :- رسالۂ[۱] مناظرات۔ دیوان[۲] فارسی۔

برٹش میوزیم لندن میں :- ارشاد الوزرا۔

باڈلین لائبریری، آکسفرڈ میں :- کلیات فآئز۔

میرے ذاتی ذخیرے میں :- اعتقاد[۱] الصدر۔ صراط[۲] الصدر۔ انیس[۳] الوزرا۔ رسالۂ
مناظرات[۴]۔

نوٹ :- فآئز کی کتاب تحفۃ الصدر سر آشوتوش مکرجی کے
پیش نامے اور کرنل فلٹ کے حاشیوں کے ساتھ ایشیاٹک
سوسائٹی، بنگال نے ۱۹۱۱ء میں شایع کی۔ اس کے سرورق
پر کتاب کا نام فرس نامہ اور اس کے مصنف کا نام زبردست خاں
لکھا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

کلّیات فائز کی ترتیب و تکمیل | فآئز نے اپنے کلیات کے خطبے میں کلیات کی تکمیل و ترتیب کا حال یوں بیان کیا ہے:-

"مخفی نماند کہ ایں رسالہ در ابتدائے سنِ شباب چناں چہ مذکور شد مرقوم شدہ بود۔ منجملہ آں اشعار رنگینے داشتم کہ موافق طبع خود پارۂ انتخاب کردہ بود از روے آن منتخب اکثر عزیزان نقول بر داشتہ بودند۔ و فقیر نظر برآن کہ رطب و یابس در کلام می باشد ارادۂ نظرِ ثانی برآن داشت۔ لیکن تا پانزدہ سال میسر نیاید کہ اشغال دیگر درمیان بود۔ بعد از انقضاے ایں مدت در سنہ یک ہزار و یک صد و چہل و دو ۱۱۴۲ فرصتے اتفاق افتاد۔ نظرِ ثانی برآن مجموعہ کردم۔ قریب یک سال دریں کار کشید۔ آن چہ بہ عقلِ ناقص رسید حتی المقدور حک و اصلاح و کم و زیاد کرد۔ تا ایں رسالۂ کلیات بدیں تفصیل بر بیست و ہشت کتاب مرتّب گردید"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فآئز کا کلیات اُن کے عنفوان شباب میں مکمل ہو چکا تھا اور وہ اشاعت سے پہلے اس پر نظرِ ثانی کرنا چاہتے تھے لیکن دوسرے مشاغل نے پندرہ برس تک اس کام کی مہلت نہ دی۔ اتنی مدت گزر جانے کے بعد ۱۱۴۲ھ میں کچھ فرصت ملی اور انھوں نے تقریباً ایک سال کا وقت صرف کر کے اپنے کلام میں ترمیم و اصلاح اور کمی بیشی کی اور اپنے کلیات کو اٹھائیس کتابوں یعنی حصّوں میں مرتّب کیا۔

اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ۱۱۴۲ھ سے پندرہ برس پہلے یعنی ۱۱۲۷ھ میں جو عہدِ فرخ سیر کا پانچواں سال تھا، فآئز کا کلیات مکمّل ہو چکا تھا۔ لیکن جو نظمیں اس کے بعد کہی گئی ہوں گی وہ بھی نظرِ ثانی کرتے وقت کلیات میں شامل کر دی گئی ہوں گی۔

کلیاتِ فآئز کے خطبے سے جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے، اُس میں فآئز نے یہ بھی

بتایا ہو کہ اُن کے ایک منشی نے ان کے کلیات میں سے کچھ اشعار اپنی پسند کے موافق منتخب کر لیے تھے اور لوگوں نے اس انتخاب کو نقل کر لیا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ ذرا آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ اگر میرے کلام کے مختلف نسخوں میں کوئی فرق یا اختلاف نظر آئے تو اس کا یہی سبب سمجھنا چاہیے۔ مگر وہی صورت معتبر ہو جو نظر ثانی میں قائم رہی۔ اُن کی اصل عبارت یہ ہو :-

"اگر در عبارات نسخ تناقضے و اختلافے ظاہر شود ازیں جہت باید دانست۔ د معتبر ہمین است کہ در نظر ثانی بحال ماندہ"

کُلیات فائزؔ کے صرف تین نسخوں کا اب تک پتا لگا ہو۔ ایک جامعۂ ملیہ، دہلی کے کتب خانے میں تھا، جس کا میں نے تفصیلی مطالعہ کیا ہو۔ دوسرا آکسفرڈ یونی ورسٹی کی باڈلیانا لائبریری میں ہو، جو اتنا مکمل نہیں ہو۔ جتنا جامعۂ ملیہ والا نسخہ تھا۔ تیسرا پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں ہو جس میں فائزؔ کا اُردو دیوان شامل نہیں ہو۔

کلیّاتِ فائزؔ کی بیت شماری اس مقام پر فائزؔ نے کلیّات کے اٹھائیس حصّوں کی تفصیل لکھ دی ہو۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہو۔ اس لیے کہ کلیات کے پیش نظر نسخے میں فہرست مضامین کی جگہ جو بیت شماری دیوان کُلیّات، دی ہوئی ہو، اس میں ان سب حصوں یا بہ قول فائزؔ کتابوں کے نام آ گئے ہیں اور وہ بیت شماری ذیل میں نقل کی جاتی ہو :-

شمار	نام کتاب	تعداد ابیات		شمار	نام کتاب	تعداد ابیات	
۱	خطبہ	سامے	۲۵۶	۵	رباعیات	الاعسہ	۲۲۸
۲	قصائد	الامعہ	۲۳۹۸	۶	مستزاد	لوسے	۸۹
۳	قطعات	سامے،	۶۰۳	۷	مخمسات	االعصا	۲۰۲
۴	غزلیات	×	×	۸	مربع تراکیب	اماسے	۱۳۵

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد ابیات		شمار	نام کتاب	تعداد ابیات	
۹	ترکیبات	[illegible]	۲۲۳	۱۹	مثنویات بحر حدیقہ	[illegible]	۶۷۰
۱۰	ترجیعات	[illegible]	۱۹۲	۲۰	" بحر خزنامہ	[illegible]	۴۳۰
۱۱	مفردات	[illegible]	۴۳۳	۲۱	" سبحۃ الابرار	[illegible]	۳۵۷
۱۲	مراثی	[illegible]	۳۴۴	۲۲	بحرہائے غیر مشہور	[illegible]	۱۲۵
۱۳	بحر طویل	[illegible]	۵۰	۲۳	لطائف	[illegible]	۱۵۱۵
۱۴	تسمیط	[illegible]	۹۱	۲۴	ہجویات	[illegible]	۱۳۹۱
۱۵	مثنویات بحر مولوی رومی	[illegible]	۳۷۷	۲۵	غزلیات ریختہ	[illegible]	۴۵۱
۱۶	مثنویات بحر شاہنامہ	[illegible]	۷۹۶	۲۶	مثنویات ریختہ	[illegible]	۵۰۳
۱۷	" بحر خسرو شیریں	[illegible]	۸۴۱	۲۷	لمعات	[illegible]	۲۸
۱۸	" لیلیٰ مجنوں	[illegible]	۵۵۱	۲۸	خاتمہ	[illegible]	۱۲۹

"میزان کل سوائے غزلیات کہ در جلد علحدہ است [illegible] (۱۵۰۰۸) بیت"

کلیاتِ فائز کے پیش نظر نسخے کی بیت شماری، دو کالموں میں دی گئی ہے۔ دونوں کالموں میں چودہ چودہ اندراجات ہیں، پہلے کالم میں ایک سے چودہ تک اور دوسرے کالم میں پندرہ سے اٹھائیس تک تعداد ابیات صرف رقم میں لکھی ہوئی ہے۔ چونکہ اکثر لوگوں کے لیے رقم کا پڑھنا مشکل ہے اس لیے یہاں بیتوں کی تعداد ہندسوں میں بھی لکھ دی گئی ہے۔ میں نے ان رقموں کو بڑی احتیاط سے پڑھا اور بار بار جوڑا ہے پہلے کالم کی میزان ۵۶۴۴ صحیح ہے اور دوسرے کی ۹۳۶۴ کی جگہ ۸۱۶۴ یعنی بارہ سو بیت کم نکلتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میزان کل ۱۵۰۰۸ کی جگہ ۱۳۸۰۸ رہ جاتی ہے، معلوم نہیں

کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اس میزان میں خطبۂ کلیات کی ۶۵۶ اور خاتمے کی ۱۲۹ بیتیں یعنی نثر کی ۷۸۵ سطریں بھی شامل کرلی گئی ہیں۔ مگر فارسی غزلوں کے اشعار شامل نہیں کیے گئے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غزلیں علیحدہ جلد میں ہیں لیکن کلیات کے اس نسخے میں فارسی غزلیں بھی موجود ہیں، جن کے اشعار کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے اور وتر کہ، سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حصۂ غزلیات میں آخر کے کچھ ورق غائب ہیں۔

کلیات فائز میں بیت شماری کے بعد تفصیل مندرجات ہے اور اس کے بعد مثنویوں کی دو تفصیلی فہرستیں ہیں۔ پہلی فہرست میں ان مثنویوں کے نام ہیں جو اس نسخے میں موجود ہیں، اور دوسری فہرست میں ان کے علاوہ انتیس ۲۹ فارسی مثنویوں کے نام اور ملتے ہیں جو اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ اب اگر بیت شماری میں ابیات کی مجموعی تعداد پندرہ ہزار آٹھ کو صحیح مان لیں، موجودہ غزلوں کے تین ہزار شعر اور غائب شدہ غزلوں اور انتیس ۲۹ غیر موجود مثنویوں کے تخمیناً دو ہزار شعر اس میں جوڑ دیں اور نثر کی ۷۸۵ بیتیں یا سطریں اس میں سے گھٹا دیں تو انیس ہزار دو سو تیئیس کا عدد حاصل ہوگا اور اندازہ کیا جا سکے گا کہ فائز کے اشعار کی کل تعداد تقریباً انیس ہزار ہے۔

بیت شماری میں مراثی کے ۳۴۴ شعر اور ہجویات، لطائف اور خاتمۂ کلیات کی علی الترتیب ۱۳۹۱، ۱۵۱۵ اور ۱۲۹ بیتیں شامل کی گئی ہیں۔ مگر یہ چیزیں کلیات کے اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کلیات کا یہ نسخہ فائز کے کل کلام پر مشتمل نہیں ہے۔

اس کے مندرجات کی تفصیل جس سرخی کے ماتحت درج کی گئی ہے، اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ سرخی یہ ہے:-

"تفصیل آنچہ دریں دیوانِ منتخبِ کلیات است بموجب ایں جدول است۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فائز کا پورا کلیات نہیں ہے بلکہ منتخبِ کلیات ہے، جس کو دیوان قرار دیا ہے۔

فائز کے اُردو کلام کی مقدار فائز کے اردو دیوان کے جس نسخے کا ذکر دتاسی نے کیا ہے، اس میں غزلیات و مثنویات کے علاوہ قصیدے بھی تھے۔ مگر اس کا جو نسخہ میرے پیشِ نظر ہے اُس میں کوئی قصیدہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فائز کے موجودہ فارسی دیوان کی طرح اُن کے اردو دیوان میں بھی اُن کا کل کلام شامل نہیں ہے۔ اس بات کا ایک کھلا ہوا ثبوت اور بھی ہے۔ آکسفرڈ کے نسخے میں جو چھ مثنویاں شامل ہیں اُن میں سے ایک کا عنوان "تعریف گوجری" ہے۔ یہ مثنوی اِس نسخے میں نہیں ہے۔

دِتاسی اور کریم الدین دونوں نے فائز کی ایک مثنوی کا ذکر کیا ہے جو "مالن" کے بیان میں ہے۔ لیکن ایسی کوئی مثنوی نہ دہلی والے نسخے میں ہے نہ آکسفرڈ والے نسخے میں۔ ان دونوں نسخوں میں ایک مثنوی "کاچن" کے بیان میں ہے۔ دِتاسی نے فائز کا دیوان دیکھا تھا اور اُن کی مثنوی "وصف بھنگیرن درگاہ قطب" کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاچن (کاچھن) اور مالن میں فرق نہیں کر سکا۔ کریم الدین نے دیوان خود نہ دیکھا تھا۔ دِتاسی نے جو کچھ لکھا تھا وہی لکھ دیا۔

اِس سلسلے میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میرے پیشِ نظر نسخے میں جہاں چند چیزیں آکسفرڈ کے نسخے سے کم ہیں، وہاں گیارہ نظمیں زائد بھی ہیں۔ اُن میں نو مثنویاں ہیں، ایک مخمس ترجیع بند، اور ایک بحرِ طویل ہے۔

کلیاتِ فائز کی "بیت شماری" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غزلیاتِ ریختہ کے ۱۵۱۴ شعر اور مثنویاتِ ریختہ کی ۵۰۳ بیتیں شامل تھیں۔ مگر پیشِ نظر نسخے میں

غزلوں کے صرف ۲۰۶ اشعار اور مثنویوں کی ۳۶۰ بیتیں ہیں۔ بہر حال فائز کا یہ اردو دیوان اُن کے کل اردو کلام پر مشتمل نہیں ہے۔ اس کے پیش نظر نسخے میں اٹھائیس مکمل غزلیں، چار غزلوں کے ایک ایک دو دو شعر، ایک مخمس ترجیع بند، ایک بحر طویل اور تیرہ مثنویاں شامل ہیں۔ واضح ہو کہ کلیات فائز میں فارسی غزلیں ردیف وار درج ہیں۔ لیکن اردو غزلوں میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ غالباً تعداد کی کمی کے باعث اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

آکسفرڈ کے نسخے کی مدد سے امکانی تکمیل کے بعد اب جو دیوان پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں ۴۶ غزلیں ہیں جن کے شعروں کی مجموعی تعداد ۳۷۰ ہے۔ اور مثنویاں ۱۵ ہیں، جن میں مجموعاً ۴۹۳ بیتیں ہیں۔

فائز کی شاعری

فائز کی شاعری کے محرکات فائز نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ ان کے فارسی کلام کی مقدار اردو سے کہیں زیادہ ہے اور دونوں زبانوں میں مثنویوں کی مقدار غزلوں سے زیادہ ہے۔ شعر کی اور صنفیں بھی ان کے کلیات میں موجود ہیں، مگر وہ مقدار میں بہت کم ہیں۔ ان سب صنفوں کے نام اور ان کے شعروں کی تعداد اوپر لکھی جا چکی ہے۔ ان کی مثنویاں بالعموم چھوٹی چھوٹی اور تعداد میں بہت ہیں۔ اس لیے ان کے موضوعوں کا شمار طوالت کا باعث ہوگا۔ مختصراً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ زیادہ تر خارجی چیزوں سے متعلق اور بیانیہ شاعری میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ مقدار کے لحاظ سے مثنویوں کے بعد غزلوں کا نمبر ہے۔ فائز نے اپنی غزل گوئی کے محرکات خود بتائے ہیں۔ وہ انھیں کی زبان سے سُنیے:-

(۱) "در عنفوانِ شباب حدّتے در مزاج و شوخیے در طبیعت بمرتبہ تمام بود۔ معہذا اگر فنا رسی دل و تعلق بہ خوبانِ طاقت گسل علاوہ

آن گردیدہ۔ اکثر در وصف حُسنِ خوباں شعرے وغزلے طرح می شد۔
رفتہ رفتہ مجموعۂ گردید" (خطبۂ کُلیات)

(۲) "چون اکثر مطالعۂ کتب استادان می نمود زمینے کہ خوش می آمد
در آن فکرِ نظم می نمود. بعد مدتے بہ ترغیب یکے از رفقا بہ ترتیب
آن متفرقات متوجہ شدہ دیوان مرتب ساخت" (خطبۂ کلیات)

ان اقتباسوں میں سے پہلا اُن تمام نظموں سے تعلق رکھتا ہے جن کا موضوع حُسن و عشق ہے۔ خواہ وہ غزلیں ہوں، خواہ مثنویاں ہوں، خواہ کسی دوسری صنف کی نظمیں ہوں۔ دوسرا اقتباس غزل سے خاص طور پر متعلق ہے۔ مگر دوسری اصناف سخن پر بھی صادق آتا ہے۔ ان اقتباسوں سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فائزؔ نہ شاعروں کی طرحوں میں غزلیں کہتے تھے نہ شاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ اتنے بڑے شاعر بھی نہ تھے کہ خود گھر میں بیٹھے رہتے اور کلام ان کا شہرت کے پروں سے اُڑتا پھرتا۔ غالباً یہی وجوہ ہیں کہ وہ شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور نہ ہوئے اور شعرا کے بیشتر تذکرے اُن کے ذکر سے خالی رہے۔

فائزؔ اور قصیدہ گوئی | فائزؔ نے قصیدہ گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ اُن کی خودداری معمولی انسانوں کی مداحی کو، خواہ وہ کسی درجے کے ہوں، جائز نہ رکھتی تھی اور صلے کی امید پر شعر کہنے کو وہ ایک طرح کی گدائی سمجھتے تھے۔ اُن کے فارسی دیوان میں اٹھارہ چھوٹے چھوٹے قصیدے ہیں۔ اُن میں سے ایک خدا کی حمد میں، تین رسُول کی نعت میں، اور چودہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہیں۔ زیادہ تر قصیدوں میں صرف آخر کے پانچ سات بلکہ دو چار شعر مدح، مناجات، یا دعا کے ہیں، باقی کل شعر تشبیب کے ہیں۔ فائزؔ نے اپنے کُلیات کے خطبے میں ایک جگہ قصیدہ گوئی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے۔

"میں نے لوگوں کی مدح نہیں کی کہ اس سے گدائی کی بو آتی ہے۔ قدما

اس معاملے میں مجبور تھے۔ اس لیے کہ بادشاہوں کی فرمایش سے شعر کہتے تھے یا اُن کی مدح میں تاکہ تقرب کا ذریعہ ہاتھ آئے۔ میں ان دونوں باتوں سے بری ہوں، کہ اپنی نشانی چھوڑ جانے کے سوا کوئی غرض اور مطلب نہیں ہے۔ بادشاہ حقیقی کے سوا کوئی مدح کے قابل نہیں ہے۔ یا ائمۂ ہدا کی مدح کرنا چاہیے کہ موجب ثواب اور کارِ خیر ہے۔ دنیوی اغراض کے لیے اپنے مثل کو سراہنا عقل کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔ ہاں حسینوں کی تعریف کرنا اور ان کے خط و خال کے وصف میں مبالغہ کرنا تیزی طبع کا باعث اور اہلِ دل کے نزدیک جائز ہے۔" (ترجمہ)

اسی خطبے میں ایک دوسرے مقام پر قاآنی نے قصیدہ گویوں کو حسب ذیل ہدایتیں کی ہیں :-

"فقیر کے اعتقاد میں لوگوں کی مدح کرنا در اصل مذموم ہے۔ تاہم اگر شاعر مدح گوئی شروع کرے تو اِن چند باتوں کا لحاظ رکھے۔ اوّل یہ کہ ممدوح کے قابل مدح کرے۔ مثلاً بادشاہوں کو خواجہ، مہتر یا کسی ایسے لفظ سے یاد نہ کرے جو ان کے مرتبے سے پست ہو اور امیر کو مَلِک یا سلطان نہ کہے۔ علما کی مدح علم و فضل و ورع کے ساتھ کرے، نہ کہ شہامت اور شجاعت کے ساتھ۔ بہ خلاف اہلِ شمشیر کے کہ اُن کی تعریف تسلّط، غلبہ اور شہامت کے ساتھ کرنا بہتر ہے۔ مردوں کی مدح میں حسن و جمال کا ذکر نہ کرے، مگر کمالات نفسانی کے ضمن میں۔ مثلاً کہے کہ حُسنِ صورت اور نیکی سیرت دونوں رکھتا ہے . . . . . .
قدیم شاعر خلفا اور ملوک کی مدح میں سخاوت اور شجاعت کا ذکر کچھ بہت پسند نہیں کرتے تھے، اگرچہ اس کا رواج ہے۔ کیونکہ

گیا ہے اس کا کچھ اندازہ کتاب کے مطالعے سے ہو جائے گا۔ اگر فائز کے خاندان کی کڑیاں جوڑنے میں جو دقتیں پیش آئیں اور اس کے لیے جتنی محنت کرنا پڑی اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اب جبکہ ان کے بزرگوں کا سلسلہ مل گیا ہے ان کے آبا و اجداد کے حالات کی تلاش آسان ہو گئی ہے۔

فائز کے اردو دیوان کی قرأت، تصحیح اور تحشیہ بھی اچھا خاصا صبر آزما کام نکلا۔ متروک اور نامانوس الفاظ کے علاوہ اس کے رسم خط کی بعض خصوصیتوں نے اس کا پڑھنا دشوار کر دیا تھا۔ بڑی دیدہ ریزی اور مغز کاوی کے بعد بھی چند لفظ صحیح نہیں پڑھے جا سکے اسی طرح انتہائی کوشش کے باوجود چند لفظوں کا مفہوم معلوم نہیں ہو سکا۔

فائز نے اپنے کلیات کا جو طولانی خطبہ یعنی مقدمہ لکھا ہے وہ بہت سی مفید معلومات پر مشتمل ہے اور اس سے خود فائز کی شاعری اور ان کے معیار تنقید پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے وہ خطبہ بھی اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

چند سال ہوئے بریلی میں آل انڈیا اردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے ایک جلسے میں جو جناب پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب کی صدارت میں ہوا تھا، میں نے فائز پر ایک مقالہ پڑھا۔ سامعین میں دہلی کے رہنے والے ایک ذی علم نورانی صورت، خوش قامت، خوش وضع خوش گفتار بزرگ تھے، جن کا اسم گرامی غالباً حکیم جمشید علی تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ رام پور کے سرکاری کتب خانے میں فائز یا ان کے والد کی تصویر موجود ہے۔ بات دل میں پڑی رہی۔ اب جب کہ فائز کے متعلق میرا کام

بادشاہوں کے لیے سخاوت ناگزیر ہے۔ ایک عالم اُن سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور شجاعت اُن کے لشکر کے لیے لازم ہے پس اُن کی سب سے بہتر خوبیاں ہیں انصاف اور ورع اور کمالاتِ نفسانی اور اُن کے خوف اور سیاست کے باعث فتنوں کا دفعیہ اور ملکوں کی آبادی۔ کوئی ایسی چیز جس کا ممدوح پر الزام یا اتہام ہو کبھی نہ لائی جائے، نہ صراحتہً نہ کنایتہً۔ عورتوں کی مدح میں حسن، سخاوت اور خلق کی تعریف نہ کی جائے بلکہ عفت اور عصمت کی تعریف اولیٰ ہے۔ قصیدے کی ابتدا مبارک اور مسعود لفظوں سے آراستہ ہونا چاہیے اور منحوس اور نفی کے لفظوں (مثلاً نیست، نباشد، نبود) سے دور، کیوں کہ یہ بدشگونی ہے۔ جو مدح سب سے زیادہ زبردست ہو اُس کو آخر میں لانا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ قصیدے کا آخری حصہ نہایت مطبوع اور شاعر کی غرض پر مشتمل ہو اور اُس کے لفظ فصیح اور معنی بدیع ہوں کیوں کہ وہ سُننے والے کی سماعت سے قریب العہد ہوتا ہے۔ وہ اُس سے مدت تک لطف اُٹھاتا ہے اور اُس کو بھولتا نہیں۔ اُن لفظوں سے بچنا چاہیے جو مدح اور ذم میں مشترک ہیں جیسے لفظ سوز کہ خوشی اور غم دونوں کے لیے آتا ہے۔" (ترجمہ)

جیساکہ اوپر لکھا جاچکا ہے فائزؔ نے صرف مذہبی پیشواؤں کی مدح میں چند چھوٹے چھوٹے قصیدے کہے ہیں۔ دنیاداروں کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں کہا ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ دوسرے قصیدہ گویوں کو اُنھوں نے جو ہدایتیں کی ہیں اُن پر وہ خود کس حد تک عمل کر سکے۔ مگر ان ہدایتوں سے اتنا فائدہ ضرور حاصل

ہوتا ہے کہ قصیدے کے متعلق فائز کا معیارِ تنقید معلوم ہوجاتا ہے۔

فائز کی صداقت پسندی | فائز سچے آدمی تھے اور سچائی کے دل دادہ۔ وہ شاعری میں بھی جھوٹ کو جائز نہ رکھتے تھے۔ گویا وہ عرب کے اُس شاعر کے ہم نوا تھے جس کا یہ قول مشہور ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس کو سُن کر لوگ کہیں کہ سچ کہا۔ وہ اپنے کلیات کے خطبے میں کہتے ہیں :-

"مجھ کو باکمال شاعروں پر تعجب ہوتا ہے کہ جھوٹی کہانیاں اور غلط باتیں کیوں نظم کرتے ہیں۔" (ترجمہ)

ذرا آگے بڑھ کر پھر کہتے ہیں :-

"عقل مند آدمی کو کیا ضرورت ہے کہ جھوٹی باتیں نظم کرنے میں اوقات صرف کرکے اپنے کلام کو عاقلوں کی نظر میں بے قدر کرے اور جاہلوں کو گمراہی میں مبتلا کرے، کیوں کہ وہ اِن باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ اگر خدا کسی کو موزوں طبیعت عطا کرے تو وہ سچی باتیں اور سچی حکایتیں کیوں نہ نظم کرے کہ جھوٹی باتوں میں مشغول ہوکر اپنے کلام کو بے رتبہ بنا دے۔" (ترجمہ)

اس سلسلے میں فردوسی، نظامی، اور جامی کے کذب، بہتان اور مبالغے کی مثالیں دینے کے بعد فائز کہتے ہیں کہ شاہ نامہ، سکندر نامہ، لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں، نل دمن، وغیرہ میں اگر ایک سچ ہو تو دس جھوٹ ہیں۔

اپنے اصول کے مطابق فائز اپنی شاعری میں جھوٹ سے بچتے ہیں۔ حد سے گزرے ہوئے مبالغے سے کام نہیں لیتے۔ لفظوں کی مناسبت پر کلام کی بنیاد نہیں رکھتے اور خیالی مضامین کے طلسمی گل دستے نہیں بناتے۔ وہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، کانوں سے سنتے ہیں، اور دل سے محسوس کرتے ہیں، اُسی کو اپنی شاعری کا موضوع

قرار دیتے ہیں۔

فائز کے کلام میں بے ساختگی | فائز کے کلام میں غور و فکر کے آثار نہیں پائے جاتے ہیں۔ وہ نہ مضمون کی تلاش میں کوئی خاص کوشش کرتے ہیں، نہ لفظوں کے انتخاب میں غیر معمولی کاوش۔ سیدھی سیدھی باتیں سادے سادے لفظوں میں کہتے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی راستی پسند طبیعت نے اپنے کلام کی اس خصوصیت کا خود اعتراف کرلیا ہے اور کلیات کے خطبے میں اُنھوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں نے دوسرے شاعروں کی طرح مضمون کے لیے کوشش اور فکر کبھی نہیں کی۔ شوق کے غلبے میں جو کچھ دل میں آیا بے توقف لکھ دیا۔ چناں چہ ایک ایک دن میں سوا سوا سو شعر اور طبیعت حاضر ہوئی تو اس سے بھی زیادہ کہہ ڈالے۔ اُن کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

"ایں ہیچ مدان ہرگز بہ دستور شعرائے دیگر سعی و فکر برائے مضمون نکرد۔ در غلبات شوق انچہ بہ خاطر رسید بے توقف تحریر نمود۔ چناں چہ اکثر در روزے صد و بست و زیادہ ازاں کہ دماغ چاق می بود گفتہ می شد۔"

فائز نے اپنے کلام کی بے ساختگی کا ذکر ایک شعر میں بھی کیا ہے اور اس طرح کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو کلام کی ایک پسندیدہ صفت سمجھتے تھے۔ وہ شعر یہ ہے:-

فائز چہ خوش آیند سخن ہائے تو ما را | بے ساختہ باشد غزل و شعر تو یکسر

فائز کی سادگی پسندی کا اظہار اُن کے اس شعر سے بھی ہوتا ہے:-

حُسنِ بے ساختہ بھاتا ہے مجھے | سُرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو

فائز اور شعر کے محاسن | فائز اپنے کلیات کے خطبے میں مختلف اصنافِ سخن کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

" تمام اقسامِ شعر میں چاہیے کہ نظم بدیع ہو، قافیے درست

ہوں، معنی لطیف ہوں، الفاظ شیریں ہوں، عبارت صاف ہو،
یعنی اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو، بیان میں تکلف نہ ہو، حروفِ
زائد سے پاک ہو اور الفاظ صحیح ہوں۔ شاعر کے لیے لازم ہے
کہ نظم کے طور و ترکیب کو پہچانتا ہو، تشبیہ کے قاعدوں کا استعارے
کی قسموں اور زبان کے محاوروں سے واقف ہو، قدما کی تاریخ
اور نظم سے باخبر ہو اور حکما کے کلام کا تتبع کرے اور اپنی طبع سلیم
سے جزیل اور رکیک لفظوں میں امتیاز کرے اور جھوٹی تشبیہوں،
مجہول اشاروں، ناپسندیدہ ایہاموں، غریب وصفوں، بعید
استعاروں، نادرست محاوروں اور نامطبوع تکلفوں سے
پرہیز کرے۔" (ترجمہ)

شاعروں کے لیے فائز نے جو ہدایتیں کی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی توجہ زیادہ تر صحتِ زبان اور حسنِ بیان کی طرف ہے، نفسِ شاعری کی طرف نہیں ہے۔ اور ایک اُنھیں پر کیا منحصر ہے، اُن کے زمانے کا حال یہی تھا کہ جو کلام معنی و بیان، بلاغت و بدیع، صرف و نحو، عروض و قافیہ کے اعتبار سے جس قدر بے عیب ہو اُسی قدر اچھا سمجھا جاتا تھا۔ شاعری کی حقیقت اور اُس کے موضوع و مقصد کے متعلق واضح تصورات لوگوں کے ذہن میں نہ تھے۔ یہ چیزیں ذوقی اور وجدانی سمجھی جاتی تھیں، جن کا اظہار لفظوں میں ناممکن تھا۔ اُس زمانے کے حالات کے مطابق فائز کے پیشِ نظر بھی شعر کا کوئی بلند معیار نہیں ہے۔ نہ اُن کے سامنے شاعری کا کوئی خاص مقصد ہے۔ جو ہدایتیں اُنھوں نے دوسرے شاعروں کو کی ہیں اُن پر اپنی صلاحیتوں کے موافق خود بھی عمل کیا ہے۔

فائز کا فارسی کلام | فائز کا فارسی کلام ان کے اردو کلام سے بہت زیادہ،

تقریباً اُس کا سترہ گنا ہے۔ ان کے کلیات کی بیت شماری کے سلسلے میں بتایا جا چکا ہے کہ اُن کے فارسی اشعار کی مجموعی تعداد تقریباً اُنیس ہزار قرار پاتی ہے۔ فائز کے فارسی کلام پر تبصرہ منظور نہیں ہے، صرف اتنا کہنا ہے کہ تذکرۂ سفینۂ ہندی کے قول کے مطابق فائز کو صنایع و بدایع کے استعمال میں بڑی مہارت تھی، شیخ علی حزیں اُن کی طبیعت کی تعریف کرتے تھے، اُن کا کلیات ہر قسم کے اشعار سے مالامال ہے۔ ہم ان کے فارسی کلام کا صرف نمونہ دکھا دینا چاہتے ہیں۔ اُن کی مثنویوں کے کئی اقتباس اوپر جا بجا نقل کیے جا چکے ہیں۔ یہاں غزلوں کے شعر پیش کیے جاتے ہیں:-

به رہ عشق تا قدم زده ایم — پشت پائے به ملک جم زده ایم
هردم از ناله جهان آشوب — در صفِ عاشقان علم زده ایم
محو یاریم و آرزوئے نیست — بر خطِ مدعا قلم زده ایم
سخنِ ماست جمله درد آلود — فائز از جوشِ عشق دم زده ایم

ز دلِ خراب عاشق چه غم اے نگار داری — تو که دل بکس ندادی به غمی چه کار داری
نه به خانه نی به گلشن نه سرِ رہت بیایم — چو دل رمیدۂ من تو کجا قرار داری
دلم از وزیدنِ تو چو گلِ چمن شگفته — مگر ای نسیمِ گلشن خبرے زیار داری

با خمارِ ین نگهے من سروکارے دارم — خار در سینه ز مژگانِ نگارے دارم
روزگاریست بحیرت سروکارے دارم — هم چو آئینه نظر بر رُخِ یارے دارم
گر تو با پیر مغاں دی زدهٔ رطلِ گران — من هم از بادهٔ چشمِ تو خمارے دارم

گرچه در بزم تو گفتند ز هر جا سخنے — کاش میگفت کسے هم ز دلِ ما سخنے

روے دل باد گرے داشتی و چشم بما   زان کہ با خود سخنے گفتی و با ما سخنے

ہر لحظہ ام بہ فکر تو سوداے دگر است   من جاے دیگر و دلِ من جاے دیگر است

غنچہ حیران ز دہانت کہ تبسم اینست   طوطی از حرفِ تو خاموش کہ تکلّم اینست

دو نفس دیدم کہ بہ گلشن تو خرامے داری   دم بہ دم با گل و شبنم مے و جامے داری

در گلستان تا در نگے کردۂ   ہر نفس گل را بہ رنگے کردۂ

من کہ در سینہ دل از آتشِ غم سوختہ ام   در شبستانِ تو شمعِ دگر افروختہ ام

یار را شمعِ انجمن دیدم   صرفۂ خویش سوختن دیدم

شرمندہ شد ز عارضِ تو لالہ زار ہا   حیرانِ این گل اند بہ عالم بہار ہا

نو بہار آمد ز گل پیدا بہ ہر سو ساغر است   رنگِ گل در چشمِ مستاں چوں شرابِ احمر است

نورِ شمع و رنگِ گل چوں در رخِ جانانہ است   عاشقِ بے چارہ گہ بلبل گہے پروانہ است

ہست آبادی آئینہ ز عکسِ رخِ تو   جز خیالت کہ دہد نور بہ ویرانۂ ما

دل در شکنِ زلف تو از سینہ کند یاد　　باشد طرفِ شام فزون یادِ وطن ہا

ہر کسے در گوشۂ اندر خیالے سرخوش است　　بلبل اندر گلستاں خوش چغد در ویرانہ ہا

سر بہ اوجِ فلک از بس کہ بہارِ تو کشید　　گلِ خورشید سزد گوشۂ دستارِ ترا

اقلیم جنون را نبود آفت و دانم　　در مملکتِ عشق ز خوبان خطرے ہست

ملک دل سر بہ سر از فیض سخن آباد است　　زاں کہ در کشورِ معنی غم ویرانی نیست

خیرہ بر روے تو نظر نہ کنم　　بر سرت ہست چیرۂ زرتار

مزن این ناوکِ مژگان بہ سوے سینۂ ما　　کہ ترا در دلِ دیوانۂ ما جا باشد

اب فائز کی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں :-

از عشق تو سوختیم ما خرمنِ خویش　　چوں شعلہ زدیم دست بر دامنِ خویش
ما رنجہ ز طبع نکتہ فہم خویشیم ،　　چوں ما نہ بود ہیچ کسے دشمنِ خویش

یک چند بہ عقل و ہوش مقرون گشتم　　یک چند چو خم نشین فلاطون گشتم
دیدم چو نہ شد ہیچ از آں حاصلِ من　　از خویش برون رفتم و مجنون گشتم

باصلح درآویز و در جنگ مزن — بر دامن این وآن عبث چنگ مزن

خواہی نہ شوی شکستہ دل اندر دہر — بر شیشۂ خاطرِ کسے سنگ مزن

تذکرہ سفینۂ ہندی میں فائز کے صرف تین شعر نقل کیے گئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں :-

رخش ہرچند در برقع نہانست — فروغش از زمین تا آسمانست

ماکوہ غم عشق ترا از مژہ کندیم — فرہاد درین فن بہ توانائی مانیست

ہر لحظہ ز شوخی کند از سایۂ خود رم — وحشی تر از آن چشم غزالے بہ جہاں نیست

فائز کا اُردو کلام

فائز کی تصنیفوں کے سلسلے میں ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اُن کا اُردو دیوان کن اصنافِ سخن پر مشتمل ہے اور اُن کے اُردو کلام کی مقدار کیا ہے۔ فائز کی شاعری پر ایک مختصر مجموعی تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ اب اُن کے اُردو کلام پر ذرا گہری نظر ڈالی جائے گی اور اُن کی شاعری کی خصوصیتیں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی،

فائز کی غزلیں

فائز کی غزلوں کا عام موضوع ظاہری حسن ہے یا مجازی محبت، خدائی محبت کا تو شاید کہیں ذکر ہی نہیں، انسانی محبت کا تصور بھی کچھ بلند نہیں ہے۔ اُن کے یہاں جس محبت کا بیان ملتا ہے وہ وہی ہے جسے ہوس یا حسن پرستی کہہ سکتے ہیں، عشق کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ شاید دو ہی چار شعر ہوں گے جو عشق کے اعلیٰ تصور پر مبنی ہوں۔ مثلاً

خاک سیتی سجن اٹھا کے گیا — عشق تیرے نے سربلند مجھے

اسی طرح فائز کی غزلوں میں، دوچار شعر ایسے بھی مل سکتے ہیں، جن میں حسن و محبت کے علاوہ کوئی اور مضمون باندھا گیا ہو۔ مثلاً

حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں	جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کوں غم نہیں
تلوار کا رٹ کیا کرے جس کو جودم نہیں	ظاہر کے دوست آتے نہیں کام وقت پر

محبوب کی توصیف اور محبت کے اظہار میں، وہ محبوب سے براہِ راست خطاب کرتے ہیں۔ بعد کے شاعروں نے غزل میں معشوق کا ذکر اکثر ضمیرِ غائب کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن فائز کی غزل "سخن از معشوق گفتن" کا نہیں بلکہ "سخن بہ معشوق گفتن" کا مصداق ہے۔

شمالی ہند میں اردو غزل گوئی کا ابتدائی دور ایہام گوئی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن فائز کو ایہام گوئی کا شوق نہ تھا۔ وہ اپنے کلام کی بنیاد بالعموم دہرے معنوں کے لفظوں اور فقروں پر نہیں رکھتے ہیں۔ تاہم کبھی کبھی صنعتِ ایہام سے کام لیتے ہیں۔ اُن کی زبان میں وہ سادگی، نرمی اور لوچ ہے جو غزل کے لیے ضروری ہے۔ وہ اپنا مطلب تمثیل کے پیرائے میں یا استعارے کے پردے میں بیان نہیں کرتے جو کچھ کہنا ہوتا ہے سیدھے سادے بے تکلف انداز میں کہہ دیتے ہیں، مگر اسلوب بیان کچھ ایسا اختیار کرتے ہیں کہ اُن کی سادی سادی باتیں بھی لطف اور اثر سے خالی نہیں ہوتیں۔

آزاد مغفور دہلی کے دورِ اوّل کے اُردو شاعروں کے متعلق لکھتے ہیں :-

"ان بزرگوں کے کلام میں تکلف نہیں۔ جو کچھ سامنے آنکھوں کے دیکھتے ہیں اور اُس سے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں وہی زبان سے کہہ دیتے ہیں۔ اینچ پیچ کے خیال، دُور دُور کی تشبیہیں، نازک استعارے نہیں ہوتے۔ اس واسطے اشعار بھی صاف اور بے تکلف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کے محاورات قدیم

اور مضمون بھی اکثر سبک اور مبتذل ہوں گے۔ مگر کلام کی سادگی اور بے تکلفی ایسی دل کو بھلی لگتی ہو جیسے ایک حسن خداداد ہو کہ اس کی قدرتی خوبی ہزار بناؤ سنگار کا کام کر رہی ہو۔"

(آب حیات)

آزاد کا یہ بیان فائز کے کلام پر حرف بہ حرف صادق آتا ہو۔ مثال کے لیے ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

تری گال مجھ دل کوں پیاری لگے | دعا میری تجھ من میں بھاری لگے
تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن | کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے
بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند | پلک تیری جیسے کٹاری سی لگے
نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا | نین تیرے مجھ کوں خماری لگے

وہی قدر فائز کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

چند متفرق شعر اور سنیے :۔

جب سجیلے خرام کرتے ہیں | ہر طرف قتل عام کرتے ہیں
مرغ دل کا شکار کرنے کوں | زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں

گل باغ جنوں ہو رسوائی | عزت ملک عشق خواری ہو
خون دل بادہ و جگر ہو کباب | نغمہ بزم وصل زاری ہو
لیلیٰ مجنوں کا ذکر سر دہوا | اب تمھاری ہماری باری ہو

یار میرا میان گلشن ہو | غرق خوں پھول تا بہ دامن ہو

ختم کے قریب پہنچا تو میں نے اس تصویر کی تلاش میں کتب خانہ رام پور کے فاضل ناظم جناب مولوی امتیاز علی صاحب عرشی سے مدد چاہی. موصوف نے کتب خانے کے مرقعوں کا جائزہ لے کر فائز کی تصویر ڈھونڈھ نکالی اور عالی جناب خواجہ غلام السیدین صاحب مشیر تعلیمات ریاست رام پور کی اجازت سے اُس کا فوٹو کھنچوا کر مجھے بھیج دیا. فائز کی تصویر ملنے سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی اور میں دل سے اُن سب حضرات کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اس کے حصول میں میری اعانت فرمائی۔

پنجاب یونیورسٹی کے قابل ریڈر ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے فائز کے کئی رسالوں کا پتا بتایا جو اُن کی یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ تھے اور یونیورسٹی کے اربابِ اختیار نے وہ رسالے کچھ مدّت کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں منتقل کر دیے. میں ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ اگر اُن کی امداد مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں اِن رسالوں کے مطالعے سے محروم اور میرا کام نامکمل رہ جاتا۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب

۳۰ جون ۱۹۴۵ء

پیش نامہ

طبع دوم

فائز کے حالات و تصنیفات کی تلاش، ان کی تصنیفوں اور نظموں کا غائر مطالعہ، اُن کے دیوان کے متن کی صحیح قرأت، تشریح طلب مقامات پر

دورِ اوّل کے اور شاعروں کی طرح فائز کی غزلوں میں بھی درد و الم، سوز و گداز، رندی و سرمستی، جوش و خروش کم ہے۔ لیکن محبوب کی اداؤں کے بیان اور عاشق کی محبت کے اظہار میں کبھی کبھی اُن کے کلام میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ترچھی نگاہ کرنا کترا کے بات سننا　　مجلس میں عاشقوں کی انداز ہے سراپا

بعض لوگ غلط فہمی سے اُردو غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں معشوق مذکر ہوتا ہے۔ لیکن فائز کے یہاں معشوق کی نسوانیت بالکل ظاہر ہے۔ وہ اس کو کبھی کبھی نار کے لفظ سے یاد کرتے ہیں جس کے معنی ہیں عورت اور اس کی ساری، اوڑھنی وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً

سورج کا جلانے کوں جگ جیوں دلِ فائز　　اے نار تو کیوں دھوپ میں سر کھول کھڑی ہے

تجھ بدن پر جو لال ساری ہے　　عقل اس نے مری بساری ہے

اوڑھنی اودی پر کناری زرد　　گرد شب کے سورج کی دھاری ہے

مگر کبھی کبھی وہ مردانہ حسن کا بیان بھی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں قبا اور چیرہ یعنی پگڑی کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً

کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو　　کیا زیب دیوے لسمہ تری سبز قبا پر

کرناں کا بنا ہے نور رخ سوں　　چیرہ ہے جو سر پہ تجھ زری کا

فائز کی غزلوں کے اس مختصر مجموعے میں کئی غزلیں ایسی ہیں جن کا موضوع شروع سے آخر تک ایک ہے یعنی وہ غزل کی شکل میں مسلسل نظمیں ہیں۔ وہ غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں اور ہر غزل کا عنوان تجویز کر کے اس پر درج کیا جاتا ہے:-

آیامِ محبت کی یاد

جان ایام دل بری ہے یاد   سیرِ گل زار و مےخوری ہے یاد
دیکھتا نہیں سورج کوں نظراں بھر   جس کوں تجھ جامۂ زری ہے یاد
خوب پھولی تھی باغ میں نرگس   گلِ صد برگ و جعفری ہے یاد
وہ چراغاں و چاندنی کی رات   سیرِ ہَٹ پھول و پھلجھڑی ہے یاد
وہ تماشا و کھیل ہولی کا   سب کے تن رخت کیسری ہے یاد
ہو دوانہ جنگل میں کیوں نہ پھرے   جس کو وہ سایۂ پری ہے یاد
اے سیہ مست! میری انکھیوں کے   لال بادل کی تجھ جھڑی ہے یاد
جب تمن پاس فائز آیا تھا   بات کہنا بی سرسری ہے یاد

جذبۂ بے باک

منھ پھول سو رنگین تھا و ساری کُتھی اس ہری
کھترانی ایک دیکھی میں پنگھٹ میں جیوں پری
چیری ہیں اُس کی اُربسی رمبھا و رادھکا
پربھو نے [پھر] بنائی نہیں ویسی دوسری
میں نے کہا کہ گھر چلے گی میرے ساتھ آج
کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو بُری
دھک جا کے اُس کی باہنہ کو پکڑا میں ہاتھ سوں
کہہ بیٹھی جا دئی مارے کرتا ہے مسخری

چو مالیا آدھر پر اُسے جب لگا کے گل
کہنے لگی مغل کی یہی ریت ہے بُری
کم دیکھی فائزؔ ایسی حُسن میں میں ہندنی
بیتیں بر کھ بر کھ ز غم اد گھری گھری

قیدِ اُلفت

زلف تیری ہوئی کمند مجھے — اُس میں باندھا ہے بند بند مجھے
خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا — عشق تیرے نے سربلند مجھے
نہیں جگ بیچ اور ای دل بر — وصل بن تیرے سود مند مجھے
میں گرفتار ہوں ترے مکھ پر — جگ میں نہیں اور کچھ پسند مجھے
فائزؔ اس طور سے ہوا ہے ملول — توں جلاتا ہے جیوں سپند مجھے

عالمِ فراق

مجھ پاس کبھی وو قدِ شمشاد نہ آیا — اس گھر منے وو دلبر استاد نہ آیا
گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخن دوزخ — جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا
سانجھ آئی وی وو دن بی ہوا فکر میں آخر — وو دلبر جادو گر صیاد نہ آیا
آیا نہ ہمن پاس کیا وعدہ خلافی — فائزؔ کا کچھ احوال مگر یاد نہ آیا

اوصافِ محبوب

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہے سراپا — انداز دل بری میں اعجاز ہے سراپا

پل پل مٹک کے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کر — وہ شوخ چھل چھبیلا طنّاز ہے سراپا
ترچھی نگاہ کرنا، کترا کے بات سننا — مجلس میں عاشقوں کی اعلانیہ سراپا
نینوں میں اس کے جادو، زلفاں میں اس کی پھانند — دل کے شکار میں وہ شہباز ہے سراپا
غمزہ، نگہ، تغافل، انکھیاں سیاہ چنچل — یارب نظر نہ لاگے انداز ہے سراپا
اس کے خرام اوپر طاؤس مست ہیگا — وہ میر دل ربائی طنّاز ہے سراپا
کشت امید کرتا سرسبز سبزۂ خط — انجام حسن اس کا آغاز ہے سراپا
وقت نظارہ فائزؔ دلدار کا یہی ہے — بستر نہیں بدن پر تن باز ہے سراپا

فائزؔ کے کلام میں مقامی رنگ

اُردو شاعری پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ مقامی رنگ سے خالی ہے۔ مگر فائزؔ کا کلام اس اعتراض کی زد سے دور ہے۔ وہ تشبیہوں، استعاروں اور تلمیحوں میں خاص ہندوستانی چیزوں سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ مثلاً پلک کو کٹاری سے نرم، نازک، گول بانہوں کو کنول کی ڈنڈی اور کیلے کے گابھے سے، ہونٹوں کو امرت پھل سے، بڑی بڑی آنکھوں کو کنول کے پھول سے، ستواں ناک کو چمپے کی کلی سے، دل کش رفتار کو مور اور مست ہاتھی کی چال سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان تشبیہوں کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند — پلک تیری جیسے کٹاری لگے

کنک سوں صفادار ہے وہ بدن — کنول ڈال سے ہاتھ گل سے چرن

کیلے کے گابھے سے ملائم دو ہات — دیکھ کے مرجھانے لگے کیلے کے پات

دوا دھر تیرے ہیں جیوں امرت پھل　　　شیرینی میں ہیں مگر شان عسل

رنگ سوں ہیں پیرہن سب گل سے لال　　　نین ہیں رنگیں کنول سے از گلال

نین دو کنول اور دو گل ہیں گال　　　کلی چمپے کی ناک کو ہو مثال

ترچھی نظروں سے دیکھنا ہنس ہنس　　　مورے چال تجھ نیاری ہے

متے ہاتھی سی چلتی تھی نہ جو بن　　　نہ آہٹ پاتے گر بجتی نہ پیجن

ہندی شاعری کے اتباع میں وہ معشوق کا استعارہ چاند سے اور عاشق کا چکور سے کرتے ہیں :-

ان چکوروں سے دور رہ اے چاند　　　قول عشاق کا نمازی ہے

ملتے ہو سب کے جا کے گھر اور ہم سے ہو کنار　　　کچھ ہم تو ان چکوروں سے اے ماہ کم نہیں

فائز ہندوؤں کے مذہبی عقیدوں اور معاشرتی طریقوں کی طرف اکثر اشارہ کرتے ہیں. مثلاً بالوں کی لٹوں کو سہس ناگنی، جوڑے کو کنھیا کا گیند، خوب صورت عورت کو اندر کی اپسرا حسینوں کے مجمع کو اندر کی سبھا، شب ہجر کے ایک پل کو برھا کی گھڑی قرار دیتے ہیں۔ ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں :-

جوڑا نہیں گیند ہے کنھیا کی　　　یا سہس ناگنی ہے دریا کی

ہر اک پنہار داں اک اپچھراتی　　　کنویں کے گرد اندر کی سبھاتی

اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر حسن اُس کا تھا پری سوں بیش تر

دل فریبی کی ادا اُس کی انوپ رُوپ میں تھی رادھکا سوں بھی سروپ

جیسری ہیں اُس کی اُربسی رمبھا و رادھکا پربھو نے [پھر] بنائی نہیں ویسی دوسری

ہے اندر کی مانو سبھا جلوہ گر کہ ہر نار دستی ہے رمبھا سوں ور

اے جاں شب ہجران تری سخت پڑی ہے ہر پل گر اس تن کی برتھا کی گھڑی ہے

اسی طرح رام رام کرنا، نونران کہنا، تپ یا تپسیا کرنا وغیرہ یہ چیزیں بھی فائزؔ کے یہاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً

خوب رُو آشنا ہیں فائزؔ کے مل سبھی رام رام کرتے ہیں

جب کرے تپ سورج کی کھاڑی رہ چرخ نہوڑ نے نمونران کہہ

رہ کھڑا ایک پاؤں پر بگلا ہے تپستی وہ بحر جو بن کا

فائزؔ کے کلام میں صنعتیں، تشبیہیں اور استعارے

فائزؔ نے اپنے کلیات کے خطبے میں لکھا ہے کہ "شاعر کا کمال صنائعِ شعریہ پر موقوف ہے۔ ہر شخص جو فی الجملہ موزوں طبع ہے اور بعض شعر کہہ لیتا ہے وہ اپنے کو شاعر علامہ سمجھ لیتا ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ شاعر کی استعداد صنائع

میں ظاہر ہوتی ہے۔" یہ لکھنے کے بعد فائز نے بہت سی صنعتوں کا بیان کیا ہے اور تمام صنعتوں کی مثالوں میں اپنے شعر پیش کیے ہیں۔ اس طرح انھوں نے اپنی قادرالکلامی کا ثبوت دے دیا ہے اور بہ قول خود شاعری کا کمال دکھا دیا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فائز کی زبان سلیس اور بیان بے تصنع ہے۔ وہ صنعتوں کا التزام نہیں کرتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں کوئی صنعت اُن کے یہاں نظر آجاتی ہے۔ مثلاً

ہووے سرِ بازار دامن کا دیکھ اگر گرد دامن کنارے سی لگے

ایک پل جانہ کہیں نین سوں اے نورِ بصر تاکہ نہ ہو اس دل تاریک سوں اے بدر بدر

دامن اور دامن، بدر اور بدر میں تجنیسِ محرّف ہے۔

تجھ دام میں اے آہوئے چیں بند ہے فائز ہرگز نہیں اس طائرِ اندیشہ خطا پر

تجھے دیکھ فرہاد اے خوش ادا کرے رات دن جانِ شیریں فدا

چین، اور خطا، فرہاد اور شیریں میں ایہامِ تناسب ہے۔

لشکرِ سودا نے کیا ہے ہجوم چھائے مرے دل پہ غمام غموم

غمام اور غموم میں تجنیس لاحق اور شبہ اشتقاق ہے۔

کنج لب پر اس کے تھا زیبندہ خال تھے دراز اُس تو کمر کے سر کے بال

مو، کمر، سر، بال میں مراعات النظیر ہے۔

عشق کی آگ میں رہے دن رین یار تیرا مگر سمندر ہے

مگر اور سمندر میں ایہام تناسب ہے۔

دو اُدھر تھے اس کے جیوں یاقوت لال گل ہوا اس غنچہ لب کے آگے لال

لال اور لال میں تجنیسِ تام ہے۔

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین　　اُس کا مجھے عشق ہوا فرض عین

بے جانی ہیں جیوں اپچھراجی کو چھل　　کہ دیکھ اُن کوں پانی میں جی جائے جل

نین، اور عین، پانی اور جل میں ایہام تناسب ہے۔

تیری اس صبح بناگوش وخط مشکیں سوں　　سیر کرتا ہوں عجب شام وسحر شام وسحر

یہاں 'شام وسحر' کی تکرار دو معنوں میں ہے۔ ایک معنی میں 'شام وسحر' اسم مفعول ہیں اور دوسرے معنی میں ظرفِ زمان۔

تشبیہہ اور استعارے کے استعمال میں فائز خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ وہ مقررہ استعاروں اور رسمی تشبیہوں پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ اپنے مشاہدے سے نئی تشبیہیں اور نئے استعارے پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً

چاند جیسا ہو شفق بھیتر عیاں　　چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں

یعنی روشن چہرے پر گلال ملا ہوا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شفق کے اندر سے چاند نمودار ہے۔

ایک حسین جوگن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

نہیں چھپا تن بھبھوت میں سارا　　راکھ میں حُسن کا ہے انگارا

یعنی جوگن کے بدن پر بھبھوت نہیں ملی ہوئی ہے بلکہ حسن کا انگارا راکھ میں چھپا ہوا ہے۔

ایک حسین میوے والی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں:۔

پھرتی وو سورج سی دن کوں در در　　میواں سوں لے سرپہ تارے چندر

یعنی میووں کے چاند تارے سر پر رکھ کر وہ سورج کی طرح دن بھر گھر گھر پھرا کرتی ہے۔

سب چکورے بھنگیڑ خانے پر	جیسے کوّے ہیں آشیانے پر

یعنی جس طرح شام کو بسیرے کے وقت بہت سے کوّے ایک جگہ جمع ہو کر خوب شور کرتے ہیں، اسی طرح او باش لوگ بھنگیڑ خانے میں جمع ہو کر غل غپاڑا مچا رہے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ بھنگیڑ خانے میں لچے، لفنگے جمع ہیں، اُن میں کچھ لوگ ایسے بھی کھڑے ہوئے ہیں جن کے بدن پر کپڑے تک نہیں ہیں۔ ان لوگوں کو شمع سے تشبیہہ دے کر اُن کی بے سرو سامانی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہتے ہیں :-

خندی اور بازاری اُس سنگت میں جمع	ہر طرف ننگے کھڑے ہیں مثلِ شمع

ایک خوب صورت گوری چٹی عورت کی ایڑی کو سُرخی اور گولائی کی بنا پر نارنگی سے اور تلووں کو سُرخ و سفید رنگ کی مناسبت سے سیب سے تشبیہہ دی ہے۔

خوش نما تھا اس کے پگ میں پائے زیب	ایڑی نارنگی و وہ تلوے تھے سیب

دل کی شکل بادام سے مشابہ ہوتی ہے اور بادام کے چھلکے پر باریک باریک سُوراخ کثرت سے ہوتے ہیں۔ ان دونوں باتوں پر نظر کر کے فائزؔ نے ایک اچھوتی تشبیہہ پیدا کی ہے۔

چھیدتی سب کے دل کوں جیوں بادام	کرتی تجھ پلک کام سوزن کا

گوری باہوں کو شمع اور ہاتھوں کو شمع کی لَو قرار دے کر کُرتے کو دو شاخہ فانوس کہنا ایک نادر تشبیہہ ہے۔ ملاحظہ ہو :-

پا میں تھی شلوار زربفت طِلا	کُرتا فانوس دو شاخہ پر جلا

فن بلاغت کے مسلّمات سے ہے کہ تشبیہہ مرکب تشبیہہ مفرد سے زیادہ پُر لطف ہوتی ہے۔ اگر وجہ شبہ میں حرکت شامل ہو تو تشبیہہ کا لطف اور بڑھ جاتا ہے۔ ان دونوں باتوں کو نظر میں رکھیے اور ایک نادر تشبیہہ ملاحظہ کیجیے۔ دریا کے کنارے میلا لگا ہوا ہے۔ سفید چمکتی ہوئی ریت پر حسین عورتیں رنگ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے اِدھر سے اُدھر آ جا رہی ہیں۔ فائزؔ اس متحرک منظر کو تشبیہہ دیتے ہیں

ایک چاندی کی تھالی ہے جس میں مختلف رنگوں کے جواہرات ڈھلک رہے ہیں۔ کہتے ہیں:-

ندی پر نمایاں ہیں سیمیں بدن　　جیوں روپے کی تھالی میں ڈھلتے رتن

یہ سب تو حِسّی تشبیہوں کی مثالیں تھیں۔ اب ایک عقلی یا تخیلی تشبیہہ بھی دیکھیے :-

اوڑھنی اودی پہ کناری زرد　　گرد شب کے سورج کی دھاری ہے

فائز کی تشبیہوں، استعاروں اور تلمیحوں میں اگر ایک طرف دیسی رنگ پایا جاتا ہے تو دوسری طرف فارسی شاعری کا اثر بھی موجود ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:-

اُس ساتھ مہ رخاں کو نہیں کچھ برابری　　یوسف سے یہ نگار پری زاد کم نہیں

گھڑا سر پہ کھڑی تھی راہ اوپر　　یقیں یوسف کی جا ہے چاہ اُوپر

دو بھواں تیغ جنوبی سی دراز　　ہوتے صد محمود و دکھ دیکھ ایاز

جامہ زیبی میں نہیں تجھ ثانی　　تو ہے خوبی میں جیوں نقش مانی

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا　　اب تماری ہماری باری ہے

فائز کی نظمیں — فائز کے دیوان میں پندرہ نظمیں ایسی ملتی ہیں جو صورت میں مثنویاں ہیں، لیکن مثنوی کے عام تصور کے خلاف ان میں کوئی قصہ نہیں بیان کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت میں مختلف موضوعوں پر مسلسل نظمیں ہیں۔ مثلاً تعریف پنگھٹ، وصف بھنگیرن، تعریف جوگن، بیان میلۂ بہتہ، تعریف نہان نگمبود۔ فائز کا غزلوں کی طرح ان سب میں بھی زیادہ تر حُسن اور اس کے تاثرات کا بیان ہے۔

حاشیے اور مشکل الفاظ کی فرہنگ، یہ سب کام انجام دینے میں ایک مدت گزر گئی اور کوئی بیس برس تک یہ موضوع پیش نظر رہا۔ آخر تمام مرحلوں سے گزر کر ۱۹۴۵ء میں ایک کتاب ذیل کے طولانی نام سے مرتب ہوئی، جو اُس کے اندرونی سرورق پر لکھا گیا۔

شمالی ہند میں

اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر

نواب صدرالدین محمد خاں

فائزؔ دہلوی اور اُس کا دیوان

انجمن ترقی اُردو (ہند) نے اس کتاب کو اس کے بیرونی سرورق پر صرف دیوان فائزؔ لکھ کر ۱۹۴۶ء کے آخر میں چھاپ کر شائع کر دیا۔ اس وقت مولوی عبدالحق مرحوم انجمن کے سکریٹری تھے میں نے اُن کو لکھا کہ کتاب کی اشاعت کچھ دن کے لیے روک دی جائے اور ماخذوں اور مضمونوں کی فہرستیں شامل کرنے کے بعد اسکو شائع کیا جائے۔ وہ دونوں فہرستیں چھپوالی گئیں لیکن ان کو کتاب میں شامل کرنے کی نوبت ابھی نہیں آئی تھی کہ دہلی میں زبردست فرقہ دارانہ فساد پھیل گیا، جس میں انجمن کی بہت سی کتابیں لُٹ گئیں اور انجمن کا شیرازہ ابتر ہو گیا۔

ایک مدت کے بعد جب انجمن کی از سر نو تنظیم کی گئی تو وہ فہرستیں انجمن کے ذخیرے میں ملیں، مگر کتاب کا شاید ایک نسخہ بھی نہیں ملا۔ لیکن اس کے کچھ نسخے کہیں ضرور موجود تھے جو وقتاً فوقتاً بازار میں آتے رہے۔

عہ اب یہ کتاب فائزؔ دہلوی اور دیوان فائزؔ کے نام سے دوبارہ شایع کی جارہی ہے۔

صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کے موضوع دوسرے ہیں، یعنی ایک مناجات ہے اور ایک منقبت۔ اِسی طرح صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کی تشکل دوسری ہے۔ یعنی ایک مخمس ہے اور ایک بحر طویل۔

فائزؔ اور ولیؔ

فائزؔ کے اُردو دیوان میں کل ۷۶ غزلیں ہیں۔ ان میں ۳۲ غزلیں ایسی ہیں جن کی ہم طرح غزلیں ولی دکنی کے کُلیّات میں بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ایک ہم طرح مخمس بھی دونوں کے یہاں ملتا ہے۔ اس حد کی مطابقت صرف اتفاقی بات نہیں ہو سکتی۔ فائزؔ کا کُلیّات فرخ سیر کے عہد میں مرتب ہو چکا تھا اور ولیؔ کا دیوان بہ قول حاتمؔ جلوس محمد شاہ کے دوسرے سال دہلی میں آیا۔ اگر حاتمؔ کی یہ اطلاع صحیح ہے تو ولیؔ کے دیوان سے پہلے ان کی غزلیں دہلی پہنچنے لگی ہوں گی اور فائزؔ اُن کے جواب میں غزلیں کہتے رہے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ولیؔ کا دیوان فائزؔ نے حاصل کر لیا ہو اور حاتمؔ کو اس کی خبر نہ ہو۔

ذیل میں فائزؔ اور ولیؔ کی دس ہم طرح غزلیں درج کی جاتی ہیں، کہ اُن کا تقابل آسانی سے کیا جا سکے۔ باقی ہم طرح غزلوں کے صرف مطلع لکھے جاتے ہیں۔ ولیؔ کے مطلعوں کے سامنے کُلیّات ولیؔ طبع سوم مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی کے اُن صفحوں کے نمبر لکھ دیے گئے ہیں جن میں وہ غزلیں درج ہیں اس طرح تقابلی مطالعے کے لیے غزلوں کی تلاش میں کوئی دشواری نہ ہو گی۔

ولیؔ اور فائزؔ کی ہم طرح غزلیں

ولیؔ

اے رشک ماہتاب تو دل کے صحن میں آ — فرصت نہیں ہے دن کوں اگر تو رین میں آ

اے گل عذار غنچہ دہن ٹک چمن میں آ — گل سر پہ رکھ کے شمع نمن انجمن میں آ

جیوں طفلِ اشک بھاگ نہ تو مجھ نظر ستی ای نورِ چشم نور نمط مجھ نین میں آ
کب لگ اپس کے غنچۂ لب کو رکھے گا بند ای نو بہارِ باغِ محبت سخن میں آ
تا گل کے رو سے رنگ اُڑے اوس کی نمن ای آفتابِ حسن ٹک یک تو چمن میں آ

تجھ عشق سوں کیا ہی ولی دل کوں بہت غم
سرعت ستی ای معنیٔ بیگانہ من میں آ

فائز

ای خوب رو فرشتہ سیرا انجمن میں آ سرو روانِ حسن ہمارے چمن میں آ
منھ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو خنداں ہو کر کے گل کی صفت ٹک سخن میں آ
عشاق جاں بکف ہیں کھڑے تیرے آس پاس ای دل ربا ے غارتِ جاں اپنے فن میں آ
دوری نہ کر کنار سوں میرے تو ای ہما کب لگ رہے گا دور ٹک اپنے وطن میں آ

تیرے ملاپ بن نہیں فائز کے دل کو چین
جیوں روح ہو بسا ہی تو اس کے بدن میں آ

ولی

خوب رو خوب کام کرتے ہیں یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
دیکھ خوباں کو وقت ملنے کے کس ادا سوں سلام کرتے ہیں
کیا وفادار ہیں کہ ملنے میں دل سوں سب رام رام کرتے ہیں
کم نگاہی سے دیکھتے ہیں وے کام اپنا تمام کرتے ہیں
کھولتے ہیں جب اپنی زلفاں کوں صبحِ عاشق کوں شام کرتے ہیں
صاحب لفظ اس کوں کہہ سکیے جس سوں خوباں کلام کرتے ہیں

دل لے جاتے ہیں اے ولیؔ میرا
سرو قد جب خرام کرتے ہیں

فائزؔ

جب سجیلے خرام کرتے ہیں ہر طرف قتلِ عام کرتے ہیں
مکھ دکھا، چھب بنا، لباس سنوار عاشقوں کو غلام کرتے ہیں
گردشِ چشم سوں سرِ جن سب بزم میں کارِ جام کرتے ہیں
یہ نہیں نیک طور خوباں کے آشنائی کو عام کرتے ہیں
مُرغِ دل کے شکار کرنے کوں زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں
شوخ میرا بتاں میں جب جاوے اس کو اپنا امام کرتے ہیں
خوب رو آشنا ہیں فائزؔ کے
ل سبی رام رام کرتے ہیں

ولیؔ

میں عاشقی میں تب سوں افسانہ ہو رہا ہوں تیری نگہ کا جب سوں دیوانہ ہو رہا ہوں
اے آشنا کرم سوں یک بار آ درس دے تجھ باج سب جہاں سوں بیگانہ ہو رہا ہوں
باتاں لگن کی مت پوچھ اے شمع بزم خوبی مدّت سوں تجھ جھلک کا پروانہ ہو رہا ہوں
شاید وو گنج خوبی آوے کسی طرف سوں اس واسطے سراپا ویرانہ ہو رہا ہوں
سودائے زلف خوباں رکھتا ہوں دل میں دائم زنجیر عاشقی کا دیوانہ ہو رہا ہوں
برجا ہے گر سنوں میں ناصح تری نصیحت میں جامِ عشق پی کر مستانہ ہو رہا ہوں
کس سوں ولیؔ اپس کا احوال جا کہوں میں سر تا قدم میں غم سوں غم خانہ ہو رہا ہوں

فائز

ہر آشنا سے اس بن بیگانہ ہو رہا ہوں
مجلس میں شمع رو کی پروانہ ہو رہا ہوں

مجھ کو ملامت خلق خاطر میں نا ہیں ہرگز
زلفاں کی فکر میں میں دیوانہ ہو رہا ہوں

ساقی شراب و ساغراب چاہتا نہیں ہوں
اس کے خیال سوں میں مستانہ ہو رہا ہوں

اس کے خیال سوں میں تنہا نشیں ہوں دایم
وحشی سا میں سبن سوں بیگانہ ہو رہا ہوں

دیکھ اس کی لٹ کا پھاندا بھولا ہوں آب و دانہ
فائز اسیر اس کا بے دانہ ہو رہا ہوں

ولی

یک بار مری بات اگر گوش کرے توں
ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے توں

ہی بس کہ تری نین میں کیفیت مستی
یک دیدمیں کونین کوں بے ہوش کرے توں

ای سرو گل اندام ایس نقش قدم سوں
بر جا ہے اگر صحن کوں گل پوش کرے توں

غیرت سوں کرے چاک گریباں دل پرخوں
گر گل کی حمائل کوں ہم آغوش کرے توں

ای جان ولی وعدۂ دیدار کوں اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے توں

فائز

ای یار نصیحت کو اگر گوش کرے تو
یہ طور و طریق اپنے فراموش کرے تو

دیوانے سیانے ہوویں سب دیکھ تجھ انکھیاں
اک چشم کی گردش ستی بے ہوش کرے تو

ای سرو جہاں آوے اگر میری بغل میں
جنت کا چمن خانۂ آغوش کرے تو

حوراں نہ کریں خلد کے گلبن کا نظارا
جب سیم بدن اپنے کو گل پوش کرے تو

اس فائز بے چارہ کی تب قدر پچھانے
اک جام محبت کا اگر نوش کرے تو

ولی

عارفاں پر ہمیشہ روشن ہے — کہ فنِ عاشقی عجب فن ہے
دشمنِ دیں کا دین دشمن ہے — راہ زن کا چراغ روشن ہے
کیوں نہ ہو مظہرِ تجلیِ یار — کہ دل صاف مثل درپن ہے
عشق بازاں ہیں تجھ گلی میں مقیم — بلبلاں کا مقام گلشن ہے
سفرِ عشق کیوں نہ ہو مشکل — غمزۂ چشمِ یار رہ زن ہے
بار مت دے رقیب کوں اے یار — دوستاں کا رقیب دشمن ہے
تنگ چشمی ہے راہ بے بصری — گرچہ مقدار چشم سوزن ہے
مجھ کوں روشن دلاں نے دی ہے خبر — کہ سخن کا چراغ روشن ہے
گھیر کھتا ہے دل کوں جامۂ تنگ — جگ منیں دور دورِ دامن ہے
عشق میں شمع رو کے جلتا ہوں — حال میرا سبھوں پہ روشن ہے
اے ولی تیغِ غم سوں خوف نہیں — خاکساری بدن پہ جوشن ہے

فائز

یار میرا میانِ گلشن ہے — غرقِ خوں پھول تا بہ دامن ہے
دل لبھاتا ہے سب کا وہ ساجن — دل فریبی میں اس کو کیا فن ہے
تارے جیوں دُر ہیں اُس کے حلقۂ گوش — وہ بنا گوش صبحِ روشن ہے
اُس نظارے سے سب شہید ہوئے — وہ نین کیا بلائے رہ زن ہے

کیا بیاں کر سکوں میں گت اُس کی
فائزؔ آت خوش ادا سریجن ہے

ولیؔ

جسے عشق کا تیر کاری لگے — اسے زندگی جگ میں بھاری لگے
نہ چھوڑے محبت دم مرگ لگ — جسے یار جانی سوں یاری لگے
نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار — جسے عشق کی بے قراری لگے
ہر اک وقت مجھ عاشقِ زار کوں — پیارے تری بات پیاری لگے
ولیؔ کوں کہے تو اگر یک بچن — رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

فائزؔ

تری گالی مجھ دل کوں پیاری لگے — دعا میری تجھ من میں بھاری لگے
تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن — کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے
کھلا دیوے وو عیش و آرام سب — جسے زلف سیں بے قراری لگے
نہیں تجھ سا اور شوخ ای من ہرن — تری بات دل کوں نیاری لگے
بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند — پلک تیری جیسے کٹاری لگے
ہووے سرد بازار دامن کا دیکھ — اگر گرد دامن کناری لگے
نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا — نین تیری مجھ کوں خماری لگے
وہی قدر فائزؔ کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

ولیؔ

عشق بے تاب جاں گدازی ہے — حسن مشتاق دل نوازی ہے
اشک خونیں سوں جو کیا ہے وضو — مذہب عشق میں نمازی ہے
جو ہوا رازِ عشق سوں آگاہ — وہ زمانے کا فخرِ رازی ہے
پاک بازاں سوں یو ہوا مفہوم — عشق مضمونِ پاک بازی ہے
جا کے پہنچی ہے حدِّ ظلمت کوں — بس کہ تجھ زلف میں درازی ہے
تجربے سوں ہوا مجھے ظاہر — ناز مفہوم بے نیازی ہے

اے ولیؔ عشقِ ظاہری کا سبب
جلوۂ شاہدِ مجازی ہے

فائزؔ

اے سجن وقتِ جاں گدازی ہے — موسم عیش و فصل بازی ہے
ان چکوروں سے دور رہ اے چاند — قول عشاق کا نمازی ہے
اِس قلندر کی بات سہل نہ بوجھ — عشق کے فن میں فخرِ رازی ہے
ہم قریں مجھ نہ کر رقیباں سوں — طور یاروں کا پاک بازی ہے
عاشقاں جان و دل گنواتے ہیں — یہ نہ طورِ زمانہ سازی ہے
فائزؔ اُس خوش ادا سریجن پاس — بے گناہاں کا قتل بازی ہے

ولیؔ

ترے لب پر جو خطِ عنبریں ہے — خطِ یاقوت سوں نقشِ نگیں ہے

چمن آرائے باغ خوش ادائی — نہالِ قد سرو گل جبیں ہے (کذا)

کہو زاہد سے جاوے اُس گلی میں — اگر مشتاق فردوسِ بریں ہے

نہ آوے گی کدھی لکھنے میں ہرگز — مصور یو ادائے نازنیں ہے

ہمیشہ دیکھتی ہے تجھ کمر کوں — نگہ میری سدا باریک بیں ہے

مرے حق میں عنایت نامۂ یار — مثالِ شہپرِ روح الامیں ہے

کرے اک آن میں جگ کو دِوانا — نگہ تیری کہ جادو آفریں ہے

نہیں گل برگ گلشن میں ای لالن — ترے گل گوں کا یہ دامان زیں ہے

سویدا کی نمط جاوے نہ ہرگز — خیال اُس خال کا جو دل نشیں ہے

ولی جن نے سنا میرے سخن کوں — زباں پر اُس کی ذکرِ آفریں ہے

فائز

مرے دل بیچ نقشِ نازنیں ہے — مگر یہ دل نہیں یارو نگیں ہے

کمر پہ تیری اس کا دل ہوا محو — ترا عاشق بہت باریک بیں ہے

جو کہیے اس کے حق میں کم ہے بیشک — پری ہے، حور ہے، روح الامیں ہے

غلام اُس کے ہیں سارے اب سیرجن — نگر میں حسن کے کرسی نشیں ہے

مجھے ہے موشگافی میں مہارت — جو نت دل محوِ خطِ عنبریں ہے

نظر کر لطف کی ای شاہِ خوباں — ترا فائز غلام کمتریں ہے

ولی

تجھ بنا مجھ کوں بے قراری ہے — میری انکھیاں سوں اشک باری ہے

کیوں نہ ہو چاک چاک میرا دل — شوخ کے ہاتھ میں کٹاری ہے

یک نگہ سوں کیا ہے مست مجھے — اُس کی انکھیاں میں کیا خماری ہے
تیرے ابرو نے مجھ کوں قتل کیا — کیا بلا اس میں آب داری ہے
اب ولی نے یہ تیری صورتِ حسن — صفحۂ دل اُپر اتاری ہے

فائز

دھوپ سا یو کپول ناری ہے — کرن سورج کی وو کناری ہے
چھپ رقیباں سوں آتا نہیں وو چاند — کیا رین ہجر کی اندھیاری ہے
نہیں اثر کرتا صبر کا مرہم — دلِ عاشق میں زخم کاری ہے
گلِ باغِ جنوں ہے رسوائی — عزتِ ملکِ عشق خواری ہے
خون دل بادہ و جگر ہے کباب — نغمۂ بزمِ وصل زاری ہے
لیلیٰ مجنوں کا ذکر سر دہوا — اب تمھاری ہماری باری ہے
ملنا عاشق سوں ہر بہانے سوں — یہ نصیحت تمن ہماری ہے
مجھ کوں مت جانو یاد سوں غافل — رات دن دل کوں تو تماری ہے
دل بندھا سخت تیری زلفاں پر — عقل فائز کی اُن بساری ہے

ولی

دل کو تجھ باج بے قراری ہے — چشم کا کام اشک باری ہے
شب فرقت میں مونس و ہمدم — بے قراری کوں آہ و زاری ہے
اے عزیزاں مجھے نہیں برداشت — سنگ دل کا فراق بھاری ہے
فیض سوں تجھ فراق کے ساجن — چشمِ گریاں کا کام جاری ہے
فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں — گرچہ منصب میں وو ہزاری ہے

عشق بازوں کے حق میں قاتل کی — ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے
آتشِ ہجر لالہ رو سوں ولی — داغ سینے میں یادگاری ہے

فائز

تجھ بنا دل کو بے قراری ہے — دم بدم مجھ کو آہ و زاری ہے
ہاتھ تیرے جو دیکھی ہے تلوار — آرزو دل کو جاں سپاری ہے
مجھ کو اوراں سے کچھ نہیں ہے کام — تجھ سے ہر دم امیدواری ہے
ہم سے تجھ کو نہیں ملاپ کبھی — یہ مگر جگ میں طور یاری ہے
آہ کوں دل میں میں چھپاتا ہوں — لازم عشق پردہ داری ہے

گر رہا تیری راہ پر فائز
عشق کی شرط خاکساری ہے

فائز	ولی
خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہے سراپا	وہ ناز ہور ادا میں اعجاز ہے سراپا
انداز دل بری میں اعجاز ہے سراپا	خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا ص ۳۰
فائز	**ولی**
پیچ بھایا مجھ کو تجھ دستار کا	دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
بند ہے دل طرۂ زرتار کا	ہے مطالعہ مطلع انوار کا ص ۱۸۰
———	———
———	یاد کرنا ہر گھڑی اس یار کا
———	ہے وظیفہ مجھ دل بیمار کا ص ۱۸۰

کتاب کی پہلی اشاعت کے بعد فائز کے بارے میں کچھ اور باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو پیش نظر ایڈیشن میں مناسب مقامات پر درج کر دی گئی ہیں۔ پہلی اشاعت کے وقت فائز کا جو اُردو دیوان میرے سامنے تھا، اس میں غزلیات کے درمیان میں دو جگہ سے کچھ ورق غائب تھے۔ اس ایڈیشن میں یہ کمی کلیاتِ فائز کے اس نسخے کی مدد سے پوری کر دی گئی ہے جو باڈلین لائبریری، آکسفرڈ میں موجود ہے۔ اس نسخے کی مدد سے غزلوں اور مثنویوں میں بعض شعروں کی تصحیح اور چند بیتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور جوگن کی تعریف میں ایک مثنوی اسی نسخے سے نقل کی گئی ہے۔

کلیاتِ فائز کا آکسفرڈ والا نسخہ ہر حیثیت سے اس نسخے سے کم تر درجے کا ہے جو کتاب کی ترتیب کے وقت میرے مطالعے میں رہا تھا اور جو ہندوستانی نسخے[1] کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ آکسفرڈ والے نسخے میں خطبۂ کلیات ہے لیکن بہت مختصر، رقعات الصمد بھی اس میں شامل ہیں، لیکن اس کا مقدمہ بھی بہت مختصر ہے۔ ہندوستانی نسخہ بھی اصل نسخے کا منتخب ہے لیکن اس میں ایک سو چودہ خطبے ہیں، جو دس فصلوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ آکسفرڈ والے نسخے میں صرف بتیس خطبے ہیں اور فصلوں کی تقسیم نہیں ہے۔ اس نسخے میں اُردو مثنویاں صرف چھ ہیں، جن کے عنوانات یہ ہیں، تعریف پنگھٹ، تعریف جوگن، تعریف ناچن، تعریف گوجری، توصیف جھنگیروں اور گاہ قطب در رقعہ۔ ہندوستانی نسخے میں چودہ مثنویاں ہیں، جن میں تین منظوم رقعے ہیں۔

کتاب کے پیش نظر ایڈیشن میں فائز کے حالات اور دیوان میں جو اضافے کیے گئے ہیں، ان میں دو عزیزوں سے بہت مدد ملی ہے، ایک میرے محترم دوست

---

[1] افسوس ہے کہ یہ نسخہ جامعہ ملیہ، دہلی کے کتب خانے سے غائب ہو گیا۔

ولی	فائز
دل کوں گر مرتبہ ہو درپن کا	دل گرفتار میرا [موہن] کا
مفت ہی دیکھنا سریجن کا صـ۳۷	ہی غنیمت درس سریجن کا
ولی	فائز
طالب نہیں مہر و مشتری کا	تجھ سا نہیں زلف و خط پری کا
دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا صـ۲۷	یہ ناز ہی سحر سامری کا
ولی	فائز
جلوہ گر جیب سوں وو جمال ہوا	چودھواں اس چندر کا سال ہوا
نور خورشید پا کمال ہوا صـ۱	حسن میں بدر با کمال ہوا
ولی	فائز
پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا	مجھ پاس کبھی وو قد شمشاد نہ آیا
شاید کہ مرا حال اُسے یاد نہ آیا صـ۴۵	اس گھر منے وو دلبر استاد نہ آیا
ولی	فائز
گر چمن میں چلے وہ رشکِ بہار	گل ترے مکھ کی فکر میں بیمار
گل کریں نقد آب و رنگ نثار صـ۸۱	جیو بلبل کا تجھ قدم پہ نثار
ولی	فائز
آیا تو کمر باندھ کے جب جور و جفا پر	ابرو نے تری کھینچی کماں جور و جفا پر
میں جی کوں تصدق کیا تجھ بانکی ادا پر صـ۸۱	قربان کروں سو جیو ترے تیر ادا پر
ولی	فائز
عاجزاں کے اُپر ستم مت کر	وحشت ای آہوے حرم مت کر
اس قدر سختی ای صنم مت کر صـ۸۵	رام ہو زائراں سوں رم مت کر

فائز

اے کان ملاحت ٹک ادہر آکے گزر کر
دل خستہ بیار پر اب ایک نظر کر

ولی

ہشیار زمانے کے ترے مکھ پہ نظر کر
تجھ نیہہ کے کوچے میں گئے ہوش بسر کر
ص۸۷

فائز

بت پرستی نہ کر خدا کی قسم
توڑ زنار مصطفےٰ کی قسم

ولی

ناز مت کر تجھے ادا کی قسم
بے تکلف ہو مل خدا کی قسم
ص۱۲۳

خیر خواہاں میں ہوں خدا کی قسم
مان اس صادق آشنا کی قسم
ص۱۲۴

فائز

مستمنداں کو ستایا نہ کرو
بات کو ہم سے ڈرایا نہ کرو

ولی

صحبتِ غیر موں جایا نہ کرو
درد منداں کوں کڑھایا نہ کرو
ص۱۷۰

فائز

تری بانکی نگہ پر دل فدا ہے
ہر اک غمزے اُپر جاں مبتلا ہے

ولی

کہر اس دل ربا کی دل ربا ہے
نگہ اُس خوش ادا کی خوش ادا ہے
ص۲۱۲

نہ دو بالا نہ وو بالی بلا ہے
بلائے عاشقاں ناز و ادا ہے
ص۲۱۵

فائز

میل مجھ دل کا دشت و صحرا ہے
مجھ سے دیوانگی ہویدا ہے

ولی

آج سر سبز کوہ و صحرا ہے
ہر طرف سیر ہے تماشا ہے
ص۲۱۴

فائز

شور تیرا سبھی کے در سر ہے
ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہے

ولی

مکھ ترا آفتاب محشر ہے
شور اس کا جہاں میں گھر گھر ہے
ص۲۲۶

فائز

آج میری طرف وو مایل ہے
دل ستی درد ہجر زایل ہے

ولی

حسن تیرا اُسرج پہ فاضل ہے
مکھ ترا رشکِ ماہِ کامل ہے
ص۲۳۸

فائز

سجن مجھ پر بہت نامہرباں ہے
کہاں وو عاشقاں کا قدرداں ہے

ولی

صنم میرا نپٹ روشن بیاں ہے
بہ رنگ شعلہ سرتاپا زباں ہے
ص۲۴۰

فائز

مکھ ترا صاف مثلِ درپن ہے
نین عقل و پراں کی رہزن ہے

ولی

عارفاں پر ہمیشہ روشن ہے
کہ فنِ عاشقی عجب فن ہے
ص۲۴۱

فائز

مرا محبوب سب کا من ہرن ہے
نظر کر دیکھو وو آہو نین ہے

ولی

یو تل زنگی و خط مشکِ ختن ہے
سخن مصری و لب کانِ یمن ہے
ص۲۴۱

شکار انداز دل دو من ہرن ہے
لقب جس شوخ کا جادو نین ہے
ص۲۴۲

فائز

تجھ بدن پر جو لال ساری ہے
عقل اس نے مری بساری ہے

ولی

دل کو تجھ باج بے قراری ہے
چشم کا کام اشک باری ہے
ص۲۴۵

وَلی	فائزؔ
مجھ کو تجھ نال اب غلامی ہے	قد میں تیرے وو خوش خرامی ہے
اس غلامی سے نیک نامی ہے	جس سوں تجھ ناز کی تمامی ہے

صہ ۲۴۹

مخمس وَلی	مخمس فائزؔ
غم سے جھرتا ہوں دل ربا کی قسم	ناز سوں آ تجھے خدا کی قسم

صہ ۲۸۶-۲۸۴

فائزؔ اور وَلی کے کلام کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعری میں فائزؔ کا مرتبہ وَلی سے کم نہیں ہے۔

فائزؔ کی زبان

فائزؔ کی زبان کوئی پونے تین سو برس پہلے کی اُردو ہے۔ اس لیے اس میں فطری طور پر ایسے لفظ موجود ہیں جو بعد کو متروک ہوگئے۔ یہ لفظ تقریباً سب کے سب ہندی ہیں اور ان میں سے اکثر ہندی زبان میں اب تک استعمال ہوتے ہیں۔ مگر اُردو میں ان میں سے بعض کی جگہ دوسرے ہندی لفظوں نے، اور بعض کی جگہ فارسی لفظوں نے لے لی ہے۔ ایسے کچھ الفاظ یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے قوسین میں ان کے معنی بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ مکھ (چہرہ) دَسن (دانت) نار (عورت) چیری (لونڈی) اَدھر (ہونٹ) برکھ (برس) درپن (آئینہ) ناناں (بیچارہ) من (دل) گمانی (مغرور) چھن (لمحہ) بِسرنا (بھولنا) آبھوکن (زیور) سکل (سب) اَنیک (کئی، بہت سے) میت (دوست) مِرگ (ہرن) تمن (مثل) بِرہ (ہجر) چرن (پاؤں) پریت (محبت) بیاکل (بےچین) پاتی (خط) نچنت (بےفکر) ٹھور (جگہ) اُتر (جواب) ڈھٹائی (دیدہ دلیری) دِسنا (دکھائی دینا) سوبھا (خوب صورتی) الگ تک، ہیں (تو)۔ اُردو کا لفظ سے اس صورت میں بھی موجود ہے مگر اس کی جگہ سین، سوں، ستی، اور سیتی بھی ملتا ہے۔ کسی کی جگہ کِسو، اور کبھی کی جگہ کبھو کہیں نہیں ملتا لیکن ایک جگہ کہیں کے معنی میں کہوں ملتا ہے۔ کرتا تھا، کہتا تھا وغیرہ کی جگہ کرے تھا، کہے تھا

وغیرہ کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ آتا ہو، جاتا ہو وغیرہ کی جگہ آئے ہو جائے ہو وغیرہ بھی ایک دو جگہ سے زیادہ نہیں آیا ہو۔

مفرد لفظوں کے علاوہ بعض ایسے محاورے بھی فائزؔ کے یہاں ملتے ہیں جو بعد کو متروک ہو گئے۔ مثلاً یاری لگنا (محبت ہونا) بھاری لگنا (گراں گزرنا) سخن میں آنا (باتیں کرنا)، فن ہونا (مشق، مہارت یا کمال ہونا) آخری محاورہ ذیل کے مصرعوں میں آیا ہو۔

مجھے صورت شناسی بیچ فن ہو

دل فریبی میں اس کو کیا فن ہو

دل بری میں تجھے عجب فن ہو

فارسی اور عربی لفظوں کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق بغیر فارسی ترکیب کے بھی استعمال کی گئی ہو، مثلاً زلفاں، حوراں، نظراں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہو کہ ہندی لفظوں کی جمع بھی اکثر فارسی قاعدے کے مطابق بنا ئی گئی۔ مثلاً گرن، بھوں، ہاتھ، بات اور دانت کی جمع گرناں، بھواں، ہاتاں، باتاں، دنتاں۔ ایسی جمعوں میں صرف دو جگہ علامت جمع سے پہلے ایک ی بڑھا دی ہو۔ یعنی کلول کی جمع کلولیاں اور ٹھٹھول کی جمع ٹھٹھولیاں لائے ہیں۔ بعض ہندی اور غیر ہندی لفظوں کی جمع اردو قاعدے کے مطابق بھی لائی گئی ہو، مثلاً "ہو مناسب دل بروں سے دل بری"؛ "بے گناہوں کا عبث لیتا ہو پاپ"؛ "مناسب نہیں عاشقوں سے حجاب"؛ "تو رقیبوں کے چمن میں خنداں"؛ "خوب رویوں سے واں لگا دربار"؛ "ان چکوروں سے دور رہا ای چاند"؛

فائزؔ ہندی اور فارسی لفظوں کو فارسی قاعدوں کے مطابق ترکیب دیتے ہیں

مثلاً آہو نین[1]، جادو نین، کنچن برن، ہاتھ بستہ، گھر بہ گھر، دل وانکھیاں، عشق و لاج، مرکی ونتھ، بہل درتھ، شعلۂ جوبن، بحر جوبن، فوج پہار۔ فارسی کے مصدر اور فعل استعمال نہیں کرتے۔[51] مگر حروف معنوی کبھی کبھی لے آتے ہیں مثلاً

چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں

متے ہاتھی سی چلتی تھی ز جوبن

جیوں سبھا اندر کی در باغ ارم

کابل بچے بہم در گفتگو

پان پھراتی تھی وہ جب بر دکاں

شور تیرا سبی کے در سر ہے   ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہے

ایک جگہ فارسی ضمیر استعمال کی ہے مگر فارسی ترکیب کے ساتھ "بیتیں برکھ برکھ زغم او گھڑی گھڑی" کو یا کوں کا لفظ علامتِ اضافت کے طور پر بھی لاتے ہیں مثلاً۔

تجھ کو خوبی میں اب نہیں جوڑا

تجھ کوں نہیں ہے ثانی

نہیں تجھ کو شریک اے ذاتِ بےچوں

---

[51] فارسی کا فعل صرف ایک جگہ آیا ہے، جواہر آفریدی ہور سادن۔

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین

کہ خنجر گزاری ہی اس کوں شعار

پر اور اس کے مخفف پہ کو کئی جگہ کچھ عجب طرح سے استعمال کیا ہی جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا ۔

مرا دل بند ہی اس نازنیں پر ، دل بندھا سخت تیری زلفاں پر

محو ہوں میں جمال پر تیرے ، محو ہوں درپن سا تجھ پر ای حبیب

عالم ہی تجھ پہ حیراں ، دل بند تجھ پہ میرا

حروف معنوی اور علامت اضافت کو اکثر حذف کر دیتے ہیں ۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔ جہاں کہیں کوئی لفظ محذوف ہی وہاں ذرا سی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہی ۔

سب کے تن ۔ رخت کیسری ہی یاد
سبوں کے رنگ برنگ تھی پانکڑی ہاتھ
} میں محذوف

ہر اک غمزے ۔ اُپر جاں مبتلا ہی کہ
اس کو سب ۔ ساتھ ملایا نہ کرو
اس ۔ حسن کا دیکھ تازہ گل زار
} کے محذوف

لال بادل کی تجھ ۔ جھری ہی یاد
ہم قریں مجھ ۔ نہ کر رقیباں سوں
یہ نصیحت تمن ۔ ہماری ہی
مرتے تھے عشاق دیکھ اس خوب رو ۔
} کو محذوف

عقل فائز کی اُن۔ بساری ہو
بال دیکھے ہیں جب سے ہیں۔ تیرے } نے محذوف
تیرے پیچھے سبی کو ہسم۔ چھوڑا

کبھی کبھی حرف ربط ہو اور ہیں کو بھی محذوف کر دیتے ہیں. مثلاً

چھیدتی۔ سب کے دل کو جیوں بادام کرتی۔ تجھ پلک کام سوزن کا
مارتی۔ مجھ کوں اسی کماں ابرو یہ پلک تیر و یہ نگہ تلوار
دوری نہ کرو ہمن سے اس حد دل محو۔ تماری دل بری کا

میرا، تیرا، ہمارا، تمھارا، کی جگہ مجھ، تجھ، ہم، تم اکثر لاتے ہیں. تھی، سبھی، تمھاری، اندھیاری کو بغیر ہائے مخلوط کے تی، سبی، تماری، اندیاری، بولتے ہیں۔

موزونیت کی ضرورت سے لفظوں کے تلفظ میں (۱) کبھی متحرک حروف کو ساکن (۲) کبھی ساکن کو متحرک (۳) کبھی مخفف کو مشدّد (۴) کبھی مشدّد کو مخفف کر دیتے ہیں۔ ذیل میں ان چاروں صورتوں کی مثالیں دی جاتی ہیں :۔

(۱) پَلْک۔ ہرْن۔ کِرْن (۲) نَیَنْ۔ رَیَنْ۔ حُسَنْ (۳) ہنگامّہ۔ مُکھّ۔ (۴) مُکے (مُکّے)، دَیا (دَیّا)۔ اسی ضرورت سے (۱) کبھی اعراب کو کھینچ کر حرف علت تک پہنچا دیتے ہیں۔ (۲) کبھی حرف علت کو دبا کر اعراب کی حد میں لے آتے ہیں۔ مثلاً

(۱) پھاندا (پھندا)۔ لاگے (لگے)۔ ساجن (سجن)۔ باچن (بچن)۔ راکھ (رکھ) ناہیں (نہیں)۔ بہوت (بہت)۔ میٹھائی (مٹھائی) مونھ (منھ)۔ ہُوئی (ہوئی) چھُوٹی (چھوٹی)

(۲) اُپر (اُوپر)۔ گل (گال)۔ ہت (ہاتھ)۔ دِکھ (دیکھ)۔ اگے (آگے)،

سُرج (سورج)۔ دِوے (دیوے)، لِویں (لیوں)، دِکھے (دیکھے)۔ نہیں بروزن فَعَ۔ اندیاری (اندھیاری) بروزن فعولن۔

بعض لفظوں کی تذکیر و تانیث آجکل کے استعمال سے مختلف ہو۔ مثلاً لفظ بہار مذکر ہو :-

اس کی دوکان پر ہوا ہو بہار ــــ جو حسن و بہار تھا وہیں تھا

اُردو غزل میں یار کا لفظ معشوق یا محبوب کے معنی میں آتا ہو مگر فائزؔ نے اسے عاشق کے مفہوم میں بھی استعمال کیا ہو، مثلاً

عشق کی آگ میں رہے دن رین   یار تیرا مگر سمندر ہو
راست اگر سرو سی قامت کرے   یار کی آنکھوں میں قیامت کرے

اسی طرح یاری کا لفظ عشق یا محبت کے معنی میں استعمال کیا ہو۔ کہتے ہیں

ندی قدر عاشق کی بوجھے سجن   کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے

دنیا کی ہر زبان میں ہمیشہ کچھ پرانے لفظ استعمال سے خارج اور کچھ نئے لفظ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ اُردو میں بھی یہ فطری اور ارتقائی عمل جاری ہو اور اسی کا نتیجہ ہو کہ فائزؔ کی زبان ہماری زبان سے کچھ مختلف نظر آتی ہو۔ ورنہ چند بے قاعدگیوں اور شاعرانہ آزادیوں کو چھوڑ کر اُن کی زبان اور موجودہ ٹکسالی اُردو میں صرف و نحو کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہو۔ تقریباً پونے تین سو برس گزر جانے کے بعد آج (۱۹۶۲ء) بھی ہم کو فائزؔ کے بعض لفظوں کے معنی سمجھنے میں کچھ دقّت ہو تو ہو اُن کے کلام کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

فائزؔ اور عیوب قافیہ

فائزؔ عروض اور قافیے کے فنوں سے خوب واقف تھے۔ اُنھوں نے اپنے کلیات کے خطبے میں اُن سے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہو اور اس سلسلے میں قافیے کے تمام عیب

ایک ایک کر کے گنوائے ہیں۔ اگرچہ ان عیبوں کی مثالیں اُن کو ایرانی استادوں کے کلام میں مل گئی ہیں، پھر بھی وہ ان مثالوں کو معیوب قافیوں کے جواز کی سند نہیں مانتے اور ان کو قبیح و ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انوری نے اگرچہ مشتری کو ساحری کا قافیہ کیا ہے، لیکن ایسے قافیوں سے احتراز اولیٰ ہے۔ اس کے باوجود اُن کے اُردو کلام میں چند شعر ایسے ملتے ہیں جن میں اُنھوں نے عیوب قافیہ کا لحاظ نہیں رکھا۔ ایک غزل میں پری اور مسخری کے ساتھ دوسری، بُری اور گھڑی کو بھی قافیہ کر دیا ہے۔ اُن کا ایک شعر ہے

یار ایام دل بری ہے یاد　　　سیر گل زار و مے خوری ہے یاد

دل بری کو مے خوری کے ساتھ قافیہ کرنا اگرچہ ہمارے مذاق میں پسندیدہ نہیں ہے، مگر ایرانی شاعروں کے یہاں ایسے قافیے بہت عام ہیں، اور اس معاملے میں فائزؔ نے انھیں کی پیروی کی ہے۔ ذیل میں فائزؔ کے وہ شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں قابل اعتراض قافیے آ گئے ہیں :-

عشق معبود کا مناسب ہے　　　خالق اس کالبد کا و رب ہے

کرے دل کو پانی ہر اک ہندنی　　　نظر پڑتی پانی اُپر چندنی

ناک اس کی تھی کلی سوں خوب تر　　　صاف درپن سوں تھا مکھ بیش تر

سبن کا دست گیر اس جگ میں تو ہے　　　خدایا رات دن مجھ من میں تو ہے

خدایا فضل کر تو بے کساں پر　　　کریما رحم کر تو عاجزاں پر

سر سے پا تک تمام ننگی تھی　　　اس کے پنڈے پہ ایک لنگی تھی

اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر　　　حسن اس کا تھا پری سوں بیش تر

واوِ معروف اور یائے معروف کو واوِ مجہول اور یائے مجہول کا قافیہ کرنا فائزؔ کے نزدیک معیوب ہے، مگر یہ عیب بھی اُن کے بعض شعروں میں موجود ہے۔

قاضی عبدالودود کا مفصل تبصرہ جو پہلے رسالہ معاصر پٹنہ میں اور پھر کچھ حذف و اضافے کے ساتھ نیا رستان میں شایع ہوا۔ اور دوسری کلیات فائز کے آکسفورڈ والے نسخے کی نقل جو میرے عزیز شاگرد اور فارسی کے قابل استاد ڈاکٹر نذیر احمد کی کوششوں سے حاصل ہوئی۔ میں ان دونوں صاحبوں کا شکر گزار ہوں۔ کتاب کے اس ایڈیشن میں اضافوں کے علاوہ فائز کے حالات میں مضمون کی اور دیوان میں نظموں کی ترتیب بھی بدل دی گئی ہے اور حسب ذیل چار نادر چیزوں کے بلاک شامل کر دیے گئے ہیں۔

۱۔ تصویر فائز مع خدام بارگاہ۔

۲۔ مکتوب امیرالامرا صمصام الدولہ خان دوران خان بہادر بنام فائز بخط امیرالامرا۔

۳۔ مکتوب برہان الملک سعادت خاں بانی سلطنت اودھ بنام فائز بخط برہان الملک۔

۴۔ تحریر زبدۃ النسا بنت زبردست خاں خواہر فائز۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب
۱۲ مارچ ۱۹۶۴ء

وہ شعر یہ ہیں :-

مرے درد دل کا ہوا اک دم طبیب — جدائی سے تیری ہوا ناشکیب
ایک جانب میں بھانڈ کا ہی شور — دیکھنا اُن کا اہلِ دل کو ضرور
شبّر و شبیر نبی کے عزیز — جن سے کیا اہلِ حسد نے ستیز
مہر علی کی ہی جسے دل کے بیچ — خوف سے محشر کے اُسے غم نہ ہیچ

ان چند شعروں کے سوا قافیے کا کوئی عیب شاید اور کہیں نہ ملے گا عروض کے قاعدوں کی پابندی ہر جگہ کی گئی ہی۔ بعض شعر پہلی نظر میں ناموزوں معلوم ہوں گے لیکن کلام کی موزونیت کے لیے لفظوں کے تلفظ میں جو تبدیلیاں فائز نے جائز رکھی ہیں اور جن کا ذکر فائز کی زبان کے سلسلے میں کیا جا چکا ہی اگر وہ نظر میں رکھی جائیں تو کوئی مصرع ناموزوں نہ ٹھہرے گا۔

دیوانِ فائز کا رسم خط

فائز کے دیوان کا قلمی نسخہ جو اس مطبوعہ نسخے کی اصل ہی، اُس کے رسم خط میں کچھ ایسی خصوصیتیں ہیں جن سے اُس کے پڑھنے میں بہت دقت ہوتی ہی۔ قارئین کو اس دقت سے بچانے کے لیے یہ کیا گیا ہی کہ جن لفظوں کا املا بدل دینے سے اُن کے تلفظ میں تبدیلی ہو جانے کا احتمال نہیں تھا ان کی صورت اُردو کے موجودہ رسم خط کے مطابق کر دی گئی ہی۔ لیکن دٓہ اور دٓد، گوٓ اور کوںٓ، تھیٓ اور تیٓ، تھا اور تآ، بیٓ، سبیٓ، اور سبوںٓ کو ہر جگہ نہایت احتیاط سے اصل کے مطابق لکھا ہی۔ اس لیے کہ ان لفظوں کی صورت بدلنا ان کا تلفظ بدلنے کے برابر تھا۔ اصل نسخے کی رسم خط کی خصوصیتیں مثالوں کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ بھیٓ، سبھیٓ اور سبھوںٓ کو ہمیشہ بیٓ، سبیٓ اور سبوںٓ لکھا ہی۔

۲۔ تھیٓ کو بعض جگہ تیٓ اور ایک جگہ تھا کو تآ لکھا ہی۔ تو ہی کو بعض جگہ

توئی لکھا ہے۔

۳۔ وہ کو زیادہ تر وو اور کبھی تلفظ کے اعتبار سے وۃ (وُ) لکھا ہے۔

۴۔ پیش کی حرکت ظاہر کرنے کے لیے بعض جگہ واو سے کام لیا ہے، مثلاً اوس (اُس) مورکی (مُرکی) موکی (مُکی)۔ بہوت (بہت)۔

۵۔ زیر کی حرکت کے اظہار کے لیے کبھی کبھی یے سے کام لیا ہے، مثلاً دیکھاوے (دکھاوے)۔

۶۔ معروف اور مجہول یے میں امتیاز نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً کی (کے) ہی (ہے) مجی (مجھے)۔

۷۔ دو چشمی ہے اور کہنی دار ہے میں فرق نہیں کیا ہے، مثلاً بھم (بہم) پہولی (پھولی)، پہنہری (پھنجھری)، بہونہ (بھنوں)۔

۸۔ گاف پر ہمیشہ ایک ہی مرکز لگایا ہے۔

۹۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ کو ہمیشہ ت۔ د۔ ر لکھا ہے۔

۱۰۔ ہے کی جگہ بعض دفعہ بدل دی ہے، مثلاً باہمن (باھمن)، کہترانی (کھترانی)، پہنچی (دپہنچی)۔

۱۱۔ مخلوط ہے کو بعض جگہ حذف کر دیا ہے، مثلاً سکی (سکھی)۔ اندیاری (اندھیاری)، انکیاں (انکھیاں) تماری (تھاری) مک (مکھ)، سات (ساتھ)، ہات (ہاتھ) دود (دودھ) سُدبُد (سُدھ بُدھ) تجکو (تجھ کو) مجکو (مجھ کو)۔

۱۲۔ نون غنہ پر ہمیشہ نقطہ لگایا ہے۔

۱۳۔ ہوتی ہیں کو ایک دو جگہ ہوتیں ہیں اور پڑھتے ہیں کو ایک جگہ پڑتیں ہیں لکھا ہے۔

۱۴۔ علامت فاعل نے کو ایک دو جگہ نین لکھا ہے۔

(۱۵) آؤ، بلاؤ، بھلاؤ، کو، آوو، بلاوو، بھلاوو لکھا ہے۔

(۱۶) ایک جگہ دنوں کو دنو اور ایک جگہ پاؤں کو پانو لکھا ہے۔

(۱۷) پہچان کو پچان اور پہچانا کو پچھانا لکھا ہے۔

(۱۸) کو اور کون (کوں) دونوں استعمال کیے ہیں۔ دو جگہ کوں لکھنے کے بعد نون کو چھیل دیا ہے، مگر اس کا نشان باقی رہ گیا ہے۔ ایک جگہ تو کو توں اور ایک جگہ تلے کو تلیں لکھا ہے۔

(۱۹) جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے ان میں امالہ کرنے کے موقعوں پر کبھی ہے کو یے سے بدل دیا ہے اور کبھی نہیں بدلا ہے۔

(۲۰) اِک کو کبھی ایک اور کبھی یک لکھا ہے۔

(۲۱) بعض لفظوں کو کئی کئی طرح لکھا ہے، مثلاً مُک، مُکہ، مُکھ (مکھ) موہ موہہ، موںہ، موںہہ (منھ) مہرخاں، مہ رخاں۔

(۲۲) منبر، سنبل، عنبر وغیرہ کے قیاس پر ہندی لفظوں میں میم بے کی جگہ نون بے لکھا ہے، مثلاً تنبو (تمبو) بنبہ (بمبا)۔

(۲۳) چنپا کو چنپا اور برہما کو برنہما لکھا ہے۔

(۲۴) حروفِ معنوی کو اکثر ان کے متعلقہ الفاظ سے ملا کر لکھا ہے، مثلاً نرہ (نہ رہ) دلکو (دل کو) جیکو (جی کو) نکریں (نہ کریں) غمسوں (غم سوں) بیوقر (بے وقر) مجسا (مجھ سا) مینے (میں نے) نمارو (نہ مارو)۔

(۲۵) کہیں کہیں لفظوں کے بے موقع ٹکڑے کر دیے ہیں، مثلاً بن تا ہے (بنتا ہے) لٹک تا ہے (لٹکتا ہے) مٹک تا ہے (مٹکتا ہے) نہ ہیں (نہیں) جھڑک تی ہیں (جھڑکتے ہیں) کل کلاتی ہیں (کلکلاتی ہیں) کھل بلی (کھلبلی)۔

(۲۶) کاف اور لام کا جوڑ رےرے اس طرح ملایا ہے کہ کبھی کبھی کنّی دار ہے

بن گئی ہی مثلاً پکھرا (پکڑا) لہری (لڑی)۔

(۲۷) موزونیت کی ضرورت سے جہاں لفظوں کے تلفظ میں فرق کر دیا گیا ہی وہاں بھی رسم خط اصل تلفظ کے مطابق رکھا ہی۔ مثلاً نہیں فع کے وزن پر۔ سورج، اوپر فعل کے وزن پر۔ دیوانہ فعولن کے وزن پر۔ ایک فع کے وزن پر۔

رسم خط کی یہ بے قاعدگیاں بہ ظاہر چھوٹی چھوٹی سی معلوم ہوتی ہیں، مگر یہی جب کئی کئی مل کر کسی لفظ یا فقرے میں آجاتی ہیں تو اس کا پڑھنا دشوار ہوجاتا ہی۔ ذیل کی مثالوں سے اس دشواری کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہی:-

کاری = گاڑی۔ بکار = بگاڑ۔ اب پہرا = اپھرا۔ کور = گرہ باند = بھانڈ۔ کہرا = گڑھا۔ اکری = اگڑی۔ اوکھا = اوڈھا۔ نکہت = پنگھٹ۔ آکی = آگے۔ توجی = تجھے۔ کری = کھڑی۔ رنبہا = رمبھا۔ نکنبود = نگمبود۔ دو دبیری = دو دھ پیڑے۔ کرتی ہیں = گرتے ہیں۔ کرتا ہوں = کڑھتا ہوں۔ لاکے ہی = لاگے ہی۔ کاکائی = گاگا کے۔ کالی ندی کمانی = کالی نہ دے گمانی۔ یہ آخری مثال بہت پر لطف ہی۔ اب ایک مثال اس سے بھی زیادہ پر لطف پیش کی جاتی ہی جس سے واضح ہو جائے گا کہ دیوان فائز کا جو قلمی نسخہ میرے پیش نظر تھا اس کے بعض مقامات کا صحیح پڑھ لینا کتنا دشوار تھا۔ وہ مثال یہ ہی: تن جدھارا کہ کل میں ست پیلی = تن چڑھا را کھ گل میں شٹ سیلی (یعنی بدن پر راکھ مل کے اور گلے میں سیلی ڈال کے)

رسم خط کی انھیں بے قاعدگیوں کا نتیجہ ہی کہ بعض لفظوں کے متعلق یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فائز کے زمانے میں اُن کا تلفظ کیا تھا اور بعض کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ فائز نے ان کو مذکر باندھا ہی یا مونث۔ مجبوراً ان لفظوں کے تلفظ اور تذکیر و تانیث میں موجودہ زبان کا اتباع کیا گیا ہی۔

خطبۂ کلیاتِ فائز دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لمن ابدع نوع الانسان وکمل، واحسن خلقه وانطق لسانه وافصح مقاله وصلی اللہ علی محمد وآله الطیبین واصحابه الراشدین. اما بعد چنین گوید احوج عباد صدرالدین محمد بن زبردست خان که در باب شعر گفتن علما را اختلاف است۔ جمعے قائل اند که جائز هست و نزد برخے جائز نیست. بنائً علیه شمۂ از مقولۂ فریقین در خطبۂ این رساله مرقوم می شود و مذهب اُولی آدلی است چنانچه از کلام ظاهر است. وحسن و قبح شعر تعلّق به علم معانی و بیان دارد کما لایخفی علی من لاحظ:۔

بدان که علم معانی عبارت است از معرفت حاصله به تتبع خواص تراکیب کلام و آنچه متصل شود بدو از استحسان وغیره، تا بواسطۂ وقوف بدان از خطا ایمن باشند در تطبیق کلام به مقتضائے حال. و مراد ایشان به تراکیب تراکیب بلغا است۔ و علم بدیع عبارت است از معرفتِ قوانینے که از آن جا فصاحت تراکیب معلوم کنند تا بدان محترز باشند از خطا در تطبیق کلام به مقتضائے حال در مبیّن مراد و تزئین الفاظ با ایراد آنچه قریب الفهم و غریب النظم و عذب الاستماع و عجب الابتداع بود۔ و قدمائے اہل عربیت میان این دو علم معانی و بیان فرق نه کردند و ہر سه قسم را علم بدیع می گفتند، جهت اشتراک ایشان در معرفت قوانینے که بدان محترز باشند از خطا در تطبیق کلام به مقتضائے حال۔ و بنا برین میان فصاحت و بلاغت نیز

فرق نہ کردند و ہر دو را از قبیل الفاظ مترادفہ قرار دادند۔ و جمعے از متاخرین مثل سراج الدین سکاکی وغیرہ علم معانی و بیان را از صناعت بلاغت نہادند و علم بدیع را از متممات بلاغت۔ و بعضے دیگر علم بدیع را صناعت فصاحت گرفتند و معانی و بیان را صناعت بلاغت و مذہب اکثر ثقات کلام آنست کہ میان این علوم ثلثہ فرق ثابت، چہ میان بلاغت و فصاحت فرق است۔ بلاغت بہ معنی تعلق دارد و فصاحت بلفظ۔ وازین جاست کہ گویند معنی بلیغ و لفظ فصیح بدون عکس۔

در تواریخ آمدہ است کہ نخستین کسے کہ شعر عربی گفت یعرب بن قحطان بود و بعضے دیگر گفتند کسے کہ نخستین بہ عربی شعر گفت غلجان بن ادہم بود کاتب ہود علی نبینا و علیہ السلام۔ و در تفاسیر آمدہ است کہ چون قابیل ہابیل را کشت آدم علیہ السلام در مرثیہ ہابیل این ابیات انشا فرمود:—

تغیرت البلاد و من علیہا ... فوجہ الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی لون و طعم ... و قل بشاشۃ الوجہ الصبیح

فیا اسفی علی ہابیل ابنی ... قتیل قد تضمنہ الضریح

وجاورنا عدو لیس یفنی ... لعین لا یموت فنستریح

و زعم این طائفہ آنست کہ آدم بہ حکم وعلم آدم الاسماء کلہا بہ جمیع لغات عالم بود۔ و بعضے دیگر گفتند کہ این ابیات در اصل عربی نہ بود و بعد از آن بہ زبان عربی آوردند۔ در تفسیر معالم التنزیل و در کتاب کامل التواریخ و زین القصص این شعر را از آدم نقل کردہ اند۔ لیکن صاحب کشاف اسناد شعر گفتن با آدم کذب دانستہ۔ و امام رازی در تفسیر کبیر گفتہ "صدق صاحب الکشاف"۔ "نخستین کسے کہ بہ پارسی شعر گفت بہرام گور بود۔ و سبب آن بود کہ بہرام در ایام صبی پیش نعمان بن منذر ملک یمن می بود۔

داد او را پیش خود برده - و عرب را عادت چنان بود که در وقائع حروب رجز انشا کردندے و خود را می ستودندے - بهرام طبعے موزون داشت - چون رجزہاے عرب بسیار شنیده بود روزے این رجز به فارسی در مدح خود انشا کرده :-

منم آن پیل دمان منم آن شیر یله　　نام من بهرام گور کنیتم بوجبله

و او را عرب بوجبله خواندندے جهت آن که ضخامتے داشت - و گویند وضع کنیت از عهد او پیدا شده - و سبب آن بود که چون او به یمن می رفت هر یکے از بزرگان پسر یا برادر خود را با او فرستادند - چون بهرام باز آمد و آن جماعت پیش او آمدند بهرام ایشان را نمی شناخت - چون تعریف هر یکے می کردند می گفتند هذا ابو فلان و ذاک اخو فلان و بعد ازان آن کنیتها بر ایشان بماند - و بعضے گویند اول شعر پارسی ابو حفص حکیم گفته که در صناعت موسیقی دستے تمام داشت و او در سنه ثلثمائه هجری بوده است و شعرے که بدو نسبت می کنند این است :-

آهوے کوهی چه گونه در دشت دودا　　یار نه دارد، بے یار کجا رودا

حاصل که درین اختلاف است والله اعلم -

فائده اندر آن که شعر گفتن رواست یا نه

جمهور علما برآنند که شعرے که در آن تحمید و تنزیه باری تعالیٰ باشد یا نعت رسول صلی الله علیه و آله یا غیرے سوا کان حیاً او میتاً بشرطے که راست بود، یا نصائح و حکم باشد یا هجو مشرکان جائز است - و آنچه دال است بر صحت این قول چند وجه است - اول آن که از کعب بن مالک روایت کرده اند که او گفت که من با رسول الله صلی الله علیه و آله گفتم "ان الله قد انزل فی الشعر ما انزل" فقال النبی صلی الله علیه و آله ان المومن یجاهد بسیفه و لسانه والذی نفسی بیده لکانما ترمونهم

بہ نصیح الفصل ۱۱ و ہم چنیں از براء بن عازب روایت است کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ در حرب بنی قریظہ بہ حسان ابن ثابت گفت " اہج المشرکین فان جبرئیل معک " وازام المومنین عائشہ روایت است کہ رسول صلی اللہ وآلہ در حق حسان فرمودہ " ان روح القدس لایزال یویدک ما نافحت عن اللہ ورسولہ " و ہم چنیں نقل است کہ چون حدیث روز غدیر کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود " یا قوم الست اولی بکم من انفسکم " وایشاں گفتند " بلی یا رسول اللہ " رسول فرمود " من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ " و بہ حسان بن ثابت رسید آن را بہ نظم آورد برین وجہ

ینادی رسول اللہ یوم غدیرہ	بخم و اسمع بالرسول منادیا
فقال ومن مولیکم و ولیکم	فقالوا ولم یبدوا ھناک التعادیا
الھک مولانا وانت ولینا	ولم تجد منا لک الیوم عاصیا
فقال اذن قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماما وھادیا
ومن کنت مولاہ فھذا ولیہ	فکونوا لہ انصار صدق موالیا
ھناک اللھم وال ولیہ	وکن للذی عادی علیا معادیا

وچوں ایں ابیات بسمع مبارک حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ رسید حسان را طلب داشت واشارت کرد تا بروخواند. پس فرمود " انت مویدبہ روح القدس یا حسان ما نصرتنا بلسانک " دویم آن کہ در کتب احادیث از رسول صلی اللہ علیہ وآلہ بسیارے احادیث موزون با قرینۂ ارادت وزن نقل کردند چناں چہ از جندب روایت است کہ چوں انگشت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ در بعضے از غزوات مجروح شد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود

" ہل انت الا اصبع دمیت   وفی سبیل اللہ ما لقیت "

واین از بحر رجز است. روایت است که روز جنگِ حنین چون مشرکان بر مصطفیٰ صلی اللہ علیه وآله علیه کردند از استر بزیر آمد فرمود۔

"انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب"

واین از رجز مجزو است۔

وجمعے گویند انشاد شعر جائز نیست۔ وتمسک بآن بچند وجه است۔ اول آن که حق سبحانه وتعالیٰ فرمود "الشعراء یتبعهم الغاوون" دوم۔ قوله تعالیٰ "وما علمناه الشعر وما ینبغی له" جواب از اول آنست که مراد بدان شعرا کسانے اند که شعر بباطل و مدح بدروغ گفته اند واز دوم آن که ضمیر منصوب در "علمناه" عاید به قرآنست نه به رسول ومعنی این آیه چنین می شود که ما نیاموختیم ونفرستادیم قرآن را به شعر، به دلیل آن که در عقب فرمود "ان هو الا ذکر وقرآن مبین" لیکن ضمیر "علمنا" را به قرآن عاید گرفتن دور از قاعدۂ عربیت است و بر تقدیر تسلیم آیه دلیل شود بر آن که رسول شاعر نه باشد نه آن که گفتن شعر یا خواندن آن مر دیگرے را روا نیست۔

و بباید دانست که شعر خالی از مبالغه نمی باشد ونزد جمعے مطلقاً ممدوح است چنان چه گفته اند "خیر الکلام ما بولغ فیه واحسن الشعر اکذبه" وجمعے برآن رفته اند که مبالغه در کلام مطلقاً مردود است از جهت آن که کذب است وآن عقلاً مذموم وگفته اند "خیر الکلام ما خرج مخرج الحق والصدق" ومؤید این آیات واحادیث نیز آورده اند یکے ازآن این ست که حق تعالیٰ می فرماید "انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بالآخرة" ونیز فرموده "فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور" منع فرمود باری تعالیٰ جل شانه از عبادت اصنام وکذب۔ واز حضرت رسول صلی اللہ علیه وآله مروی است که فرموده اند که "لعن اللہ الکاذب" یعنی لعنت کرد خدا بر کاذب۔ ومعنی مبالغه در کلام آن است که کسے وصف نماید چیزے را بروجهے که به حسب شدت وضعف بحد استحاله یا

استبعاد رسد. و مبالغه را منحصر در سه چیز دانسته اند، تبلیغ و اغراق و غلو. اما تبلیغ آن است که کسے وصف کند چیزے را بہ طریقے کہ عقلاً و عادةً ممکن باشد مثلاً گوید۔

زدوری تو چنان نزار و ناتوان گشتم   کہ ہر کہ دید گمان می برد کہ بیمارم

زیرا کہ از روے عقل و عادت ممکن است کہ کسے از دوری دوست بمرتبہ ضعیف و بے قوت شود کہ ہر کس او را بیند تصور کند کہ مریض است. اما اغراق آن است کہ کسے وصف کند چیزے را بہ نہجے کہ ممکن باشد عقلاً لا عادةً، مثلاً در تعریف محاربہ گوید۔

کمند ہا ہمہ گردید جفت حبل ورید   خدنگہا ہمہ شریان پردلان بوسید

جفت شدن ہمہ کمند ہا بہ حبل ورید و رسیدن ہمہ خدنگہا بہ شریان پردلان اگرچہ از روے عقل ممکن است اما از روے عادت ممتنع است. اما غلو آن است کہ کسے وصف نماید چیزے را بہ روشے کہ عقلاً و عادةً ممتنع باشد، مثلاً گوید

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پاے   تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

و بر نے را عقیدہ آں کہ تبلیغ و اغراق جائز است و قبیح نیست. لیکن ایں جماعت در غلو شرط کردہ اند و گفتہ اند ہر غلوے کہ در آن نوعے از تخیل حسن نہ باشد و یا مائل منزل ہزل نبود یا لفظے در و نہ باشد کہ نزدیک بہ صحت گرداند معنی را مردود است مثالش این است۔

زسم ستوراں در آن پہن دشت
زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

و این عقلاً و عادةً ممتنع است و از باب ہزل ہم نیست و قابل تعبیر و توجیہ ہم نہ۔ و قدامہ گفتہ است، اوصافے کہ بدان مدح کنند چہار است۔ اول عقل، علم و حیا و بیان و سیاست و کفایت و رزانت رائے و امثال آن در عقل داخل اند۔ دویم شجاعت، حمایت و دفع و کینہ خواستن و قہر بر دشمنان کردن و غلبہ بر

فائزؔ دہلوی

احوال و آثار

تعارف نواب صدر الدین محمد خان بہادر دہلی کے ایک ذی علم خاندانی امیر تھے جو اورنگ زیب کے آخری عہد سے محمد شاہ کے زمانے تک موجود رہے۔ خاندانی اعزاز اور ذاتی وجاہت کے علاوہ علم و فضل کی دولت سے بہرہ مند اور مختلف موضوعوں پر متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور فائزؔ اُن کا تخلص تھا، شمالی ہند کے رہنے والے اُردو زبان کے جن شاعروں کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہی اور جن کا کلام معتد بہ مقدار میں دستیاب ہو چکا ہی، ان میں شاید کوئی بھی فائزؔ سے زیادہ قدیم نہیں ہی۔ قدامت کے علاوہ فائزؔ کی شخصیت اور شاعری میں ایسی امتیازی خصوصیتیں موجود ہیں کہ اُردو شاعری اور اُردو زبان کی تاریخ میں وہ ایک بلند مقام کے مستحق ہیں۔

فائزؔ کے آباؤ اجداد فائزؔ اپنی ہر تصنیف میں اپنا نام صدر الدین محمد اور اپنے والد کا نام زبردست خاں لکھتے ہیں۔ لیکن اپنی کتاب تحفۃ الصدر میں اپنا نام یوں لکھا ہی "ابن زبردست خاں ... المخاطب بہ صدر الدین محمد خاں"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ 'صدر الدین محمد خاں' فائزؔ کا خطاب تھا، نام کچھ اور ہو گا۔ کامور خاں تذکرۃ السلاطین چغتا میں لکھتا ہی کہ زبردست خاں مرحوم کے بیٹے حسن بیگ خاں، محمد مہدی خاں اور محمد تقی فرخ سیر کی خدمت میں حاضر ہوے اور انھیں خلعت فاخرہ عطا کیا گیا، اگر زبردست خاں نے یہی تین

همسران و امثال آن در شجاعت داخل اند. سوم عفت، قناعت و قلت و مانند آن در عفت داخل اند. چهارم عدالت، سماحت و اجابت سائلان و ضیافت و مانند آن در عدالت داخل اند. و هر چند در مدح مبالغه بیش تر نماید پسندیده تر بود و ازین جا گفته اند "احسن الشعر اکذبه" مگر وقتی که ممدوح را زیادت مرتبتی نبود، چه در آن صورت اگر در مدح او مبالغه رود بر سفاهت حمل افتد و آن مدح عین ذم گردد. و میان مدح و شکر فرق است: چه مدح وصف است به جلال و شکر صفت کردن است به فعال و حمد و ثنا به زبان است به قصد تعظیم که در مقابل نعمت باشد یا غیر آن. و شکر فعلی است که خبر دهنده باشد از تعظیم منعم از جهت منعم بودن خواه به زبان باشد خواه به دل خواه با ارکان. و هجو ضد مدح است پس چندان که رذائل که اضداد فضائل اند در شعر بیش تر بیارند، هجو قوی تر باشد.

بدان که طبع سلیم و ذهن مستقیم که در اصل خلقت موزون باشد شعر را بدون دانستن عروض و قافیه تواند گفت و ممکن نیست که در وزن و بحر تفاوت کند. بنابرین درین عصر علم عروض و قافیه متروک شد. اگرچه گفتن شعر بر آن موقوف نیست، لیکن دانستن آن برای شاعر ضرور است. زیرا که تا عالم به قواعد آن نباشد ممکن که در بعضی امور خطا کند. و نکات مرموزه و محسنات شعر به امورے که در شعر احتراز از آن لازم است از آن غفلت ورزد و بدین سبب نقصان به شعر او عاید گردد. دیگر آن که از اصطلاحات آن فن اگر واقف نشود در کلام قدما امورے که مرموز بود آن را نه فهمد. چه اطلاع بر اصطلاحات این قوم بدون مطالعهٔ کتب عروض و قافیه دست نه دهد. بهر تقدیر عالم بودن بهتر است. و این فن بسطے زیاده دارد. و این هیچ مدان را آن قدر یارا نیست که تواند از عهدهٔ شرح و بسط آن بر آید و دماغے هم نه دارد که صرف آن نماید، با لجمله کلمهٔ چند مختصر از هر باب که دانستن آن البته شاعر را ضرور باشد

درا ین اوراق به قید تحریر می آرد. امید که منظور نظر نکته سنجان گردد۔

بدان که عروض میزان کلام منظوم است. چنان که نحو میزان کلام منثور است و این علم را به جهت آن عروض خوانند که معروض علیه شعر است. یعنی شعر را بر آن عرض کنند تا موزون از غیر آن ظاهر گردد و مستقیم از نامستقیم ممتاز شود. و بناے اوزان عروض چون بناے اوزان لغت عرب، بر فا و عین و لام نهادند تا تعریف متحرکات و سواکن آن به آسانی دست دهد چنان که در لغت عرب گویند ضَرَبَ بر وزن فَعَلَ و یَضْرِبُ بر وزن یَفْعِلُ و ضَارِبٌ بر وزن فَاعِلٌ و مَضْرُوبٌ بر وزن مَفْعُولٌ در علم عروض گویند نگارینا بر وزن مَفَاعِیْلُنْ و نازنینا بر وزن فَاعِلَاتُنْ و دل دادِمن بر وزن مُسْتَفْعِلُنْ. و نون تنوین در افاعیل عروضی بنویسند تا مکتوب و ملفوظ اوزان در حرف یکسان باشد. و اقل شعر مقدارے بود از کلام منظوم که شاعر چون از آن فارغ شود بر آن وقف کند و دیگر مثل آن اعاده کند و حرف آخرین را بجنس در هر بیت تکرار گرداند و بیت در اصل لغت عرب خانه باشد، و اشتقاق بیت از بتوتیه است یعنی شب گذاشتن و خانه را از براے این بیت خوانند که جاے شب گذاشتن است، چه مردم غالباً ملازمت خانه بیش از آن به شب کنند که به روز۔ و هر بیت را دو نیمه درست باشد که در متحرکات و سواکن بیک دیگر نزدیک باشد و هر نیمه را مصراعے گویند۔ و در لغت عرب احد مصراعے الباب یک پاره باشد از در دو لختے که هر کرا خواهد فراز توان کرد بے دیگرے و چون هر دو را فراز کنند یک در باشد. از بیت شعر بهم هر کدام مصراع که خواهد انشاد توان کرد بے دیگرے، و چون هر دو بهم پیوندد یک بیت باشد. و نیز جهت تشبیه بیت به خانه آن است که چنان چه خانه ممتاز به حدود شود از خانه باے دیگر، بیت شعر نیز به عروض و قافیه و وزن ممتاز باشد از بیت دیگر. و سجع آخر بیت را قافیه نام

کردند و سکون حرفِ آخر آن را لازم دانسته اند، تا کلام منظوم از منثور ممتاز باشد۔

و بباید دانست که عروضیان جزو اوّل را از مصراع اوّل صدر خوانند و جزو آخر این مصراع را عروض خوانند۔ و جزو اوّل مصراع ثانی را ابتدا و جزو آخر آن را ضرب گویند۔ و مابین صدر و عروض و ابتدا و ضرب آنچه باشد آن را حشو بیت خوانند۔ و مراد از صدر و ابتدا آغاز مصراع است۔ و جزو آخرین مصراع اوّل را از بهر آن عروض گویند که قوام بیت بر دوست۔ و عروض چوبے باشد که خیمه بدان قائم تواند بود۔ پس این جزو نیز در بیت همان حکم دارد یعنی چنان که خیمه به ستون قائم است شعر بدین جزو قائم است۔ چوں مصراع اوّل تمام شود معلوم شود این شعر چه وزن دارد و از کدام بحر است۔ و جزو آخر مصراع ثانی را از بهر آن ضرب گویند که ضرب در کلام عرب نوع و مثل باشد و آخر ابیات امثال یک دیگر باشد۔ و بدین جزو معلوم شود که قافیه از کدام نوع است از انواع قوافی۔ و هم گفته اند که این جزو را ضرب به جهت آن نامند که قیام بیت بدوست۔ چنان چه گویند ضرب الخیمه و ضرب الخبا و به فارسی گویند خیمه زد و خرگاه زد۔ جز به ضرب منفعت خیمه و خرگاه حاصل نمی شود۔ هم چنین بے جزو آخرین کلام منظوم را شعر نمی خوانند۔ و وجوه دیگر هم گفته اند که ذکر آن مناسب این مختصر نیست۔ و اجناس شعر را بحر به جهت آن گویند که بحر در لغت عرب به معنی شگافتن است دریا را۔ نیز بحر به جهت آن گویند که زمین را شگافته است و این که گویند فلانے بحر است در علم معنی آن باشد که توسعے دارد در فنون علوم چون دریا محل انواع مکوّنات متنوعه است، هر بحرے از بحور شعر نیز محلّ اشعار متنوعه است۔ بدین جهت تشبیه کرده اند۔

و شعر در اصل لغت عرب دانش است و دریافتن معانی به فکر صائب و اندیشهٔ راست۔ و از روے اصطلاح سخنے است مرتب معنوی، اندیشیده، موزون،

متکرّر، متساوی، حروف آخرین آن به یک دیگر مانندہ. سخن مرتب معنوی گفتیم تا فرق باشد میانِ شعر و ہذیان و کلام نامرتب بے معنی. و گفتیم موزون تا فرق باشد میانِ نظم و کلام مرتب منثور. و گفتیم متکرّر تا فرق شود میانِ بیتے تمام و میان یک مصراع. و اقل شعر یک بیت باشد و مصراع از شعر بود لیکن شعر نہ بود. چنان کہ یکے از دہ باشد لیکن دہ نہ باشد. و گفتیم متساوی تا فرق باشد میانِ شعر و میانِ مصاریع مختلف کہ ہر یک، از بحرے باشد. و گفتیم حروف آخرین آن بیک دیگر مانندہ تا فرق شود در مقفّٰی و غیر مقفّٰی، کہ سخنِ بے قافیہ را شعر نہ گویند، اگرچہ موزون باشد. و سبب آن کہ کلام موزون را شعر خوانند آن است کہ قاسم بن سلام بغدادی، کہ یکے از ائمۂ نحو و لغت و تاریخ است، می گوید کہ یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کہ با سجاع میلے تمام داشت چنان چہ بالا ند کور شد کہ نخستین کسے کہ شعر عربی گفتہ او بود، بہ حکم آن در اثنائے اسجاع عرب مصارعات موزون می افتاد، یعرب بہ قوت فطنت آن را دریافت و میان موزون و ناموزون فرق کرد. حاضران چون سخن موزون ازاو شنیدند در تعجب شدند و گفتند ما از تو چنین سخن نشنیدہ ایم او گفت "ماشعرت بہ من نفسی قبل یومی ھذا"، من نیز تا این وقت این جنسِ سخن از خود نیافتہ ام. پس بہ سبب آن کہ او را بے سابقہ تعلیم و تعلّم بہ کلامِ موزون شعور افتادہ آن را شعر خواندند و قائل آن را شاعر گفتند. و اتفاق است کہ شعر عربی بر شعر فارسی مقدم بودہ است. و شعر بیتے بود کہ دو مصراع متساوی دارد.

و اشتقاقِ قصیدہ از قصد است و آن توجہ و روے نہادن است بہ چیزے و جائے، و مقصود را از بہر آن مقصود گویند کہ مردم روے دل بہ طلب تحصیل آن آوردہ باشند. و قصیدہ فعلے باشد بہ معنی مفعول، یعنی مقصودِ شاعر است بایراد

معانی مختلف و ذکر اوصاف مختلف از مدح و هجا و غیر آن. و ها در آخر قصیده وحدت راست. چنان چه لیل شب است و لیله یک شب. قصیده را باید که دو مصراع مقفیٰ در مطلع بود و الّا قطعه خوانند، هرچند از بیست و سی بیت بگذرد. و باشد که دو مطلع یا زیاده بود. و بیت القصیده در اصل آن است که شاعر ابتدائے فکرے کند و مضمون آن را در بیتے بیارد و ثانیاً بر همان وزنِ بیت قصیده بگوید. لیکن آنچه متعارف است مابین شعرا آن است که بیت القصیده بهترین ابیات را می گویند- چون ابیات مکرر شود و از پانزده و شانزده بگذرد و به بیست رسد آن را قصیده خوانند. و قافیه کلمهٔ آخرین بیت باشد بشرطے که بعینها و معناها در آخر ابیات دیگر متکرر نشود و اگر متکرر شود آن را ردیف خوانند. و قافیه در ما قبل آن باشد چنان چه

رخِ تو رونقِ قمر بشکست   لبِ تو قیمتِ شکر بشکست

چون کلمهٔ "بشکست" درین شعر متکرر شده آن را ردیف گویند و قافیه قمر و شکر است و قس علیٰ هذا. و قافیه را از بهر آن قافیه خوانند که پسِ اجزاے شعر در آید و بیت بدو تمام شود. و اصل آن از قفوت فلاناً است یعنی از پس فلان رفتم و قفیت فلاناً یعنی کس را پس فلانے روان ساختم. و این کلمه هم پس روِ آخر بیت است. و بیت را مقفیٰ خوانند یعنی آن را قافیه پدید کرده. بدان که در قافیه گفتگو بسیار است که در کتب این فن مرقوم است. پارهٔ از هر باب که ضروری شاعر است مذکور می شود. والله اعلم بدقایق الحقایق و حقایق الدقایق. نزد بعضے قافیهٔ سرم و قلم و قدم جائز است، جهت واحد بودن حرف آخر و مساوی بودن حرکت ما قبلش- پس فاضل و کامل. و حاصل و مائل، و عاشق و صادق درست است. و اگر حرکت ما قبل مخالف باشد مثل دود و دید، و داد جائز نباشد. و کلمات مختلف اللفظ و المعنی معاً جائز است چون مار و کار. و داد و شاد و

مختلف اللفظ فقط ہم جائز بود چون زبان ولسان وجان وروان ۔

بدان کہ حرف روی واجب التکرار است وقافیہ بے حرف روی متحقق نتواند شد۔ وتواند بود کہ در قافیہ بغیر از حرف روی ہیچ حرفے از حروف قافیہ نباشد مثل شکن وسخن۔ وچون مدار قافیہ بر حرف روی است شعرا آن منسوب می کنند چنان چہ می گویند قصیدۂ لامیہ ومیمیہ وامثالہا۔ وکلمہ زرین وپارین صلاحیت روی بودن ندارد لیکن چون ہا باو پیوندد وزرینہ وپارینہ شود صلاحیت روی بودن دارد۔ وازین قسم است نون کلمۂ بخندان وبگریان کہ صلاحیت روی بودن ندارد لیکن چون حرف دال باو ملحق گردد وبخنداند بگریاند شود، روی بودن را شاید۔ ودر تعریف روی گفتگو بسیار است کہ این جا ذکر آن لائق نیست۔

پوشیدہ نماند کہ 'ردف' در لغت از پی در آمدن است وحرف ردف اگر چہ در تلفظ مقدم است بر روی اما در ملاحظہ متاخر است ازو، زیرا کہ در قافیہ اولاً نظر بر روی است وبعدہٗ بر ردف وباقی حروف فلہذا اسمی ہذا الحرف بالردف۔ اما بحسب اصطلاح در تعریف او اختلاف است۔ وحرف ردف واجب التکرار است بعینہٖ با حرکت ماقبل واختلاف آن جائز نیست۔ شیخ سعدی قافیہ بحر وشہر کردہ آن پیش قدما جائز است جہت قرب مخرج آنہا چنانچہ گفتہ۔

چہ مصر وچہ شام وچہ برو چہ بحر ہمہ روستا ئیست وشیراز شہر

لیکن از قبح خالی نیست۔ وفردوسی نہی ووحی گفتہ۔ ودو ہفتہ ونہفتہ ہم جائز است۔ مولوی جامی گفتہ۔

دو ہفتہ شد کہ ندیدم مہ دو ہفتۂ خود را کجا روم بہ کہ گویم غم نہفتۂ خود را

بعضے طاقچہ وباغچہ ہم گفتہ اند وآن پر قبیح است۔ وجمع یاے معروف با مجہول در قافیہ نیز پسندیدہ نیست۔ وتغایر لغت در قوافی منع نیست وصحبت

و دولت ہم گفتہ اند۔ حضرے و سفرے و شترے در قافیہ جمع می توان کرد۔ بخلاف حضر و سفر و شتر۔ ہم چنین چاکرم و حاضرم جمع می توان کرد بخلاف چاکر و حاضر دلیل این بیان کردن درین محل مناسب نیست۔ و شیخ سعدی علیہ الرحمہ گفتہ :۔

غلام آبکش باید و خشت زن　　بود بندۂ نازنین مشت زن

و دیگرے گفتہ :۔

کسے کان شوخ را ہم خانہ باشد　　عجب باشد اگر شیدانہ باشد

و در کتب عروض این را جائز داشتہ اند و دلیل بر آن گفتہ اند۔ خواجہ حافظ گفتہ :۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا　　ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

و صاحب گلشن راز گفتہ۔

ہمہ دانند کین کس در ہمہ عمر　　نہ کردہ ہیچ قصد گفتن شعر

و این خالی از قبح نیست۔ و تو را با سو قافیہ نہ توان کرد زیرا کہ در فارسی واو تو متلفظ نہ می شود مگر در بعضے اوقات۔ و تواند بود کہ تمام مصراع سوائے کلمۂ اول ردیف باشد چنانچہ درین شعر است۔

جم است آن کہ بکف جام لالہ گون دارد　　کم است آن کہ بکف جام لالہ گون دارد

سوائے کلمہ جم و کم تمام مصراع ردیف است۔ ہم چنین

نظر گاہے بسوے دردمندے می توان کردن

گزر گاہے بسوے دردمندے می توان کردن

و طور بضم طا و طور بفتح طا در یک شعر جمع کردن جائز نیست و بغایت قبیح است۔ و این قسم قافیہ را اقوا گویند۔ چنانچہ ظہیر فاریابی زمرد را با تبرزد قافیہ نمودہ۔ دوم اکفا کہ دو قافیہ در مخرج قرب داشتہ باشند چون احتیاط و اعتماد

چنان چه شرازی گفته -

یک کاسه هریسه هر صباحی بهتر ز هزار پادشاهی

دازین قبیل است جمع کردن میان حروفے که مخصوص به لغت عجم اند چون رگ وسگ وباشنگ وحک وچپ باطرب وسراچه باخواجه وگرگ باترک- واکفاهم از عیوب است . سوم سناد مانند زمین وزمان را یک جا جمع کردن وودود و دادرا باهم آوردن در یک شعر عیب بزرگ است ونزد شعرائے عجم اصلا جائز نیست. چهارم ایطا مثل جمع کردن موجودات با ممکنات وکهسار با خاکسار وباغبان با پاسبان وخوبان با عاشقان ، زیراکه در صورتِ جمع قافیه می تواند شد وآن جائز نیست که اصل آنها بدون الف ونون جمع قافیه نیست - وایطا هم از عیوب است. ویاران دوستان ولاله ها وغنچه ها وگفتن وشنیدن وعاشقند وبے دلند از مقوله ایطاے جلی شمرده اند - دازین قبیل است قلمدان ونمکدان وباغبان ودربان و گلستان وخارستان ونعمتے واندکے وخلاصی وصافی ودلبران ومهوشان وروشن دے وقلقلے ودستے دردے وسمرقندی وبخاری وآمدی ورفتی و میکده وبتکده وبیامرزاد وغمرد باد وزرین وسیمین وچارمین وهم چنین ودوشین دپارین وغمگین وانده گین واین ایطاے جلی را در عرف شعرا شائگان گویند واز معائب قافیه است . اما ایطاے خفی مثلاً گلاب وآب ودانا وبینا پیش اکثر شعرا جائز است . پنجم صرف مثل پدرش وپرورش که یک جا فتح ویک جا کسره است چناں چه ضمیری مطلق وعاشق را قافیه نموده این هم از عیوب قافیه است ششم لحن وآن آنست که در قافیه چیزے بیارند که در نثر نتوان آورد یعنی حرکتے یا سکونے دهند وتصرفے کنند . هفتم لغو وآن عبارت است از آوردن قافیه که آن را فائده نه باشد الا آن که بیت را تقفیٰ سازد . واین هفت قسم را جمیع شعرا از

عیوب قوافی نامیده اند - والله اعلم بالصواب -

و در قوافی چنین قافیه ها معیوب است اگرچه استادان گفته اند

هر وزیر و مفتی و شاعر که او طوسی بود چون نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوسی و فردوسی در قافیه خوب نیست -

از غصه هجران تو دل پُر دارم پیوسته از آن دیده بخون تر دارم

پُردارم و تردارم یک جا ضمه و یک جا فتحه خوب نمی شود - و بوسلیک گفته

درین زمانه بتی نیست از تو نیکوتر

و قافیه در مصراع ثانی مشفق تر آورده تکرار در قافیه کرده و این عیب بزرگ

است در یک بیت - و دقیقی گفته -

چگونه بلائی که پیوند تو بوجهے بد است و بوجهے تبر

شبے روز کردم چگونه شبے بلے از شب داج تاریک تر

وهم او در جائے دیگر ستم گر و فسون گر بسته و در جائے دیگر بلا گستر و سخن گستر بسته

روزه داران و تاج داران هم بوطاهر خاتونی بسته و اینها مذموم است -

واکثرے از شعرا آب و گلاب - و ساز گار و کامگار و شاخسار و کوهسار و آبدار

و پائدار را معیوب شمرده اند و جمع جائز دارند - و انوری ، مشتری و ساحری در

قصیده گفته -

ای مسلمانان فغان از دور چرخ چنبری و ز نفاق تیر و قصد ماه و سیر مشتری

من نمی دانم که این نوع سخن را نام چیست نه نبوت می توانم گفتنش نه ساحری

و انوری ستور و تنور هم گفته -

هر که تواند که فرشته شود خیره چرا باشد دیو و ستور

چیست جهان نغز تنور اثر خود چه تفرّج بود اندر تنور

دیگر سیب و قریب گفته۔ ازین قسم قوافی احتراز اولیٰ است. وگفته اند کہ فصل و نسل، وفضل وغزل، وزلف وعرف و ابرو وخم جائز است جهت قرب مخارج اینها باهم چنان چه فردوسی گفته۔

چه گفت آن خداوند تنزیل وحی　　خداوند امر و خداوند نهی

حتی المقدور نباید گفت. اما قافیهٔ شائگان کہ از عیوب قافیه شمرده اند در اصل شاه گان بوده است یعنی کارے کہ بہ حکم شاه کنند. و شائگان آن را گویند کہ الف و نون جمع در آن مستعمل باشد. چنانچه ازرقی گفته۔

آن همام دولت عالی جمال دین حق　　آن فخار جمع شاهان مفخر سلجوقیان

و شائگان آن است کہ از آن جنس بسیار توان آورد یعنی مانند گنج شائگان است از آن بسیار توان برداشت. و آن چند قسم است. تفصیلش طول دارد۔ مناسب این مقام نیست. و قدما تکرار قافیه در قصیده جائز نداشته اند مگر قافیهٔ مصراع اول مطلع بشرطے کہ در مصرع دوم آن نه باشد و در ابیات دیگر بود. لیکن متاخران تکرار قوافی جائز دارند و در جمیع دیوان باهم هست۔ وے این قدر رعایت باید کرد کہ متصل هم نیفتد، بعد از سه چهار بیت. بود مضمون آن مکرر بسته نه شود کہ یک قافیه و یک مضمون مکرر لطف نه دارد۔

وغزل در اصل لغت حدیثِ زنان و وصف عشق بازی است با زنان۔ گویند رَجُلٌ غَزِلٌ یعنی مرد عشق باز و سامع دوست۔ آن چه مشتمل باشد بر وصف زلف و خال و شرح وصل و هجر آن را غزل گویند۔ ونسیب غزلے باشد کہ علی الرسم آن را مقدمهٔ مقصود خود سازد تا بہ سبب استماع احوال محب و محبوب طبع ممدوح بہ شنیدن آن رغبت نماید۔ وتشبیب غزلے باشد کہ بر حسب حال شاعر بود۔ چنان چه اشعار شعرائے عرب مثل قیس و امثال او مشتمل است بر بیان واقع کہ هر یک عاشقِ

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

زنے بودہ۔ ونسیب در اصل لغت صفت جمال محبوب وشرح احوال عشق ومحبت است یقال نَسَبَ یَنْسِبُ نَسَبًا از باب ضَرَبَ یَضْرِبُ یعنی غزل گفت واحوال عاشق ومعشوق شرح داد۔ وبعضے اہل معنی فرق کردہ اند میان نسیب وغزل وگفتہ اند معنیٔ نسیب ذکر شاعر است خَلق وخُلق معشوق، وغزل دوستی زنان ومیل دل بدیشان۔ بیش تر شعرا ذکر جمال معشوق ووصف احوال عشق را غزل گویند۔ وآنچہ درمدح یا شرح حال دیگر باشد آن را نسیب نامند۔

ورباعی کہ بناے آن بر دو بیت است وبیت اولین آن دو مصراع مقفیٰ باید والّا قطعہ شود۔ ومخمس آن است کہ چہار مصراع بہ طریق مطلع بر یک وزن گفتہ شود ومصراع پنجم آن نیز بر ہمان قافیہ ووزن باشد۔ لیکن دو طریق است، گاہ مصراع پنجم بعینہ در ہمہ بند ہا می آرند وگاہ مصراع مختلف در بند ہا می آرند، لیکن قافیہ بر یک وزن می باشد موافق بند اول۔ ومربع ترکیب را چہار مصراع بدستور مخمس، در یک وزن می باشد وبجاے بند کہ در مخمس است یک بیت می آرند بہ قوافی مختلف۔ وترکیب بند چند غزل می باشد ہمہ در وزن موافق ودر قوافی مختلف، وبند ہا نیز در قافیہ مختلف۔ واگر بر یک قافیہ ہم باشد جائز است۔ واگر بیتِ بند بعینہ یکے باشد ترجیع بند گویند۔ ومسمط آن است کہ بناے ابیات بر پنج مصراع متفق القوافی گذارد ومصراع ششم را قافیہ مخالفِ قافیہ اول آرد کہ بناے شعر بر آن باشد۔ وباشد کہ عدد مصاریع بیفزاید وبر ہشت مصراع وچہار مصراع می باشد۔ ومزدوج را مثنوی نامند۔ وہر بیتِ آن دو مصراع بود بر یک وزن، ودر قوافی ابیات مختلف۔

ودر جمیع اقسام شعر نظم باید بدیع بود وقوافی درست ومعانی لطیف والفاظ عذب وعبارت صاف یعنی در فہمیدن مشکل نہ شود وعبارات تکلف نہ باشد واز حروف زائد پاک بود وکلماتش صحیح۔ وشاعر باید کہ طور وترکیب نظم بشناسد

در قوانین تشبیهات و فنون استعارات و محاورات و یا خبراز تاریخ و نظم قدما باشد و کلام حکما، را تتبع کرده باشد و به طبع سلیم جزایل الفاظ را از رکیک بشناسد و از تشبیهات کاذب و اشارات مجهول و ایهامات ناخوش و اوصاف غریب و استعارات بعید و محاورات نادرست و تکلفات نامطبوع محترز باشد، و از مالا بد نکاهد و در مالایعنی نیفزاید و ترکیب نظم استادان خوب غور بکند تا واقف راه ورسم گردد و از مصطلحات باخبر باشد و بر دقائق آن اطلاع یابد تا او را ملکهٔ پدید آید۔

و در قوافی اولی آن باشد که تعین آن بر معنی مقدم دارد پس معنی را بآن الحاق کند تا متمکن آید و در جمیع اشعار ملاحظه کند تا الفاظ رکیک نه باشد و الّا عوض نماید و اگر معنی قاصر باشد تمام کند. و باید که در اسالیب کلام چون نسیب و تشبیب و مدح و ذم و آفرین و نفرین و شکر و شکایت و قصه و حکایت و سوال و جواب و عتاب و تواضع و تفاخر و تکاثر و صفت بهار و انهار و گل و بلبل و عشق و هجران از طریق علمای این فن عدول نه نماید و خود پسندی را کار نه فرماید۔

و باید دانست که باعتقاد فقیر در اصل مدح مردم مذموم است. معهذا اگر شاعر در آن شروع نماید این چند امر را رعایت کند. اول آن که مدح درخور ممدوح گوید مثلاً سلاطین را به لفظ خواجه و مهتر و آن چه دون مرتبهٔ ایشان بود یاد نه کند و امیر را ملک و سلطان نه گوید و علما را به علم و فضل و ورع مدح کند نه به شهامت و شجاعت، به خلاف اهل شمشیر که ایشان را بتسلط و غلبه و شهامت ستودن اولی است و در مدح مردان حسن و جمال را یاد نه کند مگر در ضمن کمالات نفسانی مثل آن که گوید حسن صورت و نیکی سیرت هر دو دارد چه حسن ظاهر بهترین صفات است و دلیل خوبی باطن چنان چه در حدیث وارد شده "اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه"۔ ازین جا پیداست که قبح منظر دلیل سوے باطن است نعوذ باللہ منہا۔

اگر حنظل خوری از دست خوش خو   به از شیرینی از دست ترش رو

زشت رو البته می باشد شریر   قول و فعل او نه باشد دل پذیر

و در مدح خلفا و ملوک قدما وصف کردن به سخاوت و شجاعت چندان پسند نه کردند اگرچه متعارف است۔ زیرا که سخاوت ملوک را ناگزیر است۔ عالمے از ایشاں بهره می برد۔ و شجاعت لازم عسکر ایشان بود۔ پس بهترین مدائح ایشان عدل است وورع و کمالات نفسانی و دفع فتنه و آبادی ممالک از خوف و سیاست ایشان۔ و به هیچ حال چیزے که ممدوح بدان منسوب یا متهم بود به تصریح و کنایت ایراد نه کند در مدح بعنوان تعریف حسن و جود و خلق نباید، بلکه عصمت و عفت اولی است و ابتدائے قصیده باید بالفاظ مسعود و همایون آراسته باشد و از الفاظ نفی و منحوسه مثل نیست و نه باشد و نه بود دور بود، چه فال خوش نه دارند۔ و آنچه از مدائح اقوی بود مؤخر دارد و مقطع را سعی کند تا نهایت مطبوع و مشتمل بر غرض او باشد و لفظ آن فصیح و معنی بدیع۔ چه قریب العهد به سمع استماع کننده آن بیت است۔ لطف آن تا مدتے دریاید و از خاطر نه رود۔ و از الفاظ مشترکه در مدح و ذم اجتناب کند۔ مثل لفظ سور که شادی و ماتم هر دو را آمده۔

فقیر قریب پنجاه دیوان از قدما و استادان به مطالعه درآورده احوال هر یک و مراتب کلام ایشان سنجیده۔ هر کس در فن خود مهارتے دارد۔ قدما در قصیده و مدح مهارت دارند، سیما انوری و خاقانی و کمال اصفهانی تو در غزل و وصف حسن شعر ایشان رتبه نه دارد و کم تر متوجه آن شده اند۔ انوری در مطلع قصاید ید بیضا دارد۔ شیخ سعدی علیه الرحمه مرد عارف و صاحب حال است۔ کلامش مرغوب و تمام از نصائح خالی نیست۔ ملاحت و قبول عجبے دارد۔ و اهلی شیرازی درین فن استعداد

و مهارت تمام دارد- تقی بلبانی شاعر زبردست است. و قدسی و کلیم و طالب آملی از متاخران سخن را به معراج برده اند و کلام ظهوری در ساقی نامه رتبۂ بلند دارد- زلالی در مثنوی ممتاز بود و لیکن غنیمت هندی پایۂ کمے نه دارد و غنی کشمیری خوش سخن است- کلام عرفی عرفیست" الا سماء تنزل من السماء" کلام خواجه حافظ قبول دارد- امیر خسرو شیرین سخن است. صائب در مثل بندی نظیر نه دارد- اشرف کلامش شوخی تمام دارد- کلام هلالی از سوز خالی نیست. عالی در هجو و مثنوی طرفه دست گاہے دارد- نظامی در خمسه داد سخن داده- جامی هم در سبعه پایۂ کمے از و نه دارد- فردوسی طوسی در طور خود یگانه است. صاحب حملۂ حیدری عبارت صاف رنگین دارد- مولوی جلال الدین رومی سخنش سراپا عرفان است. فهیدن دارد، لیکن فارسی قدیم است. حکیم سنائی عارف است و کلامش مقبول- جلال اسیر بسیار نازک خیال است. معز فطرت صاحب هنر است. فیضی کلامش با فیض است. طاهر وحید درین فن وحید است. و قاسم گونابادی در شاه نامۂ خود سحر آفرینی کرده و ناصر علی در مثنوی خیلے تلاش بکار برده. و بیدل از پر دلان این معرکه است. جویا مدح و منقبت ہاے رنگین دارد- شیدا در خوش گوئی مشهور است. کاتبی ملک الشعرا است. سلمان ساوجی مهتر این قوم است. عظیما رنگین سخن است. نسیح کلام لطیف دارد. خالص خوش فکر است. آصفی از کیفیتے خالی نیست. شاه نعمت الله خوش خیال است. حاذق عبارت دلچسپ دارد. رضی الدین نیشاپوری مهارت تمام دارد. دانش از تلاش خالی نیست. شوکت مضامین خوب دارد- ابن یمین مرد موحد است و کلام پرسوز دارد- شریف سخن دل فریب دارد- کلام عنصری به طور قدما است. ظهیر فاریابی پر هنر است. به کلام رفیع من واله ام. فغانی سخن دان است. وحشی طرز نهایت ملیحے دارد- شعرا آشنا را به طور خود آشنا یافته ام. بهر تقدیر هر کدام در کار خود استاد است

و علّامہ و سزاوار تحسین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ طور و طرز ہر یک جداست۔ کسے کہ مدّتہا مطالعۂ کتب ہر یک نمودہ باشد، بر و پوشیدہ نہ خواہد بود۔

قدما اگرچہ استاد اند و واضع قوانین، متاخرین رنگینی و نزاکت و نازک خیالی را بہ نہایت رسانیدہ اند۔ الحال طور قدما متروک شدہ۔ و درین عصر شعر تراشے چند بہم رسیدہ اند کہ با آن کہ خبرے از شعر و شاعری نہ دارند تختہ بر سر قدما می زنند و قلم بر اشعار متاخران می کشند۔

چہ توان کرد مردمان این اند

خلاصۂ سخن این است کہ چون موزون و ناموزون را نہ فہمیدہ اند و از بحر و قافیہ خبرے نہ دارند، ایراد بر ہمہ کس می گیرند۔ گاہے شعرے را ناموزون قرار می دہند، گاہے قافیہ را نادرست می دانند و جائے بہ سکتہ معترض می شوند و حال آن کہ ہمہ بے جا است۔ چند شعر انوری کہ از ائمۂ این فن است و اعزّ استادان مرقوم درین خطبہ می شود۔ بہ جہت این است کہ چنین بحر و اوزان را درین وقت نباید گفت، کہ این قسم نافہمان در ہر محفل ہدف تیر ملامت می کنند و حال آن کہ این ہا ہمہ شعر استادان است، موافق علم عروض بہ تقطیع درست اگرچہ لطفے نہ دارد، لیکن ناموزون نیست، چنان چہ نافہمان تصور می کنند۔ ازین جہت احتراز ازین اوزان اولی است کہ با ابلہان مشت و درفش نباید شد۔ انوری درین زمین ہا قصائد غرا دارد۔

انوری

بر در کس عنکبوت جور ہرگز ... کے تند تا ہست عدل یار غارت

تا ملک جہان را مدار باشد ... فرمان دہ آن شہریار باشد

خونِ در جگر پر دلان بچو شد گر رستم واسفند یار باشد
چون کوکب جاه تو بجنبد مریخ ورو یک سوار باشد

بے سابقہ وحی جبرئیل اسرار وجود دشس ہمہ یقین

ای تیغ تو ملک عجم گرفتہ انصاف تو جاے ستم گرفتہ
درنام خدا و رسول نامت ترکیب حروف ورقم گرفتہ

ای بردہ زشاہان سبق شاہی با تو ہمہ در راہ ہو خواہی
ہم فتح ترا بر عدو افزدنی ہم وہم ترا از عدم آگاہی

اجرام ز رشک پایۂ قدرت پوشیدہ لباس ہاے سیمابی
زآسیب تو از فلک فروریزند انجم چو کبوتران مطرابی

ای رفتہ بفرخی وفیروزی باز آمدہ در زمان بہروزی

ای بندہ گردے تو خداوندان دیوانہ کوے تو خردمندان

سوگند مخور کہ من ترا دانم امشب سر ناز در بر داری

درہمہ نام ہات نامستی درہمہ کارہات کارستی

تا توانی حذر کن از منت کان منت خلق کاهش جانست

پیراهن منت تو دوران را تا حشر فرو گرفت پیراهن

قبیح ترازین هم گفته اند و طور قدما همین است

تا کی گریی نه عشق و تا کی نالی سود نه دارد گریستن چه سگالی

شکرک از آن دو لبک تو به چیشم اگر تو یله کنی

تا کی مارا در غم داری تا کی بر ما آری خواری

چه عجب نه دارم از نگارمی که بے گنه برون نه شد از کنارمی

چه کنم صنما چو دلم ستدی به کشم ز تو هر چه کنی ز بدی

به کارے چرا کوشی که آن کار مر ترا همی عاقبت خواهد رسیدن پشیمانی

بدین عاشقی هر کو دهد پند مرا همی گوز بر گنبد فشاند ز ابلهی

نگارے کجا همتا به خوبی ندانمش چه گوئی کرا باشد به عشقش صبوری

غالیه زلفے وسمن عارضے　　　سرو بالائے وزنجیر موے

زندگانی تلخ کردی مرا　　　زندگانی بے تو ناید بکار

بر فردوس رضوان گر نه رخسارت دلیل استی　　　مردم راسوے نادیده دیدن کے سبیل استی

از آدمیان ہم چو پری　　　چون بر گذری دل می بری

عاشق شده ام بر دلبرے عیارے　　　شکر بے سیمین برے خون خوارے
ستفعلن مستفعلن مفعو لن　　　ستفعلن مستفعلن مفعولن

بر من خسته جان من مکن ستم　　　کاین دلم از پے تو شد چنین بغم
مفتعلن مفاعلن مفاعلن　　　مفتعلن مفاعلن مفاعلن

غالیه زلفی و برخ　　　سرخ تر از گلناری
مفتعلن مفتعلن　　　مفتعلن مفعو لن

عاشق شدم بر آن بت ناساز گار　　　صبرم دباد در غم او کرد گار
مفعول فاع لات مفاعیل فاع　　　مفعول فاع لات مفاعیل فاع

مرا غم تو ای دوست از خانمان بر آورد　　　مرا فراقت ای ماه از مال وجان بر آورد

سیه چشم و سیه زلف غلامے　　تبه کرد دلم را به سلامے

دلم بتو هست شاد　　ترا ز من نیست یاد

چرا بازنیائی　　عذابم چه نمائی

سرو است بر او ماه منقّش　　ماه است بر او مشک معقّد

من بے تو چنین زار　　تو از دور همی خند

بیا جانا کجائی　　چرا ازی مانیائی

همیشه شادمان باش　　بکام دوستان باش

تو جاودان جوان باش　　عدوّت خاکسارا

ترکان نغز نیکو دیدار　　چابک سوار شیرین کار

د موجب ناخوشی این اوزان اختلاف نظم اجزا است وعدم تناسب ارکان دگرنه موافق عروض صحیح است. کج طبعان کے نظم از نثر شناسند که از وزن د بحر د قافیه خبر نه دارند. معهذا از غایت جهل است که خود را شعر فهم د

نکتہ سنج داند" اولئٰک کالانعام بل ھم اضل "، ومعلوم باد کہ بحور عرب
برخلاف اشعار فارسی است و در اکثر آن بحور شعر فارسی نتوان گفت، واگر بہ تکلف
گفتہ شود نامطبوع بود۔ واز محسنات لفظی و معنوی اکثر در شعر فارسی یافت می شود
چنان چہ مذکور می گردد۔

بدان ارشدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ کمال شاعر موقوف بر صنائع شعریہ است
کلمۂ چند درین محل مرقوم می گردد زیراکہ ہر کس کہ فی الجملہ طبع موزونے داشتہ باشد و شعر
ہلکے تواند گفت، خود را شاعر علامہ می داند و حال آن کہ چنین نیست۔ ونہ ہر کہ سر تبراشد
قلندری داند، بلکہ استعداد در صنائع ظاہر می نمود۔ وصنایع شعریہ بسیار است۔ انچہ
عمدہ و مشکل تر است مذکور می شود، وفقیر در ہر صنعت مثالے از خود می آرد۔ امید کہ منظور
نظر نکتہ سنجان سخن درگردد۔ ومنہ التوفیق۔

اوّل از صنائع شعریہ صنعت تبیین است کہ آن را تفسیر نیز گویند و آن چنان است
کہ شاعر لفظے چند بہم برشمارد کہ ہر یک محتاج تبیین و تفصیل باشد و در بیت یا مصراع
دیگر آن را بہ ترتیب مذکور مبین گرداند۔ مثالش این است۔

عمر و جاہ و عیش و جیش و نصرت و اقبال و بخت
دائما باشد بہ کامت ای وحید روزگار
عمر زائد جاہ وافر عیش دائم جیش بیش
نصرتت پیوستہ اقبالت بلند و بخت یار

دوّم لزوم مالایلزم و آن چنان است کہ چیزے را در شعر لازم گیرد کہ
ضرور نہ باشد۔ چنان چہ مورا درین غزل لازم گرفتہ شد۔

غزل

موے زلفت بہ جہان سلسلۂ دام بلاست
ہر سر موے تو اسباب پریشانیہا ست

بیٹے چھوڑے ہوں تو فائز کا اصلی نام حسن بیگ یا محمد مہدی یا محمد تقی ہوگا۔ کسی ایک نام کی تخصیص فی الحال ممکن نہیں۔

فائز نے اپنی کتاب انیس الوزرا میں اپنے اور اپنے والد کے ناموں کے علاوہ اپنے دادا کا نام بھی بتایا ہے، جو علی مردان خاں ہے، اس مختصر نشان دہی پر تاریخ کی کتابوں کی سیر کی تو معلوم ہوا کہ فائز ایک عالی خاندان ذی عزت، اور خوش حال آدمی تھے۔ اُن کے بزرگ کئی پشتوں سے ایران اور ہندوستان میں بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہوتے چلے آتے تھے۔ اس طرح عزت اور دولت اُن کو ورثے میں ملی تھی۔

گنج علی خان بابا فائز کے دادا کا دادا گنج علی کرد قوم سے تھا۔ ایران کے صفوی بادشاہ شاہ عباس اعظم کے لڑکپن میں وہ اس کا اتالیق تھا اُس نے شاہ زادے کی اتنی خدمت کی کہ جب وہ بادشاہ ہوا تو اپنے اِس قدیم وفادار ملازم کو اس کے حسنِ خدمت اور بہادرانہ کارناموں کے صلے میں خان کا خطاب اور بابا کا لقب عنایت کیا۔ گنج علی خاں تیس برس تک کرمان کا مستقل حاکم رہا قندھار کا قلعہ جو اکبر کے زمانے میں مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا تھا، جہانگیر کے عہد میں شاہ ایران کے قبضے میں چلا گیا اور گنج علی خاں اس کا قلعہ دار مقرر ہوا۔ ۱۰۳۴ھ میں ایک رات کو ایک ناگہانی حادثے سے اس کا انتقال ہوگیا۔

علی مردان خاں بابائے ثانی شاہ عباس نے گنج علی خاں کے بیٹے علی مردان بیگ کو خان کا خطاب اور بابائے ثانی کا لقب دے کر باپ کی جگہ قندھار کا قلعہ دار مقرر کر دیا۔ شاہ عباس کے بعد اُس کا پوتا شاہ صفی ایران کا بادشاہ ہوا تو اُس نے بے بنیاد شبہوں پر بڑے بڑے امیروں کو معزول کر دیا۔ اُسی زمانے میں شاہ جہاں بادشاہ نے قندھار کا قلعہ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ریشہ دوانیاں

بستهٔ موے دل آویز تو شہر ختن است — ہم چو موے تو کجا گیسوے خوبانِ خطاست

کم تر از موے من آن ہیچ کمر را دیدم — گرہ موے میانِ تو ندانم کہ کجاست

جان من خستہ موے سر زلف تو بود — در غمِ موے تو ہر لحظہ دلم در سوداست

مثل مو در نظرت رو سیہ و بے قدرم — اعتبارم سر موئے نبود گو کہ چراست

ہم چو مو شد تنم از ہجر تو اے آفت ہوش — قدر موئے نبود پیش تو ما را پیداست

در غم موے تو چون شانہ دلم شد صد چاک — موے تو بہرِ دلِ عاشقِ بیچارہ بلاست

از خیالِ خمِ زلف تو چو مو می کاہم — مو شگافم من و این فکرِ رسا از سوداست

ہر سرِ موے تو در دل خلدم چون پیکان — یک سرِ مو بہ منت رحم نباشد چہ بلاست

من مضامین ہمہ پیچیدہ تر از مو دارم — مو شگافی کند آن را کہ چو من طبع رساست

ہم چو مو روے سیہ می شودش در محشر — ہر کرا بغض سرِ مو بدل از آلِ عباست

فائز آن موے میان بستہ کمر بر قتلم

من کہ چون موے ضعیفم دگر این ظلم چراست

سوم[۳] صنعت حذف است یعنی التزام کردن کہ بعضے حروف در شعر نباشد واز ہمہ مشکل تر حذف الف است. مثالش این است.

معدن عدل و بحر بخشش وجود — مخزنِ علم و درج فضل و ہنر

حکم تو ہر طرف زمین بگرفت — مہر و مہ بر در تو بستہ کمر

قدر ہر کس بہ پیش تو دیدم — بہ منت نیست ہیچ لطف و نظر

قصۂ خود کنم چو من تحریر — می شود دہر جملہ پُر دفتر

چہارم[۴] صنعت تفصیل است و آن چنان است کہ شعر خالی از حروف شفوی بود کہ در وقت خواندن آن لب بلب نرسد. مثالش این است

اے آن کہ نیست ہیچ کس در جہان نظیر — در دہر ہیچ گل ز رخت نیست سرخ تر

ثانیت کس نه دیده درین عصر در دیار   دل دار، گل عذار، جهان گرد، کج نظر

پنجم صنعت توصیل است و آن چنان است که شعر مرکب از حروف شفوی بود. و این باعتقاد فقیر ممتنع است. زیراکه حروف شفوی منحصر است در با و فا و میم و واو و شعر مرکب به چهار حرف نمی تواند شد. و مثالے که از استادان درین صنعت دیده شد، مرکب از حروف شفوی نه بود. پس اگر تعریف چنین کرده شود اولی ست که صنعتِ توصیل عبارت از آن است که زبان در وقت خواندن آن حرکت نه کند و حروف شفوی ابتداے هر کلمه باشد و اکثرے باشد. مثالش این است

مه ما به ماے به مینا بده   به مینا به ماے مه ما بده

مه ما به باده باید بده   بده باده اے مه به ما باده ده

ششم صنعت مقطع و آن چنان است که جمیع حروف شعر از هم جدا نوشته شود. مثالش این است

از درد داغ دارم، زردم ز داغ داری

زاری ز درد دارم، دارم ز درد زاری

رخ زرد را داغ آذر زدم   زدم داغ آذر رخ زرد را

زارم از درد و زردم از دوری   زرد و زارم ز دوری آن رد

زردم از دوری و دارم زاری   زارم از دوری و زردم از درد

دزدے از دزد درم را دزدو دزد و از دزد درم دزد درم

ایضاً مقطع مجرد

در دردِ دل آرامِ دل آرام دل در دردِ دل

مقطع موصل

داری دوائے دردم در آن رُخ دواده

بے تو خوشی ندیدیم باما تو گر خوشی به

ہفتم صنعت موصل است و آن چنان است که حروف شعر مرکب از دو حرف یا سه حرف یا زیاده بود۔ مثالش این است۔

موصل به دو حرف

ہر که گل بوئے برین موضع بدید شد چو من بے ہوشی جانش مزید

مَی نابے بمن باید که باقی ماند پاشے شب که من بدخو کن جانانه ساقی گل فام

موصل معکوس

مِی کوثر بدست ساقی کوثر بدستِ ساقی کوثر، مِیٔ کوثر

معکوس موصل

خد تو نو گل طوبیٰ، خطِ تو جامع خوبی خطِ تو جامعِ خوبی، خد تو نو گلِ طوبیٰ

موصل به سه حرف

تیر ببر، تبر ببر، تیغ ببر، سپر ببر تیغ بجز، سپر بجز، تیر بجز تبر بجز

کلاۂ تیبر ہست مثل حجر تبر تیز می زنند بسر

چشم کجا، نظر کجا، مهر کجا، قمر کجا تیغ کجا، سپر کجا، قلب کجا، جگر کجا

ظلم مکن بتا بمن شهد لبت مغر حست هیچ سخن بمی کنم غصه عبث مکن بمن

عیب مکن مثل سخن چین بمن تلخ مکن عیش منم مست عشق

صنعت دیگر

در مصراع اول یک حرف مفرد و دو موصل است و در مصراع ثانی یک حرف موصل به سه و دیگر موصل به چهار، چنانچه مثالش این است۔

ابر اگر این وقت آمد آمدے چون جان بمن مثل غنچه جمع گشتے سحر مجلس بین چنین (۹)

هشتم صنعت منقوط است و آن چنان است که شعر مرکب از حروف منقوط بود مثالش این است

فی الهجو

جز زے غنے زشت نبینی بغن زشت بے فنے نیست بغیظ زغن

غبغب زشت خش بزذ قن بزذ قن زشت خش غبغبے

غبغبش چین بچین زشیب زنخ چین بچین غبغبش زپیش ذقن

شب نشین شب نشین شبے بنشین بنشین شب نشین شبے بنشین

بنشین پیش بز بز شتی زن زشتی زن ببین زپیش بزے

تیغ زن بینیش بہ چین جبین　　زغضب بینیش جبین چین چین

جنبش چین جبین تیغ ببین　　تیغ زن بین زغضب چین جبین

بنشین بنشین پیش زن زشت نشین　　بنشین غضب زشت زن زشت ببین

نہم صنعت مجرد است و آن عکس صنعت منقوط است۔ یعنی حروف شعر مہملہ باشد۔ مثالش این است

حاکم مصلح کامل در دہر　　داور ملک دل اہل کمال
او محامد ہمہ دارد در دہر　　عدل را حکم دہد در ہمہ حال

ایضاً

سرور داد دِہ اہل کمال　　حلم او کام ہمہ دادہ مدام
در حلال او ہمہ دم حکم روا　　کردہ مسدود ہمہ کار حرام

ایضاً

عالم ماہرۂ علامۂ عہد　　در ہمہ علم و عمل صدر امم
سکۂ عدل و کرم دارد او　　علم او در ہمۂ ملک علم

ایضاً

محمد اسم مطہر رسول کل امم　　کہ کردگار ورا کردہ سرور عالم
رسول عدل در اسلام طاہر آوردہ　　کلام او ہمہ والا رسوم او محکم
اساس عدل علم کردہ در ہمہ امصار　　مدام در دل دہر راہم او مرہم

دہم صنعت رقطا است، حرفے منقوط و حرفے غیر منقوط۔

کجا شوق و غم جانان کجا جانِ وفا بازم   کجا فرخ رخے رندے، کجا شوخ دغا بازم
می کند با تو غمزهٔ جانا   غمزهٔ شوخ می کند با تو

کلمهٔ منقوط و کلمهٔ غیر منقوط

زینتِ ملک تیغ او بینی   تیغِ او زینت ممالک بین

۱۱ یازدہم صنعت مغالطہ است و آن چنان باشد کہ چیزے را بہ چیزے تشبیہ کنند کہ در عرف عکس آن باشد و بنوعے توجیہہ کنند کہ آن مغالطہ دفع شود۔ مثالش این است ۔

جبینت مشابہ بود با ہلال   چو بدر راست در دیدا بروے تو
جبینت ہلالے ست گر دید بدر   ہلال ست آن بدر را بروے تو

دوازدہم صنعت اغراق در وصف ممدوح ۔ مثالش این است کہ در تعریف اسپ گفتہ شد ۔

ہنوزش خریدا ست ارزان بسے   بہایش دہد گر دو عالم کسے

۱۲ سیزدہم صنعت تیسیر است و آن چنان است کہ اوصاف مختلفہ را بریک نسق ادا نماید ۔ مثالش این است کہ در وصف جاموش گفتہ شد۔

بہ شوکت چو کوہ و بر فتن چو نیل
بہ قوت چو دیو و بہ ہیکل چو پیل

۱۴ چہاردہم صنعت تربیع کہ چہار خانہ است کہ از دو طرف خواندہ شود۔ مثالش این است ۔

برعارض	بےساختہ	برقع	مفگن
بےساختہ	جاناگذر	افگن	بچمن
برقع	افگن	زرےخود	ای مہ من
مفگن	بچمن	ای مہ من	شور وفتن

آن مہ نگہ	از پنجرہ	دارد	ہرسو
از پنجرہ	دارد بجہانے	نگہ	او
دارد	نگہ	اوبسوے ہر	زشت ونکو
ہرسو	او	زشت ونکو	بستہ برمو

۱۵ پانزدہم صنعت تعذیب است یعنی بناے شعر بروزنے ولفظے شیرین، وعبارتے متین، وقوافی درست، وترکیب لطیف، ومعانی ظاہر صاف گذارد تا در فہم نزدیک باشد ودرادراک آن بہ فکر واندیشہ وامعان نظر احتیاج نیفتد، کہ آن معیوب است۔ واز استعارات بعید ومحاورات شاذ وتشبیہات کاذب خالی باشد، واز تقدم وتاخر ناخوش آیندہ پاک بود، وعبارت تمام ابیات یکسان باشد، والفاظ غریبہ وغیر مانوسہ نہ داشتہ باشد۔ چنانچہ درین غزل است۔

غزل

گر سرِ زلف سیہ افشانی — جانِ یکسر خلقِ خدا بستانی
انچہ از عشوہ توانی کردن — ہرچہ از غمزہ کنی بتوانی
چون ہلاکو نگہت بر سرِ جور — کشورِ دل زتو در ویرانی
بہتر از انچہ کہ دانم ہستی — خوش تر از ہرچہ بگویم آنی
جلوہ ہر گہ کنی از ناز وادا — زہرہ پیش تو نہد پیشانی
تا نظر بر رخِ صافت کردم — ہم چو آئینہ ام از حیرانی
یوسفِ عصرِ خود ای شوخ توئی — کہ مسادی بہ مہِ کنعانی

داغ دارم ز تو چون لاله بدل
خون دلم گشته زنا فرمانی

۱۶ شانزدهم صنعت ترصیع است یعنی جواهر نشاندن که کلمات مسجع باشد والفاظ در وزن وحروف مساوی، چنانچه درین بیت است۔

ای منور ز روے تو اختر   دی معطر ز موے تو عنبر

منور و معطر و روے و موے و اختر و عنبر سجع است۔

۱۷ هفدهم تجنیس و آن اقسام است۔ یک قسم درین بیت نموده می شود۔

در فراق تو ای غزالِ خطا   می سرایم غزال لیک خطا

غزال و غزال و خطا و خطا تجنیس است و از اقسام آن رد العجز علی الصدر است یعنی کلمه که در آخر بیتے یا مصراعے آمده باشد در اول دیگرے بیاید۔ مثالش این است۔

خمارم نه رفته است از سر هنوز   که تا دیده ام نرگس پُر خمار
قرارم به دل نیست در هجر تو   شدم در فراقت چنین بے قرار

تجنیس مرکب که یک کلمه مفرد باشد و دیگرے مرکب۔ مثالش این است۔

نه شد مهر تابنده پیش رخت   نه گردید تابنده ات ای نگار

دیگر تجنیس مزدوج که کلمات متجانس مترادف افتد، مثالش این است۔

با بت مکار تا افتاد کار   در دلم زان عارض گلنار نار

بلبل صفتم میان گلزار تو زار   گردیده دلم ز چشم خون خوار تو خوار

اشتقاق و آن نیز از اقسام تجنیس است یعنی دو لفظ تقارب در ترکیب و حروف در شعر بیاید۔ مثالش این است۔

نوائے نہ دارد اگر عاشق تو — بود کار عاشق ہمیں بے نوائی

۱۸ ہیجدہم ایہام یعنی بہ گمان افگندن و آن چنان باشد کہ لفظے ذو معنیین بر کار دارند مثالش این است

زاہد بیا بہ میکدہ امشب مقام کن — یک بار خود زیارت بیت الحرام کن

آصف ملک و سلیمان جہان خواہد شد — ہر کہ چون من بہ جہان صاحب دیوان باشد

۱۹ نوزدہم توسیم و آن آن است کہ بنائے قافیہ بر حرفے گذارد کہ نام ممدوح یا آنچہ مقصود شاعر است از آن ظاہر شود۔ مثالش این است

جان من عید بر تو میمون باد — بر مراد تو چرخ گردون باد

چون غرض مبارک باد عید بود قافیہ بر لفظ میمون گذاشتہ شد۔ ایضاً بر نام ممدوح قافیہ گذاشتہ شد

جان و دل ما بود فدائے محمد — خلقت ما چون شد از برائے محمد

۲۰ بیستم تلمیح و آن چنان است کہ لفظ اندک بر معانی بسیار دلالت کند۔ مثالش این است

نیست دیوان مرا زیور تذہیب روا — سخن بندہ عروسے است کہ عریان باشد

چون نہ گردد بند مرغ دل درو — زلف او دام است و خالش دانہ

۲۱ بیست و یکم تنسیق الصفات و آن آن است کہ چند وصف مختلف پے ہم یک چیز را کنند۔ مثالش این است

ماہ روئے، سرو قدے، غنچہ لبو — کج نگاہے، زود رنجے، تند خو

و این از صنعت تمییز تفاوتے سہل دارد، بلکہ یکے است۔

بیت و دودم[۲۲] مطابقہ است یعنی مقابلہ چیزے است بہ مثل آن۔ مثالش
این است ۔

غم زدہ دل خاد نہ گردد اگر   تلخ کند شیرینیٔ عیش تو

درین جا غم و عیش و تلخ و شیرین متقابلان اند ۔

بیت و سوم[۲۳] تشبیہ یعنی چیزے را بہ چیزے مانند کردن ۔ مثالش این است ۔

اے جمالت شگفتہ چون گلزار   خرمی در رخت چو صبح بہار

شگفتگی جمال را بہ گل زار و خرمی رخ را بہ صبح بہار تشبیہ دادہ ۔

دور رخت حلقۂ خط سیاہ   ہالہ تو گوئی زدہ بر گرد ماہ

واقسام تشبیہ حصر نہ دارد۔ کما لا یخفی ۔

و معائب شعر نیز بسیار است ۔ قلیلے مناسب مقام مرقوم می گردد۔ اوّل
تخلیع[۱] آن است کہ بر بحور ثقیل و اوزانِ ناخوش شعر گوید ۔ چنان چہ یکے از قدما
گفتہ است ۔

اے بتِ من چرا ہمی سوزی مرا   پس ہر دمے می زنیم بے گنہ

وسخافت این کلام ظاہر است ۔ عدول[۲] از جادۂ صواب یعنی شاعر برائے
وزنِ شعر یا صحتِ قافیہ خطائے لفظی و معنوی جائز دارد بحکم "یجوز للشاعر ما لا
یجوز لغیرہٖ"۔ و این تمسکے قوی است لیکن دلیل عجز شاعر است ۔ معہذا این امور
در اشعارِ عرب جائز داشتہ اند نہ در کلام فرس ۔ زیادت[۳] کلام چنان چہ درین مصرع
گفتہ "نہ ہست اکنون و نہ باشد و نہ بودہ است ہرگیزا"؛ لفظ ہرگز است نہ کہ
ہرگیزا۔ حذف[۴] یعنی کم کردن حرفے برائے وزن شعر چنان چہ سعدی گفتہ

گر بہ تشریف قبولم بنوازی مُلکم   ور بہ تازانہ قہرم بزنی شیطانم

لفظ تازیانہ است ۔ تغیر[۵] الفاظ از منہج صواب چنان چہ درین بیت است ۔

شروع کیں۔ علی مردان خاں نے شاہ صفی کو اس صورت حال کی اطلاع دی۔ مگر توقع کے خلاف اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ خود اُسی کی طرف سے بدگمان ہو گیا اور سرِ دربار اُس کو سزا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ علی مردان خان کے طرف دار جو صفوی دربار میں موجود تھے، انھوں نے شاہی عتاب کی خبر اُس کو پہنچا دی۔ اپنی جان اور مال کو خطرے میں دیکھ کر علی مردان خاں نے قندھار کا قلعہ شاہ جہاں کے حوالے کر دیا اور خود اُس کی پناہ میں آ گیا۔ شاہ جہاں نے لاہور میں بڑی عزت کے ساتھ دربار میں بلایا اور بیش بہا خلعت خاصہ، طلا کار چارقب، کلغی، مرصع خنجر، مرصع تلوار، طلا کار پالکی عاج، دو گھوڑے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا، اور شش ہزاری منصب عطا کر کے کشمیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ شاہ جہاں کے جلوس کے بارھویں سال یعنی ۱۰۴۸ھ کا ہے۔ اس کے دوسرے سال ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب ملا اور کشمیر کے علاوہ لاہور کی صوبہ داری بھی عنایت ہوئی۔ تین سال بعد امیرالامرا کا خطاب پا کر کل شاہ جہانی منصب داروں سے بڑھ گیا۔ کوئی بیس سال تک علی مردان خاں کے تدبیر اور شجاعت سے بڑے بڑے کام بنتے رہے اور بڑی بڑی مہمیں سر ہوتی رہیں اور سرکار شاہی سے اُس پر انعام و اکرام، اعزاز و احترام کی بارش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۰۶۷ھ آ گیا۔ اسی سنہ میں علی مردان خاں نے اسہال کے مرض میں انتقال کیا اور اسی سال شاہ جہاں کو سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ گویا شاہ جہاں کے آفتابِ اقبال کا عروج و زوال علی مردان خاں کے ستارۂ حیات سے وابستہ تھا۔ علی مردان خاں کے خلوص و عقیدت، دانائی اور کاردانی نے شاہ جہاں کے دل میں ایسا گھر کر لیا تھا کہ وہ اُس کو 'یارِ وفادار' کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا۔ اُس کے انتقال کا بادشاہ کو بے حد صدمہ ہوا۔

علی مردان خاں کی دولت و ثروت اور ساز و سامان کی ایک مدت تک

اے میر بو محمد کہ ہمہ محمدت ہمی   از کنیت تو خیزد واز خاندان تو

ابو محمد را بو محمد گفتہ است ۔ واز جملہ متغیرات ہنیز بہ معنی ہنوز و غنویدن بہ معنی غنودن و شنویدن بجائے شنیدن و خفتیدن و خسپیدن بجائے خفتن وامثال، این بسیار است و العاقل یکفیہ الاشارہ ۔ مناقضہ تناقض در شعر است کہ معنی دوم مخالف و منافی حرف اوّل باشد ۔ چنان چہ درین شعر است

ہجران تو با مرگ برابر کنم ایراک   از مرگ بتر باشد ہجران تو دانی

در مصراع اوّل ہجران را با مرگ برابر کردہ و در ثانی از آن بدتر گفتہ ۔ و تضمین ہم معیوب است بہ این معنی کہ تمام معنی بیت اوّل بہ بیت دوم متعلق باشد ۔ مثالش این است

دل برے آتشین گل رخسار   بس کہ شمع ہر انجمن دیدم

ہمچو پروانہ ز آتش غیرت   چارۂ خویش سوختن دیدم

معنی بیت اول بدون بیت ثانی معلوم نہ می شود ۔ و تضمین بہ این معنی کہ مصرع یا بیت دیگرے را در کلام خود درج کند مذموم نیست بلکہ محمود است ۔ و خطائے معنوی نیز معیوب است یعنی در معنی شعر قبحے بہم رسد ۔ و آن را حصر نہ توان کرد ۔ ترکیبات ناخوش و آن نیز قبیح است ۔ چنان چہ درین شعر است

خرمن ز مرغ گرسنہ خالی کجا بود   ما مرغکان گرسنہ ایم و تو خرمنی

لفظ 'تو خرمنی' ممدوح را گفتن بہ غایت رکیک است، بجہت ترکیبے زشت کہ در کلام است ۔ و مبالغہ و غلو را ہم قبیح شمردہ اند ۔ چنان چہ درین بیت است ۔

بہ تیر از چشم نابینا سپیدہ پاک بردارد   کہ نہ دیدہ بیازارد نہ نابینا خبردارد ۔

اگر نظر بہ آن کنیم کہ 'احسن الشعر اکذبہ'، این چرا قبیح بود ۔ لیکن گفتہ اند و تفصیل مبالغہ و غلو مفصل بالا مرقوم شد ۔ و این قسم مبالغہ البتہ مذموم بود، بلکہ

کفر است - چنان چه انوری گفته

بزرگوارے کاندر کمال قدرت خویش   نه ایزد است و چو ایزد بزرگِ بے ہمتا

تجاوز اللہ عنه -   و آہلی شیرازی گفته - چون یوسف مصر غلامت باشد،

اہانتِ پیغمبر نمودن کفر است. بایستے چنین می گفت که تو یوسف عصرِ خودی یا از دکم نہ

درحسن - دیگر از عیوب شعر در اوّل قصیده و غزل و ابتدائے کلام الفاظ منحوسه متروکه

استعمال کردن است - چنان چه باین معنی بالا ایمائے شده و درین بیت ظاہر است

اثر خواجه نخواہم که بماند به جہان   خواجه خواہم که بماند به جہان کے اثرا

و این نہایت نا مستحسن است - و فقیر در صنائع شعر جمیع مثال ہا از خود

آورده، و در معائب کلام دیگران جمع کرده که مثال معیوب از خود گفتن لطفے نه داشت

و باید دانست که این قسم خطا ہا ہمه استادان مثل اوحد الدین انوری و افضل الدین

خاقانی و مصلح الدین سعدی و فردوسی و عنصری و رودکی و رشیدی و معزی و ثنائی

و غیرہم کرده اند و در اشعار ایشان این مقدمات ہست - چون لازم انسان سہو و

خطا است از چنین امور گزیر نیست، علی الخصوص در وقتے که لاعلاج باشد و جہت

وزن و قافیه التزام چنین امور کرده می شود - و اللہ الہادی -

بر ضمیر منیر نکته سنجان با فطانت و ذکا پوشیده نه ماند که باعث تصنیف

این کتاب آن بود که در عنفوانِ شباب حدّتے در مزاج و شوخیے در طبیعت به مرتبهٔ

تمام بود - معہذا گرفتاریِ دل و تعلّق به خوبانِ طاقت گسل علاوهٔ آن گردیده که اکثر

در وصفِ حُسنِ خوبان شعرے و غزلے طرح می شد - رفته رفته مجموعه گردیده -

و این ہیچ مدان ہرگز بدستور شعرائے دیگر سعی و فکر برائے مضمون نه کرده در غلبات

شوق آن چه به خاطر می رسید بے توقف تحریر می نمود - چنان چه اکثر در روزے صد و

بیست بیت و زیاده از آن که دماغ چاق می بود گفته می شد - و چون اکثر مطالعهٔ کتب

اشعارِ استادان می نمود، زینے کہ خوش می آمد و در آن فکر نظم می نمود۔ بعد مدتے به ترغیب یکے از رفقا به ترتیب آن متفرقات متوجه شده دیوان مرتب ساخت۔

و عجب دارم از صاحب کمالان که چرا به نظم حکایاتِ دروغ و اقاویل باطل پرداخته اند۔ چنان چه فردوسی در شاه نامه اکثر آنچه نوشت کذب و بهتان است۔ مثل قصۂ سیمرغ که نام را بسے بود که زال را پرورش داده۔ چه دروغ ها می نویسد که ہیچ ذوی العقولے انگشت قبول بر آن نه نهد۔ در جنگ اسفندیار می نویسد که چون رستم از جنگ اسفندیار روئین تن عاجز شد و مجروح گشت پرِ سیمرغ بر آتش نهاد۔ او آمده علاج جراحت رستم نمود و چوب ترے به او داد که تیر ساخته به آن اسفندیار را در چشم زده هلاک ساخت۔ و قس علی هذا۔ جنگ رستم و هفت خوان و کشتن دیو سفید و اکوان وغیره از قبیل این است۔

و نظامی در لیلیٰ مجنون پُر بهتانها و کذب ها یافته به آب و تاب تمام این قصه را نظم نموده۔ و جامی بدستور در قصۂ یوسف و زلیخا مبالغه ها و کذب با هم بافته۔ عزیز مصر که یکے از انبارداران حاکم مصر بود او را پادشاه گفته و چه قدر در شوکت خسروانۂ او مبالغه کرده۔ حاصل سخن آن که شاه نامه و سکندر نامه و لیلیٰ مجنون و خسرو شیرین و نل ودمن وغیرها اکثرش دروغ است۔ اگر یک راست باشد ده دیگر کذب است۔

عاقل را چه ضرور که اوقات به نظم اقاویل باطل صرف نماید و کلام خود را پیش عقلا بے قدر کند و جهال را به ضلالت افگند که ایشان این امور را صدق می شمرند۔ اگر حق تعالیٰ طبیعتے موزون بخشیده باشد چرا سخن هاے راست و حکایات صدق را نظم نه باید کرد که به دروغ باید پرداخت و کلام را بے رتبه باید ساخت۔ درین باب صاحب حملۂ حیدری مستثنیٰ است۔

دوم آن که بمدائح مردم نه پرداخته کرآن بوے گدائی می دہد۔ والحق قدما درین معنی لاعلاج بوده اند۔ زیراکہ شعر بہ فرمودۂ ملوک می گفتند یا در مدائح ایشان تا وسیلۂ تقرب گردد علیٰ کلا التقدیرین مدح ایشان لازم می شد۔ واین بے بضاعت ازین ہر دو شیوه بری بود۔ زیراکہ سواے باقی بودن اثرے غرضے و مطلبے نہ داشت۔ قابل مدح غیر ذات پادشاہِ حقیقی دیگرے نیست۔ یا مدح ائمۂ ہدیٰ کہ موجبِ ثواب و حسنہ است۔ مثل خود را براے غرض دنیوی ستودن عندالعقل مستحسن نیست۔ آرے ستودن خوبان و مبالغہ در وصف خط و خال ایشان موجب ذکاے طبع و پیش اہل دل جائز است، کہ اہل معنی و صاحبان سخن درآن لاعلاج اند واز سخن سازی چاره نہ دارند۔

درگلشن جان نوگل رنگین سخن است نخل رطب معنیِ شیرین سخن است
ہم تاج کنوز دولت و دین سخن است آخر سخنے کہ گفتہ اند این سخن است

"اللہ کنوز تحت العرش مفاتیحها السنة الشعراء"

در صدر خطبہ ذکر یافت کہ در کلام مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ مصراعہاے موزون یافتہ اند واز حضرت امیرالمومنین صلوٰة اللہ علیہ دیوانے در شعر موجود است وآنچہ گفتہ اند کہ در کلام مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ بلاقصد مصاریع موزون افتاده حرفے سست و بے نظم است۔ زیراکہ این جماعت در کلام الٰہی چہ خواہند گفت۔ حق تعالیٰ بدون قصد و اراده کارے نہ می کند۔ و سہو صدور از خیال از جناب او جل شانہ محال۔ پس بہ اراده خواہد بود وزن و نظم کلماتے کہ در قرآن موجود اند، مثل "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" "ولن تنالوا البر حتّیٰ تنفقوا" "نصر من اللہ وفتح قریب" "ویرزقہ من حیث لا یحتسب" "وللہ ما فی السمٰوات والارض" "ثم اقررتم وانتم تشهدون" "ثم انتم هؤلاء تقتلون"۔ پس ازین

معلوم شد که به اراده حق سبحانه وتعالی جل شانه قصد وزن نموده زیرا که غفلت در علم علیم حکیم قدیم متصور نیست۔ پس شعرا را رتبهٔ وحالتے غریب ازین جهت حاصل است۔ بلکه جمعے سلیقهٔ شعر را از لوازم نشأهٔ ولایت دانسته اند۔ وازین است که از ائمهٔ اثنا عشر سلام الله علیهم وصحابهٔ کبار وتابعین واکثر مجتهدین وعارفین وعلماے محققین واولیا واصفیا اشعار معروف ومشهور است ودر دیوان ها مسطور ودر السنه وافواه مذکور۔ ونشأهٔ آن بر اهل بصیرت وعرفان ظاهر است چنان چه قطب الاقطاب خواجه قطب الدین کاکی علیه الرحمه بر این بیت که

کشتگان خنجر تسلیم را — هر زمان از غیب جانے دیگر است

قالب تهی کرده وجان به جان آفرین سپرده۔

پس نشأهٔ این فن از عمدهٔ مراتب کمال است واز حالت تواجد این جماعت پیدا است۔ "فهم من فهم" وانچه در اخبار در ذم آن واقع شده شعر شعراے ایام جاهلیت است، که کلام ایشان باطل وغیر صواب بوده۔ وازین دین وآئین بهره نه داشته اند۔ پوشیده نماند که بعضے مقدمات درین خطبه به تکرار ذکر یافته۔ باعث آن بر صاحب بصیرت مخفی نه خواهد بود که در آن محل اظهار آن باعث فائده بوده۔

مخفی نماند که این رساله در ابتداے سن شباب چنان چه مذکور شد مرقوم شده بود۔ من جمله آن اشعار نیشے داشتم که موافق طبع خود پارهٔ انتخاب کرده بود۔ وازروے آن منتخب اکثر عزیزان نقول بر داشته بودند۔ وفقیر نظر به آن که رطب ویابس در کلام می باشد ارادهٔ نظر ثانی بر آن داشت۔ لیکن تا پانزده سال میسر نیامد که اشتغال دیگر در میان می بود۔ بعد انقضاے این مدت در سنه ۱۱۴۲ یک هزار ویک صد وچهل ودو ... هجری اتفاق افتاد۔ نظر ثانی به آن مجموعه کردم۔ قریب یک سال درین کار کشید۔ آنچه بعقل ناقص رسید، حتی المقدور حک واصلاح

دکم و زیاد کرد، تا این رسالۂ کلیات بدین تفصیل بر بیست و ہشت کتاب مرتب گردید ہے

۱۔ خطبہ، ۲۔ قصائد، ۳۔ قطعات، ۴۔ غزلیات، ۵۔ رباعیات۔ ۶۔ مستزاد، ۷۔ مخمسات، ۸۔ مربع ترکیب، ۹۔ ترکیبات، ۱۰۔ ترجیعات، ۱۱۔ مفردات، ۱۲۔ مراثی، ۱۳۔ بحر طویل، ۱۴۔ تسمیط، ۱۵۔ مثنویات بحر مثنوی مولوی روم، ۱۶۔ مثنویات بحر شاہنامۂ فردوسی، ۱۷۔ مثنویات بحر خسرو شیرین نظامی، ۱۸۔ مثنویات بحر لیلیٰ مجنون نظامی و جامی، ۱۹۔ مثنویات بحر حدیقۂ حکیم سنائی، ۲۰۔ مثنویات بحر مخزن اسرار نظامی، ۲۱۔ مثنویات بحر سبحۃ الابرار جامی، ۲۲۔ مثنویات بحرہائے مختلف سوائے ہفت بحر مشہور، ۲۳۔ لطائف، ۲۴۔ ہجویات، ۲۵۔ غزلیات ریختہ، ۲۶۔ مثنویات ریختہ، ۲۷۔ ملمعات، ۲۸۔ خاتمہ۔ و اکثر صنائع شعریہ در خطبہ تحریر یافتہ۔ اگر در عبارات نسخ تناقضے و اختلافے ظاہر شود از ین جہت باید دانست، و معتبر ہمین است کہ در نظر ثانی بحال ماندہ۔

چو شد مرقوم نظم دل فریبم ۔۔۔ نظر کردم بہ ہر حرفش سراپا
ز سر تا پا بہ اصلاح اندر آمد ۔۔۔ کہ تا نبود در آن یک حرف بے جا
برائے ہدیۂ ارباب معنی ۔۔۔ بود این نسخۂ مرغوب زیبا
شود آئینۂ اصحاب بینش ۔۔۔ برد زنگ ملال از روئے دل ہا
کند روشن دلان را زندہ ہر دم ۔۔۔ بود جان بخش چون حرف مسیحا
شگفتہ ہم چو گل گردد از آن دل ۔۔۔ نگہ در وے کند چون مرد بینا
طرب خیز است ہر بحر از زمینش ۔۔۔ ہمہ اقسام شعرش روح افزا
سخن از خوبی او قاصر آمد ۔۔۔ نہ گنجد در سبو بے شبہ دریا
طلب کردم ز دل تاریخ ختمش ۔۔۔ بگفتا در رجوع ہم کاسۂ معلّا

در آن دم کو مرتب گشت چون گل

هزار و یک صد و چل بد دو بالا ۱۱۴۲ھ

امید از ناظران آن که سهو را اصلاح نموده از نکته گیری چشم بپوشند و بہ سخن مرغوب اکتفا نموده از غیر مرغوب درگذرند۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست ۔ در ید بیضا ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

بر عیبم اگر نظر کنی نبود خوب ۔ اصلاح معائب از تو دارم مطلوب

عیب تو بود گر کنی از عیبم فاش ۔ معیوبم اگر من تو نہ باشی معیوب

وقد وفقت باتمام هذه الافکار الابکار الدقیق علی وجہ التدقیق والتحقیق حامداً لمن هو المتعالی عن الردیف والمثل القافیہ والشقیق ومصلیاً علی مطلع نظم دیوان النبوۃ ومقطع کلیات الرسالۃ صلوٰۃ دائمۃ کافیۃ وافیۃ مبارکۃ وعلی ردیفہ وابن عمہ ووصیہ وآلہ وعترتہ وعلی احبابہ وصحبہ وتبعہ یا ایها الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا علیہم تسلیماً کثیرا۔

دیوانِ فائز

غزلیات

تجھ سا نہیں زلف و خط پری کا　　یہ ناز ہے سحر سامری کا
کرناں کا بنا ہے نور رخ سوں　　چیرا ہے جو سر پہ تجھ زری کا
ہنس ہنس جو مجھے نظر کرے تو　　ہے طور غریب پروری کا
ای چاند تجھ آگے غرقِ خجلت　　ہر شام ہے مہر خاوری کا[1]
دوری نہ کرو ہمن سے اس حد　　دل محو تماری دلبری کا
تجھ قند کوں نقل کرے تمنا
فائز کو خیال برتری کا

مجھ پاس کبھی وہ قدِ شمشاد نہ آیا　　اس گھر منے وہ دل بر استاد نہ آیا
گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخنِ دوزخ　　جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا
سانجھ آئی و یو دن بی (بھی) ہوا فکر میں آخر　　وہ دل بر جادو گرِ صیاد نہ آیا
آیا نہ ہمن پاس کیا وعدہ خلافی
فائز کا کچھ احوال اگر یاد نہ آیا

۱؎ مہر خاوری کا = "مہرِ خاوری" کی فارسی ترکیب کا ترجمہ ہے۔ کا یہاں اضافت توصیفی ہے۔ اردو میں حرف اضافت کا یہ استعمال اب متروک ہے۔

ای خوب رو فرشتہ بسیر انجمن میں آ　　سروِ روانِ حسن ہمارے چمن میں آ

موتھ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو　　خنداں ہو کر کے گُل کی صفت ٹک سخن[51] میں آ

عشاق جاں بکف کھڑے ہیں تیرے آس پاس　　ای دلربائے غارتِ جاں اپنے فن[52] میں آ

دوری نہ کر کنار سوں میری تو ای ہما　　کب لگ رہے گا دور، ٹک اپنے وطن میں آ

تیرے لاپ بن نہیں فائز کے دل کو چین
جیوں روح ہو بسا ہی تو اس کے بدن میں آ

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہی سراپا　　انداز دلبری میں اعجاز ہی سراپا

پل پل ہنک کے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کے　　وہ شوخ چھل چھبیلا طنّاز ہی سراپا

ترچھی نگاہ کرنا کترا کے[53] بات سننا　　مجلس میں عاشقوں کی انداز ہی سراپا

نینوں میں اس کی جادو، زلفاں میں اس کی پھاندا　　دل کے شکار میں وہ شہباز ہی سراپا

غمزہ، نگہ، تغافل، انکھیاں سیاہ چنچل　　یا رب نظر نہ لاگے انداز ہی سراپا

اس کے خرام اوپر طاؤس مست ہی گا　　وہ میر دل رُبائی طنّاز ہی سراپا

کشتِ امید کرتا سرسبز سبزۂ خط　　انجام حسن اس کا آغاز ہی سراپا

دقتِ نظارہ فائز دلدار کا یہی ہے
بستر[54] نہیں بدن پر تن باز[55] ہی سراپا

---

۵۱ سخن میں آ = باتیں کر۔

۵۲ اپنے فن میں آ = اپنا ہنر دکھا = اپنا کام کر۔

۵۳ کترا کے = بیگانہ بن کے، بیگانہ وار ۵۴ بستر = لباس

۵۵ باز = کھلا ہوا۔

فہرستِ ماخذ

اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں نواب صدرالدین محمد خاں بہادر فائز کی ایک مطبوعہ اور انیس۱۹ غیر مطبوعہ کم یاب تصنیفوں کے علاوہ ذیل کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

۱۔ عالم گیر نامہ از منشی محمد کاظم
۲۔ مآثر عالم گیری از مستعد خاں
۳۔ مآثر الامرا از شاہ نواز خاں
۴۔ تاریخ کشمیر اعظمی از خواجہ محمد اعظم شاہ
۵۔ گل زار کشمیر از دیوان کرپا رام
۶۔ مخزن التواریخ ترجمہ زبدۃ التواریخ از حکیم جواہر لعل اکبر آبادی
۷۔ مفتاح التواریخ از ٹامس ولیم بیل
۸۔ جامع التواریخ از قاضی فقیر محمد فتح پوری
۹۔ تاریخ مظفری از محمد علی خاں انصاری (قلمی)
۱۰۔ کتاب فارسی جس کا مؤلف صمصام الدولہ کے خاندان سے تھا (قلمی)
۱۱۔ خزانۃ الخیال از حکیم الممالک مومن علی خاں شیرازی (قلمی)
۱۲۔ مرآۃ الاسرار از شاہ محمد صدرالدین میسوری (قلمی)
۱۳۔ جامع التمثیل از محمد علی جبل رودی (قلمی)
۱۴۔ مجموعہ رقعات شیخ علی حزیں (قلمی)
۱۵۔ خزانۂ عامرہ از آزاد بلگرامی
۱۶۔ انیس العاشقین از کنور رتن سنگھ زخمی لکھنوی (قلمی)
۱۷۔ صبحِ گلشن از نواب سید علی حسن خاں
۱۸۔ تذکرۂ ہندی از شیخ مصحفی
۱۹۔ طبقات شعرائے ہند از منشی کریم الدین۔
۲۰۔ آبِ حیات از آزاد دہلوی
۲۱۔ مثنوی باسطی از بندہ علی باسطی مرید خواجہ باسط دہلوی (قلمی)
۲۲۔ مجموعۂ نظم فارسی مملوکۂ زہرۃ النساء بنت نواب زبردست خاں

ہندوستان بھر میں بڑی شہرت رہی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُس نے بادشاہ کی دعوت کے موقع پر سَو سینیاں مع سرپوش سونے کی اور تین سو سینیاں چاندی کی دسترخوان پر رکھی تھیں۔ انتقال کے وقت جو اثاثہ اُس نے چھوڑا تھا اُس کی مالیت کا تخمینہ ایک کرور روپیہ کیا گیا تھا۔

علی مردان خاں کے ۵ بیٹے | علی مردان خاں کے چار بیٹے ہندوستان میں موجود تھے، ابراہیم بیگ، اسماعیل بیگ، اسحاق بیگ اور عبداللہ بیگ۔ ابراہیم سب سے بڑا بیٹا تھا اور باپ کی زندگی میں منصب اور خانی کا خطاب پا چکا تھا۔ علی مردان خاں کے انتقال کے بعد شاہ جہاں نے ابراہیم خاں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اُس کے منصب میں اضافہ کر کے چار ہزاری سہ ہزار سوار کر دیا۔ اور علی مردان خاں نے جو نقد و جنس ایک کرور کا اثاثہ چھوڑا تھا اس میں سے آدھا ابراہیم خاں کو عطا کیا اور آدھا شاہی خزانے میں داخل کر دیا۔

ابراہیم خاں کا بھائی عبداللہ بیگ بھی ایک اچھے منصب پر تھا۔ باپ کے مرنے پر سرکار شاہ جہانی سے دو ہزاری پانصدی ہزار و پانصد سوار کا منصب عطا ہوا۔ اسماعیل بیگ اور اسحاق بیگ کو بھی ہزار و پانصدی ہشت صد سوار کا منصب مرحمت ہوا۔ شاہ جہاں کی معزولی کے بعد اُس کے بیٹوں میں تخت و تاج کے لیے جو جنگیں ہوئیں اُن میں یہ چاروں بھائی دارا شکوہ کی طرف تھے۔ سموگڑھ کا سخت معرکہ جس میں دارا شکوہ نے شکست کھائی، اُس میں ابراہیم خاں اور اس کے بھائی اسماعیل بیگ اور اسحاق بیگ بھی شریک تھے۔ وہ دونوں تو اس جنگ میں مارے گئے اور ابراہیم خاں نے شاہزادہ مراد بخش کی رفاقت اختیار کر لی۔ جب عالمگیر تختِ سلطنت پر متمکن ہو گیا تو اُس نے ابراہیم خاں اور اُس کے بھائی عبداللہ بیگ کو اپنی ملازمت کا شرف بخشا اور خلعت، انعام اور اضافۂ منصب

چودھواں اس چندر کا سال ہوا　　حُسن میں بدر باکمال ہوا
تجھ سا چنچل نہیں زمانے میں　　رم میں اے من ہرن غزال ہوا
باغ دل میں تو نخلِ طوبیٰ ہو　　سرو تجھ قد سے پائمال ہوا
رات دن تو رہے رقیباں سنگ　　دیکھنا تیرا مجھ محال ہوا
دیکھ کر تجھ نین کی شوخی کوں　　تھک کے صحرانشیں غزال ہوا
مُرغِ دل کے پھنسانے کو میرے　　دانہ و دام زلف و خال ہوا
زلف کی ہر شکن میں تجھ میرا
دل گرفتار بال بال ہوا

دلبر کہ جہاں میں بے قریں[1] تھا　　ہم ساتھ کبھی تو ہم نشیں تھا
اس شہر میں ویسا اور ناہیں　　سر دفترِ دلبرانِ چیں[2] تھا
اوروں سے ہمیشہ تھا ملنسار　　ہم سوں تو مدام خشمگیں تھا
خط بالہ کیا چندر پہ اس کے　　جو حسن و بہار تھا وہیں تھا
میں بہت سہا ستم سجن کا
فائزؔ کہوں کیا کہ نازنیں تھا

پیچ بھایا مجھ کو تجھ دستار کا　　بند ہی[4] دل طرۂ[3] زرتار کا
جی پھنسا ہی جا کے اُس[5] زلفوں کے بیچ　　دل شہید اُس[5] نرگس بیمار کا

---

[1] بے قریں = بے مثل۔ جس کا سا کوئی نہ ہو
[2] دلبرانِ چیں = پرانے زمانے میں چین کے باشندے حسین سمجھے جاتے تھے۔
[3] طرّہ = پگڑی کا لٹکا ہوا سرا۔ [4] ہی = ہے [5] اُس = اس کی۔

پیچ[۵۱] میں ہوں تیرے ڈھیلے پیچ سوں — محو ہوں اِس (چہرۂ) زرتار کا
تجھ کو ہی ہم سے جدائی آرزو — میرے دل میں شوق ہے دیدار کا

کیوں نہ باندھے[۵۲] دل کو فائزؔ زلف سوں
شوق ہے کافر کے تیں زنّار کا

دل گرفتار ہے مرا (موہن) کا — ہے غنیمت درس سریجن کا
کب اٹھاؤں نظر بڑھاپے میں — ہوں جو تیرا میں یار بل پن[۵۳] کا
ناز تیرا کہاں اٹھاوے رقیب — مجھ سا ماہر نہیں وُہ اس فن کا
سرد کر ڈالا شہر دہلی میں — تیرے مکھ نے رواج درپن کا
تیرے چاہ زنخ[۵۴] میں مجھ دل کو — یاد آتا ہے قصہ بیژن[۵۵] کا
چھیدتی سب کے دل کوں جیوں بادام — کرتی مجھ پلک کام سوزن کا

شہر دلّی میں ثانی اب ناہیں
فائزؔ اس دل ربا سریجن کا

(ریختہ کہ تضمین شدہ)

محو ہوں درپن سا تجھ پر اے حبیب — شاکیاً عَنْ قِسْمَتِی مِمَّا اُصِیب

---

۵۱ پیچ = پریشانی، حیرانی۔ ۵۲ دل باندھنا = دل لگانا۔
۵۳ بل پن = بال پن۔ بچپن۔ ۵۴ چاہ زنخ = ٹھڈی کا گڑھا۔
۵۵ بیژن = ایران قدیم کا ایک پہلوان جو افراسیاب بادشاہ توران کی بیٹی منیژہ کے عشق کے جرم میں بادشاہ کے حکم سے زنجیروں میں جکڑ کر ایک اندھے کنوئیں میں قید کر دیا گیا تھا۔

تیرے غم میں نین سے بہتا ہی جل — فِی الْبُکَاءِ تَیْنَ نَایُحًا کَالْعَنْدَلِیْب
عاشق مسکین کا جی ہی حزیں — یَخْرُجُ اِنْ لَمْ تَرْحَمُوْنِیْ عَنْ قَرِیْب
تجھ بنا ہرگز نہیں ہی دل کو چین — لَا اَرٰی شَیْئًا بِہٖ قَلْبِیْ لَطِیْف
عاشقاں کا دل ہوا ہی چھید چھید — دَائِمُ الْمَجْرُوْحِ مِنْ طَعْنِ الرَّقِیْب
عشق سے تیرے ہوا جس کو مرض — لَا یُدَاوِیْ عِنْدَ ہَجْرِکَ الطَّبِیْب
شاعرِ رنگیں نہیں ہی مجھ سا اور — قُلْتُ شِعْرًا رَائِقًا فِکْرًا عَجِیْب

فائزِ شیدا خدا کے فضل سوں
مُسْتَفِیْدًا عَنْ وِصَالِکْ عَنْ قَرِیْب

جان! ایّام[۵۱] دلبری ہی یاد — سیرِ گل زار و مے خوری ہی یاد
دیکھتا نہیں سورج کوں نظراں بھر — جس کوں تجھ جامۂ زری ہی یاد
خوب پھولی تھی باغ میں نرگس — گُلِ صد برگ و جعفری ہی یاد
وہ چراغاں و چاندنی کی رات — سیر ہت پھول و پھلجھڑی ہی یاد
وہ تماشا و کھیل ہولی کا — سب کے تن رختِ کیسری ہی یاد
ہو دِوانا نہ جنگل میں کیوں نہ پھرے — جس کو وہ سایۂ پری ہی یاد
ای سیہ مست میری انکھیوں کی — لال بادل کی تجھ جھری ہی یاد؟

جب تمن پاس فائز آیا تھا
بات کہنا بی سرسری ہی یاد

---

۵۱ ایّام: یہاں واحد کے طور پر استعمال کیا گیا ہی اور اس کے معنی ہیں 'زمانہ'۔

ابرو نے ترے کھینچی کماں جور وجفا پر — قرباں کروں سو جیو ترے تیرِ ادا پر
یاقوت کو لاوے نہیں خاطر[۵۱] میں کبھی وہ — جس کی نظر اے یار پڑے تیری حنا پر
کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو — کیا زیب دیوے تسمہ[۵۲] تری سبز قبا پر
مت ہو سجن آوارہ بیابان جفا کا — کر ٹک کبھی اے شوخ گذر کوے وفا پر

تجھ دام میں اے آہوے چیں بند ہو فائزؔ
ہرگز نہیں اوس طائرِ اندیشہ خطا پر

ایک پل جا نہ کہوں نین سوں اے نورِ بصر — ٹک نہ ہو اس دلِ تاریک سوں اے مہ بدر
تیری اس صبح بنا گوش و خطِ مشکیں سوں — سیر کرتا ہوں عجب شام و سحر شام سحر
جل کے میں سرمہ ہوا بلکہ ہوا کاجل بھی — خانۂ چشم میں تجھ پاؤں جو ٹک راہ مگر

---

۵۱ خاطر میں نہ لانا: توجہ نہ کرنا، قدر نہ کرنا، بات نہ پوچھنا۔

۵۲ تسمہ (دیکھو فرہنگ) اس لفظ کا تلفظ بِسمہ اور وَسمہ بھی ملتا ہے۔ فائزؔ نے ایک فارسی مثنوی میں کہا ہے:-

باسمہ کاریِ جبیں نکو — کز نظر شیفتہ گردد براد

اور اپنے ایک خط میں یہ فقرہ لکھا ہے "جامۂ باسمۂ پُر کار"

فرہنگ آصفیہ میں لفظ وَسمہ کے یہ معنی بتائے گئے ہیں: "ایک قسم کا چھپا ہوا کپڑا جو چاندی کے ورقوں اور چونے کی لاگ سے چھاپا جاتا ہے۔"

شاہ نصیر دہلوی کا ایک شعر ہے:-

اودی بِسمے کی نہیں تیرے رضائی سر پر
مہ جبیں رات یہ تاروں بھری آئی سر پر

جو لوگ کپڑوں پر بسمہ کرتے تھے وہ "بسمہ چی" کہلاتے تھے۔

راہ داراں[۵۱] لیویں ہر گام میں جیو کا حاصل   ہو گا اس راہ میں اے عمرِ ابد جاں کا خطر
قبلے سوں منہ پھرایا ترے مکھ کی جانب   کیا زاہد نے کمے سوں سوے بت خانہ سفر
چاند سورج کی رکھ عینک کوں سدا پیرِ فلک   خم ہو کرتا ہے نظر تا کہ دیکھے تیری کمر

گل ترے مکھ کی فکر میں بیمار   جیو بلبل کا تجھ قدم پہ نثار
گل کوں اے شوخ مکھ تنک دکھلا   کہ خزاں کر دکھاوے اس کوں بہار
مست کے دل کوں ہے حذر لازم   نین تیرے بہت ہوے سرشار
اِس گلی میں قدم کرم سوں دھر   کہ کروں ہر قدم پہ جیو نثار
مارتی مجھ کوں اے کماں ابرو   یہ پلک تیر و یہ نگہ تلوار
ہجر میں تیرے آہ کرتا ہے   دلِ عاشق نہیں ہے تک بے کار
کیا کرے تجھ سے پایٔی سوں فائزؔ
سینہ غم سوں ہے تیرے آبلہ دار

مجھ پر اے نازنیں جفا مت کر   مبتلاے غم و بلا مت کر
کون بے درد نے سکھایا تجھ   کہ مرے درد کی دوا مت کر
سیر دن کا تجھے مناسب ہے کہ   کسی کے[۵۲] رات کو رہا مت کر
صید دامِ بلا ہے عاشقِ زار   بسملِ خنجرِ جفا مت کر

---

[۵۱] راہ دار = گزر بان، راستے کا محافظ۔ راستے کا محصول لینے والا۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں اس راہ سے راہِ عشق کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے راہ دار سے یہاں راہ عشق کا راہ دار مراد ہے یعنی معشوق۔

[۵۲] کسی کے = کسی کے یہاں۔ کسی کے گھر میں۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

. . . . . کوں راستی کی قسم   مجھ سوں ای سرو قد دغا مت کر

ایک جلوے سوں ای بلا بالا[1]   صد بلا بیچ مبتلا مت کر

جھوٹ کہنا کسی کو خوب نہیں

فائز زار سوں دغا مت کر

وحشت ای آہوے حرم مت کر   رام ہو زائراں سوں رم مت کر

مجھ وفا پیشہ جفا کش پر   اپنا ای بے وفا ستم مت کر

مت رقیباں کی دھر گلی میں قدم   مجھ پہ اب ظلم ہر قدم مت کر

ایک دم بھر کر ہمن حق میں   خون ناحق تو دم بدم مت کر

سخت کافر ہی وہ ادھری آہ   جن سکھایا تجھے کرم مت کر

لطف اپنا مدام عاشق پر   عمر تیری دراز، کم مت کر

گرد تیرے کھڑے ہیں سب عاشق   بات ہر اک سوں اے صنم مت کر

یہ نصیحت بڑی ہی فائز کی

عاشقاں پر عبث ستم مت کر

اے کان ملاحت ٹک ادھر آکے گذر کر   دل خستہ بیمار پر اب ایک نظر کر

ای باد صبا اس گل خنداں ستی جا کر   دل تنگی عشاق کی سب آج خبر کر

اپنا نہ جلا دل کو غریباں کے جفا سوں   کچھ آہ دل خستہ رنداں سوں حذر کر

فائز ترے نظارے اوپر محو ہوا ہی   ہر پل میں تو ای غنچہ دہن رنگ دگر کر

---

[1] بلا بالا = جس کا قد ایک بلا ہو۔

گفتم کہ مکھ[۵۱] ترا کیا گفتا[۵۲] سورج سوں بہتر | گفتم کہ کان کا دُر گفتا کہ بہ ز اختر

گفتم دہان و رویت گفتا کہ غنچہ و گل | گفتم کپول کا خال گفتا کہ قرص عنبر

گفتم کہ چشم جادو گفتا کہ دونوں کھنجن | گفتم دھڑی لباں کی گفت از عقیق بہتر

گفتم کپول تیرے گفتا کہ برگ لالہ | گفتم کہ بوسہ تجھ لب گفتا کہ بہ ز شکر

گفتم کہ بھونہہ تیری گفتا ہلال دونوں | گفتم کہ زلف تیری گفتا کہ سنبل تر

گفتم گدا ہوں تیرا گفتا یہی مناسب | گفتم اسیر تجھ کوں گفتا تمام کشور

گفتم کہ قد تمھارا گفتا کہ سرو طنّاز | گفتم کہ دل ترا کیا گفتا کہ سخت پتھر

گفتم ادا و غمزہ گفتا بلائے جاں ہا | گفتم عتاب و قہرت گفتا کہ ہول محشر

گفتم کہ فائدہ آیا گفتا کہ خیر مقدم

گفتم کجاست جایش گفتا کہ بر سر رہ

بت پرستی نہ کر خدا کی قسم | توڑ زنّار مصطفےٰ کی قسم

موم دل مومناں سے سخت نہ ہو | موم ہو موم مرتضےٰ کی قسم

رم نہ کر جیوں ہرن محباں سوں | رام ہو رام تجھ خدا کی قسم

غصہ بے جا نہ کر غریباں پر | شیر حق شاہِ اولیا کی قسم

جھوٹے باچن[۵۳] نہ کر اتیتاں سوں | تجھ کوں اس خاک کربلا کی قسم

سینہ صافاں کوں نت ہے تیرا خیال | تیرے رخسارے کی صفا کی قسم

---

۵۱ گفتم = میں نے کہا

۵۲ گفتا = گفت، اس نے کہا۔ الف زائد ہے۔

۵۳ باچن = بچن۔ باتیں۔

مجھ کو نِکیاں نہ کر رقیباں سوں — میں فدائی ہوں تیرے پا کی قسم
من میں بن تیرے یاد کچھ ناہیں — یتیم شوخ پُر جفا کی قسم
آ گلے لاگ میرے اب ساجن — صاحب[۵۱] الارض والسما کی قسم
تیرا فائز غلام با اخلاص
جھوٹ ناہیں ہے تیرے پا کی قسم

ہر آشنا سے اُس بن بیگانہ ہو رہا ہوں — مجلس میں شمع رو کی پروانہ ہو رہا ہوں
مجھ کو ملامت خلق خاطر میں ناہیں ہرگز — زلفاں کی فکر میں میں دیوانہ ہو رہا ہوں
ساقی شراب و ساغر اب چاہتا نہیں ہوں — اس کے خیال سوں میں مستانہ ہو رہا ہوں
اس کے خیال سوں میں تنہا نشیں ہوں دائم — وحشی سا میں سبن سوں بیگانہ ہو رہا ہوں
دیکھ اس کی لٹ کا پھاندا بھولا ہوں آب و دانہ
فائز اسیر اس کا بے دانہ ہو رہا ہوں

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کوں غم نہیں — حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں
اس ساتھ مہ رخاں کو نہیں کچھ برابری — یوسف سے یہ نگارِ پری زاد کم نہیں
خوش صورتاں سے کیا کروں ہر آشنائی اب — مجھ کو تو اِن دنوں میں میسر درم نہیں
دل باندھتے[۵۲] نہیں ہیں ہمارے ملاپ پر — مہ طلعتاں میں مجھ کو تو اب کچھ بھرم نہیں
ملتے ہو سب کے جا کے گھر اور ہم سوں ہو کنار — کچھ ہم تو ان چکوروں سے ای ماہ کم نہیں
ظاہر کے دوست آتے نہیں کام وقت پر — تلوار کاٹ کیا کرے جس کو جو دم نہیں

---

۵۱ صاحب الارض والسما = زمین اور آسمان کا مالک۔ خدا۔
۵۲ دل باندھنا = دل پر رکھنا، پکا ارادہ کرنا، دل سے کوشش کرنا۔

سب خون خلق کھاتے ہیں یہ خانماں خراب
اس لقمۂ حرام میں جاں گیر سم نہیں

حاجت نہیں سجن کو مرے جا مرگ زری
گھنگرو کی احتیاج بہ صید حرم نہیں

دل گنج بخش و کیسۂ خالی ہے مجھ سجن
تم یہ نہ بوجھیو کہ ہمن کو کرم نہیں

فائز کو بھایا مصرعِ یک رنگ[۵۱] اے سجن
"گر تم[۵۲] ملوگے اُن ستی دیکھو گے ہم نہیں"

تجھ سینے بیچ مہر و وفا کوں اثر نہیں
کچھ قتل بے گناہ سوں تجھ کو حذر نہیں

تجھ کو غرور زیادہ سجن اس سبب ہے
جو دلبراں میں تجھ سا کوئی موکمر نہیں

پھرتا ہوں ڈھونڈتا تجھے اے ماہ گھر بہ گھر
مجھ سا تجھ عشق بیچ کوئی در بدر نہیں

دیکھا ہوں زلف و رخ کو ترے جب ستی سجن
مجھ کو قرار تب ستی شام و سحر نہیں

تجھ عشق بیچ فائز شیدا خراب ہے
احوال عاشقوں سے تجھے کچھ خبر نہیں

جب سجیلے خرام کرتے ہیں
ہر طرف قتلِ عام کرتے ہیں

مکھ دکھا چھب بنا لباس سنوار
عاشقوں کو غلام کرتے ہیں

یہ چکورے ہیں اس سریجن سوں
رات دن اپنا کام کرتے ہیں

یار کو عاشقانِ صاحب فن
ایک دیکھے میں رام کرتے ہیں

گردش چشم سوں سریجن سب
بزم میں کارِ جام کرتے ہیں

یہ نہیں نیک طور خوباں کے
آشنائی کو عام کرتے ہیں

---

۵۱ یک رنگ = غلام مصطفےٰ خاں یک رنگ۔

۵۲ یک رنگ کی اس غزل کا مطلع اور مقطع اسی کتاب کے صفحہ ۸۰ میں دیکھیے ۔

سے سرفراز کیا۔ شجاع کی جنگ اور داراشکوہ کی دوسری جنگ میں عبداللہ بیگ عالم گیر کے ساتھ تھا۔ بادشاہ کی سرکار سے اُس کو "گنج علی خاں" کا خطاب ملا اور جلوس عالم گیر کے نویں سال اس کو سہ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

علی مردان خاں کا ایک بیٹا محمد علی بیگ جلوس عالم گیر کے چودھویں سال ۱۰۸۲ھ میں ایران سے آکر دربار شاہی میں باریاب ہوا اور اُس کو خلعت، شمشیر، مرصع خنجر، موتیوں کا مالا اور دس ہزار روپے نقد مرحمت ہوئے۔ پھر اُسی سال اُس کو دو ہزاری دو ہزار سوار کا منصب، علی قلی خاں کا خطاب، علم، نقارہ اور تیس ہزار طلائی اور نقرئی سکّے عنایت ہوئے۔

ابراہیم خاں ابراہیم خاں نے عالم گیر کے عہد میں بہت ترقی کی۔ اس بادشاہ نے اپنے جلوس کے دوسرے سال اُس کو پنج ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب دے کر کشمیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اُس کے بعد لاہور، بہار، بنگال، الہ آباد، کشمیر اور احمد آباد گجرات کی صوبہ داری پر وقتاً فوقتاً اُس کا تقرر ہوتا رہا۔ جلوس عالم گیر کے انچاسویں سال اُس کے منصب میں اضافہ ہوا اور وہ شش ہزاری شش ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اُس نے دو تین مرتبہ ترک ملازمت کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور ہر مرتبہ سرکار عالم گیری سے اُس کا بیش قرار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ ایک مرتبہ کی گوشہ نشینی کے متعلق تصریح کے ساتھ معلوم ہے کہ ساٹھ ہزار روپے سالانہ اُس کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ عالم گیر کے بعد جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو شاہ زادہ عظیم الشان نے ایک پرانی ناراضی کی بنا پر ابراہیم خاں سے مواخذہ کرنا چاہا۔ مگر خان خانان نے ابراہیم خاں کے خاندانی وقار اور ذاتی اعزاز کا خیال کر کے بادشاہ سے سفارش کی اور بادشاہ نے اُس کو "علی مردان خاں" کا خطاب اور کابل کی صوبہ داری عطا کی۔ ابراہیم خاں پشاور پہنچ گیا۔ مگر بڈھا منصب دار صوبے کا بندوبست جیسا چاہیے تھا نہ کر سکا اس لیے

جی کو کرتے ہیں عاشقاں تسلیم — جب وہ ہنس کر سلام کرتے ہیں
مُرغِ دل کے شکار کرنے کوں — زلف و کاکل دام کرتے ہیں
شوخ میلا نتاں میں جب جاوے — اُس کو اپنا امام کرتے ہیں
خوب رو آشنا ہیں فائز کے
دل سبی رام رام[۵۱] کرتے ہیں

مستمنداں کو ستایا نہ کرو — بات کو ہم سے دُرایا نہ کرو
دل شکنجے[۵۲] میں نہ ڈالو میرا — زلف کو گوندھ بنایا نہ کرو
حسن بے ساختہ بھاتا ہے مجھے — سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو
عاشق ار عرض کرے حال اپنا — گردشِ چشم دکھایا نہ کرو
تم سے مجھ دل کو بہت ہے امید — مجھ سے مسکیں کو کڑھایا نہ کرو
موں کو خوب رکھو گھونگھٹ میں — جلوۂ عام دکھایا نہ کرو
بیدلاں سوں نہ پھراو مکھڑا — ہم سے تم آنکھ چُرایا نہ کرو
مخلص اپنے کو نہ مارو ناحق — حقِ اخلاص بھلایا نہ کرو
عشق میں فائزِ شیدا ممتاز
اس کوں سب ساتھ ملایا نہ کرو

---

۵۱ رام رام کرنا = سلام کرنا، توبہ توبہ کرنا، نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنا یہ ہندوؤں کی زبان ہے۔

۵۲ شکنجے میں ڈالنا = سخت تکلیف دینا، شکنجہ، مجرموں کو سزا دینے کی ایک کل تھی جس میں ان کی ٹانگیں کس دی جاتی تھیں۔

بے سبب ہم سے جدائی نہ کرو　　مجھ سے عاشق سے برائی نہ کرو
خاکساراں کوں نہ کرے پامال　　جگ میں فرعوں سی خدائی نہ کرو
بے گناہاں کوں نہ کرڈالو قتل　　آہ کوں تیر ہوائی[۵۱] نہ کرو[۵۲]
ایک دل تم سے نہیں ہے راضی　　جگ میں ہر ایک سوں برائی نہ کرو
محو ہے فائزؔ شیدا تم پر
اس سے ہر لحظہ بکھائی نہ کرو

اے یار نصیحت کو اگر گوش کرے تو　　یہ طور و طریق اپنے فراموش کرے تو
دیوانے سیانے ہوویں[۵۳] سب دیکھ تجھ انکھیاں　　ایک چشم کی گردش ستی بے ہوش کرے تو
اے سرو چھپاں آوے اگر میری بغل میں　　جنت کا چمن خانہ آغوش کرے تو
حوراں نہ کریں خلد کے گلبن کا نظارا　　جب سیم بدن اپنے کوں پوش کرے تو
اس فائزؔ بےچارے کی تب قدر پچھانے
اک جام محبت کا اگر نوش کرے تو

یار میرا میانِ گلشن ہے　　غرق خوں پھول تا بدامن ہے
دل لبھاتا ہے سب کا وہ ساجن　　دل فریبی میں اس کو کیا فن ہے
تارے جیوں[۵۴] درہے جس کے حلقہ بگوش　　وو بنا گوش صبح روشن ہے

---

۵۱ تیر ہوائی = وہ تیر جو بغیر نشانہ معیّن کیے ہوئے پھینکا جائے۔

۵۲ نہ کرو = نہ سمجھو۔ نہ خیال کرو

۵۳ دیوانے سیانے ہوویں۔ جو سیانے ہیں وہ دیوانے ہو جائیں۔

۵۴ تارے جیوں = تارے کا سا۔

اُس تطارے سے سب شہید ہوے   وو نین کیا بلا ہے رہزن ہی

کیا بیاں کر سکوں میں گت اُس کی
فائز آت خوش ادا ستر بجن ہی

منہ بچپول سے رنگیں تھا و ساری تھی اُس ہری[۵۱]   کھترانی ایک دیکھی میں پنگھٹ پہ جیوں پری
پیبری ہیں اس کی اُرسبی[۵۲] رمبھا[۵۳] و رادھکا[۵۴]   پر بھو نے پھر بنائی نہیں ویسی دوسری
میں نے کہا کہ گھر چلے گی میرے ساتھ آج   کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو بُری
دھک جا کے اُس کی بانہہ کو پکڑا میں ہاتھ سوں   کہہ بیٹھی جا دئی مارے[۵۵] کرتا ہی مسخری
چوما لیا ادھر بر اسے جب لگا کے گل   کہنے لگی مغل[۵۶] کی یہی ریت ہو بُری
کم دیکھی فائز ایسی حسن میں میں ہندنی
بیتیں پرکھ پرکھ زعنسم ادھر ٹی گھڑی

تری گالی مجھ دل کو پیاری لگے   دعا میری تجھ من میں بھاری لگے[۵۷]
تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن   کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے

---

۵۱   اس زمین میں قزلباش خان اُمید کا یہ مطلع مشہور ہے۔

بامن کی بیٹی آج مری آنکھوں پڑی   غصہ کیا دگالی دیا اور دِگر لری

۵۲ ۵۳   اُرسبی } رمبھا } اندر کے اکھاڑے کی اپسراؤں یا پریوں کے نام

۵۴   رادِھکا: رادھا کرشن کی محبوبہ جو ایک اہیر کی لڑکی تھی۔

۵۵   دئی مارا = خدا کا مارا ہوا۔ تجھ پر خدا کی مار۔

۵۶ مغل = ہندو عوام مسلمانوں کو ترک اور مغل کہتے تھے۔

۵۷ من میں بھاری لگے = دل پر گراں گزرتی ہے۔ ناگوار ہوتی ہے۔

کھلا دیوے دو عیش و آرام سب ۔۔۔ جسے زلف سیں بے قراری لگے
نہیں تجھ سا اور شوخ اے من ہرن ۔۔۔ تری بات دل کو نیاری لگے
بھواں تیری شمشیر زلفاں کمند ۔۔۔ پلک تیری جیسے کٹاری لگے
ہووے سرد بازار دامن کا دیکھ ۔۔۔ اگر گردِ دامن کناری لگے
نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا ۔۔۔ نین تیری مجھ کوں خماری لگے
وہی قدر فائز کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

زلف تیری ہوئی کمند مجھے ۔۔۔ اس میں باندھا ہے بند بند مجھے
خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا ۔۔۔ عشق تیرے نے سر بلند مجھے
تیرے غم سوں ہوا ہوں دیوانہ ۔۔۔ نہ کیا نفع کوئی پند مجھے
نہیں جگ بیچ اور اے دل بر ۔۔۔ وصل بن تیرے سود مند مجھے
میں گرفتار ہوں ترے مکھ پہ ۔۔۔ جگ میں نہیں اور کچھ پسند مجھے
فائز اس طور سے ہوا ہے ملول
توں جلاتا ہے جیوں سپند مجھے

مرا محبوب سب کا من ہرن ہے ۔۔۔ نظر کر دیکھ وہ آہو نین ہے
نہیں اب جگ میں ویسا اور ساجن ۔۔۔ مجھے صورت شناسی بیچ فن ہے
سبھی دیوانے ہیں اس مہ لقا کے ۔۔۔ مگر وہ دلربا جادو نین[1] ہے

---

[1] جادو نین :- جس کی آنکھ میں جادو ہو۔

مرے ویرانے دل میں اے پری رو! شکار آکر کر دیہ کدلی بن[۵۱] ہی
کرے رشکِ گلستاں دل کو فائز
مرا ساجن بہارِ انجمن ہی

شور تیرا سبی کے در سر ہی ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہی
عاشقاں کا ہوا ہی دل غربال ہر پلک تیری جیسے نشتر ہی
گڑ سیں میٹھا ہی بوسہ تجھ لب کا اِس جلیبی میں قند وشکر ہی
رحم تجھ کوں نہیں ہی کچھ مجھ پر دل مگر تیرا سخت پتھر ہی
عشق کی آگ میں رہے دن رین یار تیرا مگر سمندر ہی
غم میں رہتا ہی تیرا عاشق زار کیا کرے وہ کہ یہ مقدر ہی
سرو آزاد بندہ اس قد کا قامت یار کیا صنوبر ہی
حسن تیرا ہوا ہی عالم گیر جم ہی نے آج نا سکندر ہی
شاہِ خوباں ہمیشہ فائز پر
رحم کر رحم یہ قلندر ہی

سجن مجھ پر بہت نا مہرباں ہی کہاں وو عاشقاں کا قدرداں ہی
کہوں احوال دل کا اس[۵۲] کو کیوں کر بہت نازک مزاج و بدزباں ہی
مرا دل بند[۵۳] ہی اُس نازنیں پر عجب اس خوش لقا میں ایک آں ہی

---

۵۱ کدلی بن = کدلی کا جنگل۔ کدلی ایک درخت ہی جس کی لکڑی سے جہاز بنائے جاتے ہیں۔ کیلے کو بھی کدلی کہتے ہیں۔

۵۲ اس کو = اس سے

۵۳ بند ہی = گرفتار ہی، قید ہی، عشق میں مبتلا ہی۔

بھواں شمشیر ہیں دو زلف پھانسی ہر اک پلک اُس کی مانند سناں ہے
خدا اُس کو رکھے دنیا میں محفوظ نہالِ آرزو آرامِ جاں ہے
چندر بے وقر ہے اس بدر[۵۱] آگے صفا اِس مکھ کی ہر اک پر عیاں ہے

سمجھتا ہے ترے اشعار فائزؔ!
خدا کے فضل سوں وہ نکتہ داں ہے

اے سجن وقت جاں گدازی ہے موسمِ عیش و فصل بازی ہے
ان چکوروں سے[۵۲] دور رہ اے چاند قولِ عشاق[۵۳] کا نمازی ہے
اِس قلندر کی بات سہل نہ بوجھ عشق کے فن میں فخرِ رازی ہے
ہم قریں مجھ نہ کر رقیباں سوں طور یاروں کی پاک بازی ہے
فتح پاتا ہے نفسِ سرکش پر عاشقِ پاک باز غازی ہے
عاشقاں جان و دل گنواتے ہیں یہ نہ طورِ زمانہ سازی ہے

فائزؔ اس خوش ادا سجن پاس
بے گناہاں کا قتل بازی ہے

---

۵۱ بدر آگے : بدر کے آگے۔

۵۲ چکوروں سے : یہ لفظ ذو معنین ہے اگر اس کو چکور کی جمع قرار دیں تو اس محل پر اس سے عاشق مراد ہوں گے کیونکہ چکور چاند کا عاشق سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر اس کو چکورا کی جمع مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اوباش آوارہ گرد لوگ اور رقیب مراد ہوں گے۔

۵۳ قول نمازی ہے : قول معتبر ہے۔ اردو میں یہ فقرہ کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا مگر فارسی محاورات، امثال، اقوال وغیرہ کا ایک ضخیم مجموعہ جامع التمثیل کے نام سے عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں مرتب ہوا تھا اس میں ایک محاورہ ملتا ہے (باقی صفحہ ۲۱۲ پر دیکھیے)

مرے دل بیچ نقشِ نازنیں ہی — مگر یہ دل نہیں یارو نگیں ہی
کمر پر تیری اس کا دل ہوا محو — ترا عاشق بہت باریک بیں ہی
جو کہیے اُس کے حق میں کم ہی بے شک — پری ہی، حور ہی، روح الامیں ہی
غلام اُس کے ہیں سارے اب پریجن — نگر میں حسن کے کرسی نشیں ہی
نہیں اب جگ میں دیسا اور یتیم — سبھی خوش صورتاں سوں نازنیں ہی
مجھے ہی موشگافی میں مہارت — جو نت دل محو خطِ عنبریں ہی
نظر کر لطف کی اے شاہِ خوباں
ترا فائزؔ غلامِ کمتریں ہی

راست اگر سرو سی قامت کرے — یار کی آنکھوں میں قیامت کرے
پانی ہوے[۶] آرسی اس مکھ کو دیکھ — زہرہ اسے کیا کہ اقامت کرے
طور مری عقل و خرد سے ہی دور — مجھ کو سبی خلق ملامت کرے
چھب ہوے جس شخص کو تجھ ماہ سی — سرو قداں بیچ امامت کرے
دہر میں فائزؔ سا نہیں ایک تن — عشق کے قانوں میں قیامت کرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) دراحمر فتش نازی نیست، حرف فارسی میں سخن اور قول کے معنی میں آتا ہی۔ فائزؔ نے جو محاورہ باندھا ہی وہ اسی فارسی محاورے کی مثبت شکل ہی۔ جامع التمثیل کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہی ۔

سے فخر رازی یہ بہت بڑے عالم اور مصنف تھے۔ انھوں نے قرآن مجید کی ایک نہایت مبسوط تفسیر لکھی ہی جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہی۔ ان کا نام ابوعبداللہ محمد بن عمر اور لقب فخرالدین تھا۔ ایران کا قدیم شہر رَے ان کا وطن تھا۔ اسی کی نسبت سے رازی کہلاتے ہیں۔ انھوں نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔

۵ اُس پاس = اس کے نزدیک۔ اس کے خیال میں

۶ پانی ہونا: شرمندہ ہونا، اب اس معنی میں 'پانی پانی ہونا' بولتے ہیں۔

ای شوخ ترے سر پہ عجب چیرہ زری ہی — اور جامہ دودامی[۵۱] کا بسایا اگری ہی
میٹھا ہی ترا قند سوں ای یوسف مصری — یہ لعل شفا بخش عجب گل شکری[۵۲] ہی
تجھ سبز حسن کا ہوں میں ای شوخ دِوانا — تجھ بن مجھے ای لال سبی سُدھ بسری ہی
میں تجھ سا دل آرام نہیں دیکھا جہاں میں — ای یار گل اندام تجھے حسن پری ہی
عاشق سے اتا غصہ بھلا ناہیں تمن کوں — ہی خوب تو، لیکن تری یہ طور بری ہی

فائزؔ پہ کبھی رحم نہ آیا تجھے ای شوخ
یہ دیس تمھارا گویا ظالم نگری ہی

تجھ بدن پر جو لال ساری ہی — عقل اس نے مری بساری ہی
بال دیکھے ہیں جب سوں میں تیرے — زلف سی[۵۳] دل کوں بے قراری ہی
قد الف سا ہوا مرا جیوں دال — عشق کا بوجھ سخت بھاری ہی
سب کے سینے کو چھید ڈالا ہی — پلک تیری مگر کٹاری ہی
اوڑھنی اودی پر کناری زرد — گرد شب کے سورج کی دھاری ہی
قہر و لطف و تبسم و خندہ — تیری ہر اک ادا پیاری ہی
ترچھی نظراں سوں دیکھنا ہنس ہنس — مور سے چال تجھ نیاری ہی

زندہ فائزؔ کا دل ہوا تجھ سوں
حسن تیرا ہی فیض باری ہی

---

۵۱ دودامی: (دیکھو فرہنگ) یہ لفظ آتشؔ نے بھی استعمال کیا ہی۔ کہتے ہیں ؎
شکار اپنے ہما سے حسن کا شاید کہ کھیلیگا — پہنتا ہی مرا صیاد پیراہن دودامی کا

۵۲ گل شکری: گل قند

۵۳ زلف سی: زلف کی سی۔ زلف کی طرح

ای جاں شبِ ہجراں تری سخت بڑی ہے — ہر پل مگر اس تن کی برمھا[۵۱] کی گھڑی[۵۲] ہے
ہر بال میں ہے میرا دل صاف گرفتار — کیا خوب تری زلف میں موتیاں کی لڑی ہے
نیلم کی جھلک دیتی ہے یاقوت میں گویا — سو تیرے لبِ لعل پہ مسّی کی دھڑی ہے
تھے ذکر درازی کے ترے ہجر کی شب کے — کیا پہنچی شتاب آکے تری عمر بڑی ہے

سورج کا جلانے کوں جگر جیوں دل فائز!
اے نار تو کیوں دھوپ میں سر کھول کھڑی ہے

دھوپ، سایہ، پھول، ناری ہے — کرن سورج کی دو کناری ہے
چھپ رقیباں سوں آتا نہیں وو چاند — کیا رین ہجر کی اندھیاری ہے
نہیں اثر کرتا صبر کا مرہم — دلِ عاشق میں زخم کاری ہے
گل باغِ جنوں ہے رسوائی — عزتِ ملکِ عشق خواری ہے
خونِ دل بادہ و جگر ہو کباب — نغمہ بزمِ وصل زاری ہے
لیلیٰ مجنوں کا ذکر سر ہوا — اب تمھاری ہماری باری ہے
ملنا عاشق سوں ہر بہانے سوں — یہ نصیحت ہمن ہماری ہے
مجھ کوں مت جانو یاد سوں غافل — رات دن دل کوں تو تمھاری ہے
دل بندھا[۵۳] سخت تیری زلفاں پر — عقل فائز کی ان بساری ہے

---

۵۱ برمھا کی گھڑی = انسانوں کا ایک سال دیوتاؤں کا ایک دن اور دیوتاؤں کا ایک سال برمھا کا ایک دن ہوتا ہے اس لیے برمھا کی گھڑی سے بہت طویل مدت مراد ہوتی ہے۔

۵۲ فائز کا یہ مطلع پڑھ کر تیرھویں صدی کے ہم عصر راقب دہلوی کا یہ مطلع یاد آجاتا ہے:-

تجھ بن یہ شب اے یار نپٹ ہم پہ کڑی ہے — ہر اس کی گھڑی روزِ قیامت سے بڑی ہے

۵۳ دل بندھا: دل وابستہ ہوا۔ لگا، پھنسا، گرفتار ہوا۔

مکھ ترا صاف مثل درپن ہے　　نین عقل و پراں کی رہزن ہے
دل کو ہنس ہنس لبھاوے چھاتی یں　　دل بری میں تجھے عجب فن ہے
سیر کر میرے سینے کی موتیا　　داغ سوں دل بساں گلشن ہے
سینہ سب کا جو ابہ جیوں چھلنی　　ہر پلک تجھ مثال سوزن ہے
سانجھ عالم میں تیری زلفاں کی　　پر بنا گوش صبحِ روشن ہے
پھنس گئے اس کمند میں عاشق　　یو کناری جو گردِ دامن ہے
گال گل، نین نرگسِ شہلا　　زلف سنبل، نگہ یو گلشن ہے

میرے دل سوں نہ جاوے تیرا خیال
دلِ فائزؔ مگر نشیمن ہے

میری جاں وہ بادہ خواری یاد ہے　　وقت مستی گریہ زاری یاد ہے
موتیا کا ہار و چنپا کی چھڑی　　جوڑہ[۵۱] دامن کناری[۵۲] یاد ہے
سب ابھوکن تیرے تن پر خوش نما　　خوبی انگیا و ساری یاد ہے
ابر کا سایہ و سبزہ راہ کا　　جانِ من رتھ کی سواری یاد ہے
کویلاں کے نالے امرائی[۵۳] کے بیچ　　اس سمے کی بے قراری یاد ہے

مینھ بی تو ٹپکتا تھا بوند بوند
فائزؔ اس دن کی سواری یاد ہے

---

[۵۱] جوڑہ دامن کناری = ایسے کپڑے جن کے دامن میں کناری ٹنکی ہوئی تھی۔

[۵۲] کناری = دیکھو فرہنگ۔

[۵۳] امرائی = آم کا باغ

اس لیے اُس کی جگہ پر ایک اور شخص کا تقرر عمل میں آیا۔ ابراہیم خاں واپس آکر ابراہیم آباد سودھرا[۵۱] میں مقیم ہو گیا۔ یہ مقام لاہور سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع تھا اور اس کو سادھورا[۵۲] بھی کہتے تھے۔ وہیں چند مہینے کے بعد ۱۱۲۱ھ میں اُس نے انتقال کیا۔

"ابراہیم آباد سودرہ" کے باغ کی تعریف میں فائزؔ نے ایک مثنوی لکھی ہے جس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

درین گلشن کہ مانند بہشت است ہوا ہموارہ چون اُردی بہشت است
درشس چون جبہ خوبان کشادہ صفایش از گلِ بستان زیادہ
خزان را نیست رہ درین گلستان کہ سرسبز است ہمچون باغِ رضوان
گرفتہ سر بہ سر روے زمین را کسے کم دیدہ باغے این چنین را
بود از حوض آئینہ کنارش بسانِ جنت الماویٰ بہارش
چنار و سرو او از سر بلندان دمیدہ سبزہ اش چون خطِ خوبان
چو بہہ رخسارہ را رنگِ طلا کرد انارش خندۂ دندان سنا کرد

---

۵۱ سودھرا "اس کو سادھورا بھی کہتے ہیں۔ اس قصبہ قدیم کو امیرالامرا نواب علی مردان خاں نے بنام علی ابراہیم خاں فرزند اپنے کے از سرِ نو آباد کرکے نام اس کا ابراہیم آباد رکھا ہے۔ اور نواب علی مردان خاں نے ایک باغ نہایت نفیس اور عمدہ چھ لاکھ روپیہ خرچ کرکے مرتب فرمایا ہے اور ایک نہر اس نہر میں سے کہ نواب ممدوح شاہ جہاں آباد میں لائے ہیں... قطع کرکے اس باغ ابراہیم آباد میں جاری کی ہے کہ دم مساوات کا باغ شالامار کشمیر و لاہور سے مارتا ہے۔"
(آئینہ جہاں نما ص ۶۷-۶۸)

۵۲ "سادھورا ایک بڑا قصبہ چناب کے کنارے پر ہے۔ شاہ جہاں کے وقت میں نواب علی مردان خان نے متصل اس کے ابراہیم آباد ایک بڑا شہر اپنے بیٹے کے نام پر بسایا اور ایک بڑا باغ پر فضا رشک شالامار بنایا۔ سوائے اس کے اور بھی عمارات و مکانات عالی شان تعمیر کیے۔ اور ایک نہر بھی دریائے لوہی سے اس باغ کے واسطے لایا۔ غرض چھ لاکھ روپے ان کی تعمیر و ساخت میں خرچ ہوئے۔ اور سادھورے کے دیہات میں سے ایک گانوں سرکار اعلیٰ سے باغ و شہر مذکور کی مرمت و تعمیر کے واسطے بطریق آل تمغا نواب موصوف کے نام پر مقرر ہوا۔"
(آرایش محفل از میر شیر علی افسوس)

تری بانکی نگہ پر دل فدا ہی — ہر اک غمزے اُپر جاں مبتلا ہی
ہوا دل تیرے دنبالے کے دنبال[1] — نین کا سرمہ کیا کالی بلا ہی
کروں کیونکر ادا اس چال کی گت — ہر اک ڈگ بیچ تیرے صد ادا ہی
شکستِ دل بجالاتی ہی پل پل — شکن اس زلف کی ہر یک بجا ہی
ترا لطف و نگہ، ناز و تغافل — دوا ہے درد ہی، جور و جفا ہی
کیا ہی سب سیانوں کو دِوانا — پری رو کی نظر میں کچھ بلا ہی
دل بے تاب کا سیماب فائزؔ
جلا کر غم سوں بابِ کیمیا ہی

میل[2] مجھ دل کا دشت و صحرا ہی — مجھ سے دیوانگی ہویدا ہی
تیرے غمزے سوں سب ہلاک ہوئے — قتل عشاق میں تماشا ہی
خوش نما چوہ تیری چولی پر — خوب رو یاں میں ایک مزا ہی
چیرہ سالو ازار چوڑی دار — جامۂ بسمہ خوب زیبا ہی
دائم مستی نین میں تجھ کاجل — ہاتھ مہندی عجب تماشا ہی
بیٹھ میرے نین کی کشتی میں — سیل انجھواں کی مثل دریا ہی
چشم بد دور تیری انکھیاں کوں
دل فائزؔ سوں رمز و ایما ہی

آج میری طرف وُ مایل ہی — دل ستی درد ہجر زایل ہی

---

[1] دُنبال = پیچھے

[2] مَیل = میلان - رغبت -

دل مرا آب آج کیوں نہ ہووے — تجھ سا آئینہ رو مقابل ہے
خون دل کیوں مرا کیا تو حلال — زندگی تیرے ساتھ مشکل ہے
دل گرفتار سب کا تجھ پہ ہوا — زلف تیری مگر سلاسل[1] ہے
جب سے دیکھا ہے خنجر مژگاں — دل بے چارہ مرغِ بسمل ہے

فائز اس سے نہ ہو تو آزردہ
شوخ ہے نوجواں ہے جاہل ہے

مجھ کو تجھ نال[2] اب غلامی ہے — اس غلامی سے نیک نامی ہے
کبک ہو کر خجل چھپا بن میں — اس کو کب تجھ سی خوش خرامی ہے
ہر طرف ذکر اس کا سنتا ہوں — شوخ میرا جہاں میں نامی ہے
ہم سے شیدا کہاں ہیں دنیا میں — تجھ سے بیگانگی بی خامی ہے
تیری زلفاں میں مرغِ دل ہے بند — خوب باشا[3] وہی کہ دامی[4] ہے

دل میں بغض اُس ستی نہ رکھ یتیم
فائز صاف دل امامی[5] ہے

تجھ بنا دل کو بے قراری ہے — دم بدم مجھ کو آہ و زاری ہے
ہاتھ تیرے جو دیکھی ہے تلوار — آرزو دل کو جاں سپاری ہے

---

[1] سلاسل = زنجیریں: 'سلسلہ' کی جمع واحد کے طور پر مستعمل ہوئی ہے۔
[2] تجھ نال = تیرے پاس۔
[3] باشا = ایک شکاری چڑیا۔ ایک قسم کا باز
[4] دامی = شکاری۔
[5] امامی = اماموں کا ماننے والا۔ ائمہ کا پیرو

مجھ کو اور اس سے کچھ نہیں ہے کام　　تجھ سے ہر دم امیدواری ہے
ہم سے تجھ کو نہیں ملاپ کبھی　　یہ مگر جگ میں طورِ یاری ہے
آہ کوں دل میں میں چھپاتا ہوں　　لازمِ عشق پردہ داری ہے
گر رہا تیری راہ پر فائزؔ
عشق کی شرط خاکساری ہے

مخمس

غم سے جھرتا ہوں دلربا کی قسم　　دل میں کڑھتا ہوں مہ لقا کی قسم
درد رکھتا ہوں بے وفا کی قسم　　راست کہتا ہوں میں خدا کی قسم
تجھ سر سجن کی خاکِ پا کی قسم

نقش تیرا خیال ہے دل میں　　یاد کرتا ہوں تجھ کوں تل تل میں
میں دوانا ہوں تیری محفل میں　　مجھ سی حالت نہیں ہے بسمل میں
تجھ سر سجن کی خاکِ پا کی قسم

جب سے تو درس مجھ دکھایا ہے　　لذّتِ عشق کو چکھایا ہے
غم نے دل کو نپٹ دُکھایا ہے　　میرے جی کو بہت جلایا ہے
تجھ سر سجن کی خاک پا کی قسم

تجکو خوبی میں اب نہیں جوڑا　　تیرے پیچھے سبی کو ہم چھوڑا
یک قلم مہ رخاں سے منھ موڑا　　تیرے غم میں سبی سے دل توڑا[1]
تجھ سر سجن کی خاکِ پا کی قسم

---

[1] دل توڑا: دل ہٹایا، قطع تعلق کیا۔

مہر سوں یاد کر تو جان مجھے   تیرے میٹھے بچن سوں شان مجھے
میں فدائی ہوں تو پچھان مجھے   تجھ بنا نا ہیں کچھ دھیان مجھے
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

جب سے میں نے تجھے پچھانا ہے   دل تری فکر میں دِوانا ہے
یہ قلندر صفت نمانا ہے   تیرے دوارے پہ اس ٹھکانا ہے
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

دل گرفتار تجھ پری رو کا   سینہ زخمی ہے تیغِ ابرو کا
نین کرتے ہیں کام جادو کا   دل کا پھاندا ہے پیچ گیسو کا
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

تیری دوری سے نالے کرتا ہوں   ہجر کے درد و غم سوں مرتا ہوں
ہر نفس سرد سانس بھرتا ہوں   نام تیرے کا ورد کرتا ہوں
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

عاجز و خاکسار ہوں تیرا   ای سجن کچھ علاج کر میرا
کشورِ عشق میں ہے مجھ ڈیرا   غم کے لشکر نے ملکِ دل گھیرا
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

تیری دوری سے دل ہوا بیمار   بے دماغی سوں ہوں بہت بیزار
تیری بن[۱] فکر کچھ نہیں مجھ کار   لَیسَ فِی الدَّارِ غَیرُہٗ دَیَّار
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

من سے تو نے مجھے بھلایا ہے   اس نمانے کو کیوں ستایا ہے
دل کو میرے بہت دکھایا ہے   ہجر میں تیرے سکھ نہ پایا ہے

---

[۱] تیری بن فکر = تیری فکر کے سوا۔

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

آگے تجھ غم سے سینہ خالی تھا مجھ کو ای لال شوق پالی تھا
یہ قلندر منش جلالی[۵] تھا عاشق رند لاؤ بالی تھا

تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

تیرے مکھ پاس چاند تارا ہی حُسن تیرا تو جگ اجارا ہی
سارے خوباں سے تو نیارا ہی تیری انکھیاں نے مجھ کو مارا ہی

تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

محو ہوں میں جمال پہ تیرے ہوں دِوانا خیال پر تیرے
متحیر ہوں چال پر تیرے دل بندھا بال بال پر تیرے

تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

مور تجھ چال سوں ہوا بے جاں قمری اس سرو قد کے ہی قرباں
سنبل اس رشکِ خط سوں ہی پیچاں درپن اس مکھ کو دیکھ کر حیراں

تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

جامہ زیبی میں تجھ کوں ثانی نہ تیری خوبی میں نقش مانی نہ
تجھ بنا عیشِ زندگانی نہ حاصلِ عمرِ جاودانی نہ

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

بن ترے دیکھے مجھ نہیں آرام پیارے اس عشق کا ہی کیا انجام
تیری دوری کے غم سوں ای خودکام سخت ہم پر گزرتے ہیں ایام

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

---

[۵] جلالی = صاحب جلال۔ جلال والا۔ درویشوں کا ایک سلسلہ جو سید جلال الدین بخاری سے منسوب ہی —

خوب روئی میں تو مسلّم ہے حسن یوسف سے کیا مگر کم ہے
تیرے مکھ پاس عقل ابکم ہے جب تجھے دیکھوں عیش اس دم ہے
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

حق نے خوبی میں تجھ فرید کیا تیرے ابروکوں ماہِ عید کیا
تیری انکھیاں نے دل شہید کیا مجھ سا آزاد زر خرید کیا
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

فائزِ مستمند حیراں ہے عاشقِ دردمند نالاں ہے
اس سے دوری نہ شہر طا ایماں ہے تیرے غم سوں ہمیشہ گریاں ہے
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

بحر طویل ریختہ

تو نازنیں رسیلا تو بے وفا رنگیلا
تیری ادا نیاری ایسی لٹک پیاری
انکھیاں ہیں تیری کھنجن بنتا ہے تجھ کوں انجن
یہ بھوئیں تیری شمشیر گھائل اُناں سے دل و میر
ہے زلف دستہ سنبل اور ناگنی ہے کاکل
خط پر ہوں تیرے عاشق باتاں کا تیری شائق
تجھ چال میں بلا ہے ہر ڈگ میں کئی ادا ہے
باتاں تری رسیلی چھب ہے بہت سجیلی
ساجن ہے تو ہمارا
مجھ سا نہیں وفادار تیرا ہوں میں گرفتار

اوراں سے مجھ نہیں کام　　تجھ عشق میں ہوں بدنام
دل میں پریت تیری　　دیکھے سے ناہیں سیری
تجھ فکر میں دِوانا　　دوری سے دل سُنا نا
شیدا ترے حسن کا　　باندھا[1] ترے بچن کا
حیراں تری ادا پر　　والہ تری صدا پر
عالمؔ ہے تجھ پہ مائل　　عاشق ہیں تجھ سے گھائل
دنیا میں اے سریجن　　تجھ سا نہیں ہے موہن

تو دل کا ہے پیارا

تو ماہِ دلبری ہے　　تو مہرِ خاوری ہے
لیلیٰ ہے تیری باندی　　شیریں ہے تیری راندی
چندر ساکھ ہے تیرا　　دل بند تجھ پہ میرا
ہم سوں نہ کر جدائی　　خوبی نہیں، برائی
تجھ پر تو میں فدا ہوں　　اس غم میں مبتلا ہوں
کینہ نہ راکھ من میں　　سختی نہ کر بچن میں
کر لطف وِمہربانی　　گالی نہ دے گمانی
عالمؔ ہے تجھ پہ حیراں　　تجھ غم سے سب پریشاں

خوباں سے تو نیارا

آمیرے پاس ہمدم　　کر مجھ کو خود سے محرم
دوری نہ کر ہمن سے　　کر شاد دل بچن سے
ساجن نہ کر بلا میں　　مرتا ہوں تجھ ادا میں

---

(۱) باندھا ترے بچن کا = تیری باتوں میں بندھا ہوا، تیری گفتگو کا عاشق ۔

تو سب کا آشنا ہی   بے رحم بے وفا ہی
میں تجھ پہ مبتلا ہوں   دروازے تجھ گدا ہوں
پھرتا ہوں غم سے حیراں   ہی وصل میرا درماں
ہم سوں نہ راکھ کینا   کر صاف اپنا سینا
مجنوں ہوا ہوں تجھ پر   کیوں ظلم کرتا مجھ پر
ہی دل نہ سنگِ خارا

پیارے پریت سوں مل   ہم کو نہ راکھ بے دل
تجھ بن نہیں ہی مجھ چین   کب کل پڑے ہی دن رین
تیرا ہوں میں دِوانا   مجھ سا نہیں مناتا
میں سین تیری پائی   وو آن دل کوں بھائی
تجھ سا کہاں سجن ہی   گل سا جو تجھ بدن ہی
عاشق ہوں تجھ پری پر   اس خطِ عنبریں پر
دل بر نہیں ہی تجھ سا   عاشق کہاں ہی مجھ سا
تجھ کوں نہیں ہی ثانی   پر من سے تونے جانی
فائز کو کیوں بسارا

مثنویات ریختہ

مناجات

خدایا فضل کر تو بیکساں پر   کریما رحم کر تو عاجزاں پر
خدایا تو حقیقی پادشا ہی   مجازی پادشہ تیرا گدا ہی
قدیما، قادرا، پروردگارا   رحیما، عادلا، آمرزگارا

ہمن پر رحم کر اپنے کرم سے — کہ پیدا ہی کیا تو نے عدم سے
نہیں ہم کو وسیلہ اورائے حق — سبھوں کا ہے توئی رزاق مطلق
توہی جاں بخش سب دیو و پری کا — توہی لائق جہاں میں برتری کا
توئی روزی رساں ہے اے خداوند — نہیں تجھ کوں شریک اور مثل و مانند
کہ پیدا تجھ سے ہوئی عقلِ اوّل[۵۱] — ملائک، چرخ، سورج، چاند، بادل
ستارے ثابت و سیّار تجھ سے — فلک کی گردش و رفتار تجھ سے
کیے پیدا سبی آبائے علوی — کہ اُن بعد امہات آئی ہیں سفلی
جواہر اور عرض تجھ سے ہے پیدا — بنا بر مصلحت ہے فعل تیرا
وُ صورت اور ہیولیٰ بی ہے تجھ سے — یہ سب دن رین پیدا بی ہے تجھ سے
عناصر حکم سے تیرے ہیں برپا — تری قدرت ہے دنیا بیچ پیدا
ہوئی تجھ حکم سے پیدا نباتات — تری تسبیح میں جنگل کی ہر پات
جواہر آفریدی ہور معادن — سبی انواع حیواں، آدمی، جن
بشر کوں تیں نے بخشی سرفرازی — سبن پر کرنے لاگا ترک تازی
سبن میں وو ضعیف و ناتواں ہے — وے تجھ حکم سے وو حکم راں ہے
ہوا تجھ فضل سے جگ میں مکرّم — کیا تیں نے وِ سے سب میں معظم
نبی اور اوصیا اور قطب[۵۲]، ابدال[۵۳] — ہوے تجھ فضل سے دنیا میں کمّال

---

۵۱ عقلِ اوّل = روح القدس۔ جبریل۔

۵۲ قُطب = وہ ولی اللہ کہ حکمِ الٰہی سے عالمِ معنوی میں کسی شہر یا ملک کی نگہبانی اس کے سپرد ہو۔

۵۳ ابدال = بدل یا بدیل کی جمع۔ اولیاء اللہ کی ایک جماعت جن کی بدولت دنیا قائم ہے، ان کی تعداد ہمیشہ ستّر رہتی ہے، جن میں سے چالیس شام میں اور تیس دنیا کے دوسرے حصّوں میں رہتے ہیں۔ جب اُن میں کا کوئی مرجاتا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا ولی اللہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳۲۵)

نظر کر لطف کی اپنے گدا پر — سمیعا گوش کر مجھ ماجرا پر
کہ میں مدت سے غم میں مبتلا ہوں — مرض سے روز و شب اندر بلا ہوں
ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے — توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے
کہ بے کاری و بیماری بلا ہی — فقیر ان دو بلا میں مبتلا ہی
نہیں پوشید تجھ پر حال میرا — کرم کر ہوں گدا ای شاہ تیرا
مقدس ذات تیری غیب داں ہی — تجھے پوشیدہ و پنہاں عیاں ہی
شفا خانے سے اپنے بخش صحت — سرافرازی کی جگ میں بھیج خلعت
بکرم کر مجھے اور تندرستی — جہاں میں بخش ای خلاقِ ہستی
بحقِ مصطفےٰ خیر النبیین — بحقِ مرتضےٰ خیر الوصیین
قبول اس پُر گنہ کے کر مطالب — نظر اعلا نہ کر میرے معائب
کہ میں غرقِ گنہ سر تا بپا ہوں — اسیرِ نفس کافر ماجرا ہوں
ولیکن تو ہی غفار ای خداوند — کرم میں تجھ نہیں ہی مثل و مانند

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴) یہ لفظ واحد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہی

شاہ محمد صدرالدین میسوری نے آج سے تقریباً سوا دو سو برس پہلے اپنے رسالے مرآۃ الاسرار میں لفظ "ابدال" کی شرح یوں کی ہی:-

"ابدال یعنی تبدیل کنندہ۔ یہ مرتبہ روح الروح کے اپنی خودی سوں بےخود ہو کر تصور مطلق میں جس شی کا تصور مقید کرے اُس شی کی صفت پیدا کرے جیسا کہ نقل ہی کہ ایک بزرگِ کامل سوں خادمانِ صادق التماس کیے کہ اس وقت خرمائے تر ہماری طبیعت چہتی ہی او بزرگ فرمائے میں کھڑا رہتا ہوں بعد ایک ساعت کے میرے تئیں ہلاؤ۔ اسی وجہ حرکت دیئے اس وقت دل میں سوں اُن کے خرمائے تر جھڑیا۔ یو درجہ اس محل کا ہی"

گہر پاشی کند فوارہ دائم   مزاجِ مستقیم اوست قائم

ز دیوارش حوادث بر کنار است   بہر جانب کہ می بینی بہار است

نشاط افزاست این باغ پُر از گل

دہد دل را فرح چون ساغرِ مُل

ابراہیم خاں کے تین بیٹے زبردست خاں، یعقوب خاں اور فدائی خاں۔ شاہی منصب دار تھے۔

یعقوب خاں | یعقوب خاں جلوس عالم گیر کے اکتالیسویں سال ۱۱۰۸ھ میں جونپور کا فوجدار مقرر ہوا اور اُنچاسویں سال ۱۱۱۶ھ میں اُس کے منصب میں ہزار سواروں کا اضافہ کیا گیا۔ ایک وقت میں اُس کا منصب سہ ہزاری ذات وسیصد سوار تھا۔ بہادر شاہ کے وقت میں وہ آصف الدولہ صوبہ دار لاہور کا نائب تھا۔ جس طرح ابراہیم خاں کو اُس کے باپ کے نام پر علی مردان خاں خطاب ملا تھا اُسی طرح ابراہیم خاں کے انتقال کے بعد یعقوب خاں کو ابراہیم خاں خطاب دیا گیا۔

فدائی خاں | جلوس عالم گیر کے تیسرے سال ۱۰۷۰ھ میں جب سلطان شجاع کے فرار کے بعد شاہ زادہ محمد نے ندامت کا اظہار کیا تو فدائی خاں مامور کیا گیا کہ اس کو بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔ بعد کو وہ اودھ، کابل اور بہار کا صوبہ دار رہا۔ جلوس عالم گیر کے ستائیسویں سال ۱۰۹۴ھ میں ابراہیم خاں نے اُس کو تبت کی مہم پر بھیجا اور اُس کے حسنِ سعی سے اُس ملک کا کچھ حصّہ فتح ہو کر شاہی مملکت میں شامل ہو گیا۔ اِس کے صلے میں ابراہیم خاں کے منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار پر دو ہزار سوار دو اسپہ کا اضافہ کیا گیا اور خلعت خاصہ، خنجر مرصع، پھول کٹارہ، سات ہزار روپے قیمت کا موتیوں کا مالا، ۱۲ عراقی گھوڑا مع ساز طلائی دو صد مُہری، پندرہ ہزار روپے کا ایک ہاتھی اور ایک کرور دام نقد مرحمت ہوئے اور ایک شاہی فرمان کمال تحسین

شفا دے فائزِ زار و حزیں کو
بلند اقبال کر اندوہ گیں کو

در مدح شاہِ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام

شاہ ولایت اسد اللہ علی — اس سے ہوا اسلام سراسر جلی
دیں نبی کا اس سے ہوا جلوہ گر — اس کی جسے مہر نہیں قد کفر[۵۱]
ہو بہ خلافت وصی مصطفےٰ — باپ حسین و حسن مجتبےٰ
لحمک لحمی[۵۲] ہو اسی شان میں — دوستی اس کی نبی کی جان میں
بھائی پیمبر کا ہو زوجِ بتول — صاحب و سر دفترِ اہلِ قبول[۵۳]
قاتلِ کفار نہیں جز علی — سرورِ عالم[۵۴] کا جہاں میں وصی
توڑ کے صف کفر کی صفدر ہوا — خیبر کے اژدر کے تئیں حیدر[۵۵] ہوا
علم اسے علمِ نبی کا تمام — بابِ مدینہ[۵۶] کہا خیر الانام[۵۷]

---

۵۱ قَدْ کَفَرْ = کافر ہو گیا

۵۲ لَحْمُکَ لَحْمِی = تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ رسول صلعم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔

۵۳ اہلِ قبول: وہ لوگ جو خدا کی بارگاہ میں مقبول ہیں جن کے اعمال خدا کو پسند ہیں جن سے خدا راضی ہے۔

۵۴ سرورِ عالم: دنیا کا سردار۔ مراد پیغمبر عرب صلعم

۵۵ حیدر: شیر۔ حضرت علیؑ کا ایک نام

۵۶ باب مدینہ: شہر کا دروازہ۔ اشارہ ہے رسول کی اس حدیث کی طرف "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُہَا" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

۵۷ خیر الانام: سب سے اچھا انسان۔ مراد پیغمبر اسلام صلعم

جس نے پیا منھ کا نبی کے لعاب — علم کا وو کیوں نہ ہووے جگ میں باب
اور نہیں دہر میں مشکل کشا — کام کرے سب علی مرتضےٰ
باغ نبوت کے وو ریحانتین[1] — اس کے دو فرزند حسنؑ اور حسینؑ
شبر و شبیر نبی کے عزیز — جن سے کیا اہلِ حسد نے ستیز
حضرت زہرا ہی تھی بضع الرسول[2] — اس کے منافق ہیں سبی دیو و غول
خیر نسا[3] جس پہ نہیں مہرباں — لعن کرے اس کو خدائے جہاں
سرِّ الٰہی سے ہے وو واقف علی — رتبے میں ہم پلہ ہے وو با نبی
واقفِ آیاتِ کلامِ خدا — کون ہے جز حیدرِ مشکل کشا
خسرو آفاق ہے وو بوالحسن[4] — معتقد اس کے سبی ہیں مرد و زن
جو نہیں دنیا میں علی کا غلام — دوزخِ سوزاں میں ہے اس کا مقام
مہر علی کی ہو جسے دل کے بیچ — خوف سے محشر کے اُسے غم نہ ہیچ
میرِ عرب شاہِ عجم ہے علی — ہے بی خلیفہ وو بہ نصِّ جلی
اس کو نبی نے جو دیے ذوالفقار — کفر کو معدوم کیا اس نے مار

---

[1] ریحانتین = دو خوش بودار پودے۔ اشارہ ہے رسول کی ایک حدیث کی طرف جس میں آپ نے حسن اور حسین کو ریحانتین قرار دیا ہے۔

[2] بضع الرسول = رسول کا ٹکڑا یا پارۂ جگر، رسول صلعم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے، "اَلْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي مَنْ اَذاها فَقَدْ اذانی ومن آذانی فَقَدْ اذا اللّٰه" یعنی فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اُس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اُس نے خدا کو اذیت دی۔

[3] خیر نسا = سب سے اچھی عورت۔ مراد حضرت فاطمہ۔

[4] بوالحسن = حسن کے والد۔ حضرت علیؓ کی کنیت۔

جان کیا اس نے فدائے رسول / چشمِ منافق میں پڑا خاک دھول
عمرو[۵۱] سے کافر کا کیا سر جدا / اس سے تو ہی شرعِ رسولِ خدا
مُرَّہ کافر کو کیا جب دو نیم / تب پڑا کفار کے دل پیچ بیم
محرمِ اسرارِ رسولِ خدا / کوئی نہ تھا جز علیِ مرتضیٰ
جس کو کرے لطف سے حیدر نظر / دولت و اقبال ہووے جلوہ گر
کر نظر رحم مجھے یا علی / تا کہ رہوں مہر سا میں منجلی
سینۂ غم گیں کو تو اب شاد کر / اک نگہ لطف سے آباد کر
لشکرِ سودا نے کیا ہے ہجوم / چھائے میرے دل پہ غمامِ غموم
تو ہی شفا بخشِ تنِ زار کا / تو ہی دوا ہے دلِ بیمار کا
لطف کر یہاں سے نہیں کچھ عجب / کرتا ہوں اس راہ سے[۵۲] تجھ سے طلب
صحت جاوید عطا کر مجھے / داخلِ اقلیمِ شفا کر مجھے
کچھ نہیں ہے لطف سے تیرے بعید / ہووے رین غم کی مری روزِ عید
کوئی نہیں خازنِ گنجِ خدا / تیرے بن اے حیدرِ مشکل کشا
مجھ کو ہے دو عرض بھی یا علی / آیا ہوں اب مانگنے تیری گلی
فائزِ بیدل کو سرافراز کر / صحتِ جاوید سوں ممتاز کر

در وصفِ حسن

ہمارے سجن کو جو دیکھے بشر / ہوئے جیوں صنم[۵۳] آپ سوں بے خبر
کماں سے ہیں ابرو نین ہیں کھنجن / دو مکھ صبح زلفاں اندھیری رین

---

۵۱ عمرو بن عبدِ وُد = عرب کا ایک نامی پہلوان جو جنگ میں ہزاروں سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اور ۵ھ مطابق ۶۲۶ء میں جنگِ خندق میں حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا
۵۲ اس راہ سے = اس سبب سے۔ اس وجہ سے۔ "ازیں راہ" کا ترجمہ ہے
۵۳ صنم = بُت۔ مورت

نین اس کے انجن سوں کھنجن نما ۔۔۔ ہر ایک جنبشِ چشم میں کئی ادا
ادھر اس کے یاقوت بیتی ہیں بیش ۔۔۔ بدخشاں ہے اس لعل سوں سینہ ریش
گہر اس کے دنداں کے آگے خجل ۔۔۔ عقیقِ یمن لب ستی منفعل
مسی کی دھڑی ہے لباں کے اپر ۔۔۔ گرفتار اس پر ہیں اہلِ نظر
جمی ریکھ مسّی کی دانتاں کے بیچ ۔۔۔ حنا رنگ دیتی ہے ہاتاں کے بیچ
دو زلف اس کی ہیں سنبلِ تاب دار ۔۔۔ دو کاکل نظر میں ہیں مانند مار
کنک سوں صفا دار ہے دو بدن ۔۔۔ کنول ڈال سے ہاتھ گل سے چرن
صفا رنگ اس کے ہیں چپنے سے بیش ۔۔۔ دل عشاق کا اس کے غمزے سوں ریش
کمر اس کی مانند زنبور رہی ۔۔۔ چندر اس کے مکھ پاس بے نور ہے
ہوا اس کے پنجے سوں مرجاں ضعیف ۔۔۔ کہ ہے پنجۂ مہر کا دو حریف
حسن سوں بتاں بیچ سردار ہے ۔۔۔ دل اس پر سبھی کا گرفتار ہے
نظارے پر اس کے ہیں سب دل دلیر ۔۔۔ نہ ہوتی نظر اس کے دیکھے سے سیر
سب عاشق گرفتار دیدار کے ۔۔۔ سبھی محو اس چہرہ گلنار کے
دو دیدار[1] کے سب خریدار ہیں ۔۔۔ دے مجھ سے ناہیں وفادار ہیں
نہیں اس کے بن وصل مجھ دل کو چین ۔۔۔ اسے دیکھنے کو تڑپتے ہیں نین
نہیں غافل اس سوچ سوں ایک چھن ۔۔۔ مرا دل ہے اس فکر میں رات دن
مجھے اس جفا جو سوں نت آس ہے ۔۔۔ تعلق مرا اس سوں پر کاس ہے
ٹھکتا[2] مٹکتا ہے دو چال میں ۔۔۔ گرفتار دل اس کے ہر بال میں

---

[1] دو دیدار ۔ اس کا دیدار۔
[2] ٹھکتا مٹکتا ہے دو چال میں ۔ جھومتا ہوا مستانہ وار چلتا ہے۔

لگے ہے خوش اُس کی میاں میں کٹار　　کہ خنجر گذاری ہے اس کوں شعار

سخن خوب کہتا ہے میرا سجن　　سبی دودھ پیڑے ہیں اس کے بچن

بیاکل ہے دل اس کے ہجراں سوں نت　　مرے دل کوں پیارے سے لاگی ہے ہت

کہاں لگ کروں فائز اوصاف یار

کہ دریائے قلزم کوں ناہیں کنار

تعریف پنگھٹ

کیا جب سیر میں پنگھٹ کا گل زار　　کنویں کے گرد دیکھی فوج پنہار

کروں کیا وصف اس سنگت کے تحریر　　کروں کیا ان کی میں خوبی کی تقریر

ہر اک پنہار رواں اک اپچھراتی　　کنویں کے گرد اِندر کی سبھاتی

بیاں کیونکر کروں اُن کی میں رفتار　　کروں تقریر کیا بچن کی جھنکار

رواں تھے بے پرچند راجارے　　زمیں پر سیر کرتے تھے ستارے

لے آتی تھی جھمریا ایک سندر　　لے جاتی اک گگریا سیس پر دھر

سبن کی رنگ پر رنگ لہنگا و ساری　　کنارے ان کے تھی ٹانکی کناری

کسی کی لال سالو کی تھی ساری　　کسی کے باندھنو پر تھی کناری

سبوں کی رنگ برنگ تھی بانکڑی ہاتھ　　گگریا تھی سبھی کے سراوپر ساتھ　　سبوں نش

اناں میں ایک تھی جو بن میں ممتاز　　کیا میں اس سوں ہنس کر ایک انداز

مَتے ہاتھی سی چلتی تھی زجوبن　　نہ آہٹ پاتے گر بجتی نہ بیچن

گھڑا سر پر کھڑی تھی راہ اوپر　　یقیں یوسف کی جا ہے چاہ اوپر

گگریا چھوئی اس کی میں ادا کر　　دیا[1] کرنے لگی وہ منھ چھپا کر

---

[1] دیا - دیّا = ای خدا - یہ ہندو عوام کی زبان ہے ۔

تھتھا کر سینہ بجلی سی چمک کر
گئی جیوں ہرنی آگے سوں مٹک کر
لگی کہنے سکھی سوں منہ پھلا کر
مڑوڑی بھونہ انکھیاں کوں پھرا کر
کہ اب چھوٹی ترک نے یہ کگر یا
ہے جاؤں گھر میں کیوں کر آج دیا
اجھوں لگ اس کنویں آٹی سو آئی
نہ لیوں پنگھٹ کا پھر میں نام مائی
مثل ہے کھوٹے[۵] بامھن گاے کھائی
جواب پھر آؤں تو پھن ڈہائی

یہی ہے طرز تازہ خوش رخاں کی
یہی آئیں ہے سارے مہ رخاں کی

تعریف ہولی

آج ہے روز بسنت ای دوستاں
سرو قد ہیں بوستاں کے درمیاں
باغ میں ہے عیش و عشرت رات دن
گل رخاں بن ہیں گزرتی ایک چھن
لے عبیر اور ارگجا بھر کر زر مال
چھڑکتے ہیں اور اڑاتے ہیں گلال
سب کے تن میں ہے لباس کیسری
کرتے ہیں صد برگ سوں سب ہمسری
خوب رو سب بن رہے ہیں لال زرد
باغ کا بازار ہے اس وقت سرد
چاند جیسا ہے شفق بھیتر عیاں
چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں
رنگ سوں ہیں پیرہن سب گل نے لال
نین ہیں رنگیں کنول سے از گلال
ہر چھبیلی از لباس کیسری
تازہ کرتی ہے بہار جعفری
بیٹھ ہنڈولے جھولتی گاتی ہنڈول
لے گلال ہت گال مل کرتی ٹھٹھول
ناچتی گا گا کے ہوری دم بدم
جیوں سبھا اندر کی در باغ ارم
از عبیر و رنگ کیسر اور گلال
ابر چھایا ہے سفید و زرد و لال

---

[۵] پوری مثل یہ ہے: "بھولے بامھن گاے کھائی اب کھاؤں تو رام دہائی"

جیوں جھڑی ہر سو ہی پچکاری کی دھار　　دوڑتی ہیں ناریاں بجلی کے سار

جوش عشرت گھر بہ گھر ہی ہر طرف　　ناچتی ہیں سب نکلف بر طرف

غلماں بمنیتی (کذا) ہیں ہندنیاں حورعین

پسچ ہو دنیا جنة الکافرین

تعریف نہان نگمبود[۵۱]

ندی پر نمایاں ہیں سیمیں بدن　　جیوں روپے کی تھالی میں ڈھلتے رتن

کھڑے گھاٹ پر ہیں سبھی سیم بر　　خجل اُن کے مکھ سے سورج اور چندر

کرے[۵۱] دل کو پانی ہر اک ہندنی　　نظر پڑتی پانی اُوپر چندنی

دکھاتی ہیں چھاتی نول[۵۲] جو بناں　　کلس سونے روپے کی دیکھو عیاں

مرے دل کو آتا ہی اِس سے حذر　　کہ ان کو نہ لاگے سورج کی نظر

---

۵۱ نگمبود یا نگم بود، شاہ جہاں آباد کے شمال مشرق کی جانب دریا کے کنارے ایک مقام ہی جس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہی کہ دواپر جگ کے شروع میں یعنی آج سے کوئی پانچ ہزار سال پہلے برھماجی سب وید بھول گئے تھے جو اُن کو پرمیشور نے اس جگہ یاد دلائے۔ ایک روایت یہ بھی ہی کہ راجا جدھشٹر نے اس جگہ بہت بڑا جگ کیا تھا۔ اب اس جگہ پر سنگِ سرخ کے خوب صورت گھاٹ بنے ہوے ہیں اور روز صبح کو نہانے والوں کا ہجوم ہوتا ہی۔

(ماخوذ از آثار الصنادید)

مصحفی کہتے ہیں

تختۂ آب چمن کیوں نہ نظر آئے سپاٹ　　یاد آئے مجھے جب دم وہ نگمبود کا گھاٹ

دتی کی آرزو میں روتا ہوں مصحفی　　یاد آئے ہی وہ مجھ کو نگمبود کا جو گھاٹ

۵۱ دل کو پانی کرنا = دل کو پگھلانا، نرم کرنا، گداز کرنا۔

۵۲ نول جوبناں = نئی جوانی والیاں۔

(پری سی) نظر میں ہیں کھترانیاں — صباحت کے اقلیم کی رانیاں
ہو اندر کی بانو[1] سبھا جلوہ گر — کہ ہر نار دستی ہو رمبھا سوں در
کمر پر جو پڑتے ہیں سب موے سر — اناں[2] ناریچ مل جیا تا موے کمر[3]
دو مرغابیاں سی کلولیاں کریں — مل آپس میں ہنس ہنس ٹھٹھولیاں کریں
سے جاتی ہیں جیوں اپچھرا جی کوں چھل — کہ دیکھ ان کو پانی میں دل جائے جل
کریں سیر مل رات دن خاص و عام — بناگوش اور زلف کی صبح و شام
نظر کرکے اس گوشِ پُر در طرف — سو خجلت سے دریا میں ڈوبی صدف
ہر اک نار سورج سی سوبھا دھرے — کھڑی ہو سورج کی تپسیا[4] کرے
نین دو کنول اور دو گل ہیں گلال — کلی چنپے کی ناک کو ہے مثال
دو جوبن سے سینہ ہے گلشن سکل — لگے جس میں لیتاں سے امرت کے پھل
دو روما دلی نے یوے گلشن کو آب[5] — اسی چشمۂ ناف پر دل حباب
کہوں آگے کیا شرم کی بات ہے — کہ امرت کا چشمہ بہ ظلمات ہے
جسے عشقِ خوباں سے لاگے ہے خو — پھرا دے وو کب ماہ رویاں سے رو
نظارہ اناں کا کروں صبح و شام — مجھے رات دن ہے نکویاں سے کام

---

۱ بانو: گویا کہ۔ جیسے کہ

۲ اناں: ان کی جمع۔ اگلے زمانے میں ان کا لفظ واحد کے طور پر مستعمل تھا۔ میر کا مشہور شعر ہے

میر کے دین و مذہب کو تم پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

۳ موے کمر: اضافت تشبیہی ہے، جیسے مارِ زلف۔ کمر جو بال کی سی یعنی نہایت پتلی ہے

۴ سورج کی تپسیا کرنا: سورج دیوتا کو خوش کرنے کے لیے ریاضت کرنا۔

۵ آب دینا: پانی دینا، سینچنا، چمکانا، بارونق کر دینا۔

بیان میلہ بہتہ

آج بہتے[۵۱] کا یار میلا ہی — خلق کا اُس کنارے ریلا ہی
مرد و زن سب چلے ہیں اُس جا پر — خلق پھیلی کنارے دریا پر
بہل و گاڑی میں سب چلیں نسواں — کوچہ بازار میں ہوا چیں چاں[۵۲]
اہل حرفہ چلا ہی سب اقسام — آج سب کا بنے گا اس جا کام
پال تمبو کھڑے ہیں اس جا پر — لوگ گرتے ہیں سب تماشا پر
میوہ اور شیرینی ہی سب اقسام — اُردو[۵۳] بازار بن گیا ہی تمام
سب ہی واں بلکہ دودھ[۵۴] چڑیا کا — یہ سبھی معجزہ تماشا کا
جاتے اس جا امیر فیل سوار — خوب رویوں سے واں لگا دربار
ایک جانب ہیں بھگتیوں کا ہجوم — خال روشن سے دونے ہیں نجوم
اور جانب ہیں کنچنی بازار — اون سے روشن ہوئی ہی و شب تار
ایک جانب ہیں بھانڈ کا ہی شور — دیکھنا اُن کا اہلِ دل کو ضرور
مسخروں سے ہی گرم سب بازار — ناچتے کودتے ہیں کھاتے پچھاڑ
ایک جانب میں نٹ کا ہنگامہ — فن میں اپنے ہیں سخت علامہ

---

۵۲ چیں چاں = عورتوں اور بچوں کا شور و غل

۵۳ اُردو بازار = چھاؤنی کی بازار۔ صدر بازار۔ بڑی بازار۔ جہاں سب چیزیں ملتی ہوں
دہلی میں قلعے کے لاہوری دروازے کے سامنے ایک بازار تھی جو شاہ جہاں بادشاہ
کی بڑی بیٹی جہاں آرا نے سنہ ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں قائم کی تھی۔ اس بازار کی لمبائی
ایک ہزار پانچ سو بیس گز اور چوڑائی چالیس گز تھی۔

۵۴ چڑیا کا دودھ = وہ چیز جو کہیں نہ ملے۔ نہایت کم یاب چیز۔

ڈھول بجتا ہے اس تماشا میں — سب رزالے کھڑے ہیں اس جا میں
ایک جا پر کھڑا ہے چرخ فلک — اس میں بیٹھے ہیں دیو و حور و ملک
راہ اوپر ہے جا بھنگیڑن کی — دو بی بی بی ہے دو کمیرن (کذا) کی
بھنگیاں کا ہجوم ہے برپا — بات[1] (یعنی) ان کی میں لگ رہا ختکا
پی قدح سب پڑے ہیں اس جا پر — لعنۃ اللہ ان کے غوغا پر
اور جانب میں ہے شراب فروش — مست اس جا ہیں کرتے جوش و خروش
لات مکّی بی ہوتی ہے اکثر — ہو رہے داں فسادی در پر
ہے رزالے کا خود نمائی کام — تاکہ نکلے اناں میں اُس کا نام
گل فروش ایک سمت بیچے ہار — اُس کی دو کان پر ہوا ہے بہار
اس کے بیٹھا ہے آگے تنبولی — اس کی چولی میں ہے بھری ڈھولی
پاس بیٹھا ہے اس کے حلوائی — بیچتا سب طرح کی میٹھائی
پوستی سب کھڑے ہیں اس جا پر — جان دیتے ہیں نام حلوا پر
لبجی (کذا) اُس بیچ خود نمائی میں — سب رزالے بی بے حیائی میں
سب چکورے بھنگیڑ خانے پر — جیسے کوّے ہیں آشیانے پر
گرم مرغ الذی (کذا) سے سب بازار — اُن کو حیوان و دیو و دو میں شمار
بیچے بی اس مکان میں حاضر — جنسِ رسوائی کے سبی تاجر
گبر، ترسا، ہنود، مسلم ساتھ — پھرتے بازار میں پکڑ کر ہاتھ

---

[1] اس مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر بات میں لفظ ختکا استعمال کرتے ہیں۔ بات بات میں ختکا کا لفظ ان کی زبان پر آتا ہے۔ انشا نے ذیل کے شعر میں نشہ بازوں اور آزادوں کی زبان سے لفظ ختکا استعمال کیا ہے ؎

اپنے ختکے سے جو سبزہ نہ ملا ہم آزاد — توڑتی چلتی ہیں بھلا پوست تو مل سکتے ہیں

وآفرین پر مشتمل صادر ہوا۔ خود فدائی خاں ہفت صدی چار صد سوار کے منصب سے ترقی پاکر ہزاری ہفت صد سوار کے منصب پر سربلند ہوا اور خلعت خاصہ، شمشیر زرفشاں مع ساز مینا، عراقی گھوڑا مع ساز طلائی صد جُھری اور گیارہ ہزار روپے قیمت کا ہاتھی سرکار شاہنشاہی سے اُس کو عنایت ہوا۔ جلوس عالم گیر کچھ الیسویں سال ۱۱۱۲ھ میں فدائی خاں ترہت اور دربھنگہ کا فوج دار مقرر ہوا اور اُس کے منصب دو ہزارو پانصدی دو ہزار و پانصد سوار پر پانصدی کا اضافہ بلا شرط کیا گیا۔

زبردست خاں | زبردست خاں نے اپنے باپ کی نظامتِ بنگالہ کے زمانے میں رحیم خاں افغان پر، جس نے بردوان اور بعض دوسرے محالوں پر قبضہ کرکے رحیم شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، فوج کشی کرکے اُس کو شکست فاش دی تھی۔ عالم گیری عہد کے چالیسویں سال ۱۱۰۸ھ میں زبردست خاں جونپور کا فوج دار اور ۱۱۰۹ھ میں صوبہ اودھ کا ناظم مقرر ہوا۔ اور سہ ہزاری دو ہزار و پانصد سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اس کے بعد وہ پنجاب کا صوبہ دار مقرر ہوا اور عہد عالم گیری کے اُنچاسویں سال ۱۱۱۶ھ میں اجمیر کا صوبہ دار ہوا اور چار ہزاری سہ ہزار یا چار ہزار سوار کا منصب پایا۔

زبردست خاں کا اصلی نام محمد خلیل تھا۔ اُن کو پہلے 'زبردست خاں' اور بعد کو 'علی مردان خاں' خطاب ملا تھا۔ وہ عالم گیری اور جہاں دار شاہی عہد کے بڑے امرا میں تھے۔ ۱۱۲۵ھ میں لاہور میں اُن کا انتقال ہوا۔ میرزا محمد حارثی بدخشی دہلوی جو محمد شاہ کے عہد میں موجود تھا، اپنی تصنیف تاریخ محمدی میں ۱۱۲۵ھ کے ذیل میں لکھتا ہے:۔

"محمد خلیل مخاطب بہ زبردست خان ثم بہ علی مردان خان ابن ابراہیم خان علی مردان بن امیرالامرا علی مردان

بھل ور کتھ میں بھری ہیں سب عورات
آشنا ساتھ اپنے کرتیں بات

سیر کرتی ہیں اس طرح ہر سو
سب نظر میں ہے چشم اور ابرو

کلکلاتی ہیں آب میں ہر دم
طاق پر دھر رکھی ہے سب نے شرم

آگے پیچھے کھڑے ہیں ان کے حریف [۵۱]
واں مساوی ہیں سب وضیع و شریف

ہے سندیسا لگا اصیلاں سات
کہ کہاں آویں ہم کہو اس رات

وعدہ ہوتا ہے اُن میں جب پختا (پختہ)
جا اترتی ہیں رات کو ہر جا

ٹھور ٹھور ان کے آٹلیں ہیں حریف
نذر کرتی ہیں سب وجودِ شریف

جمع ہوتی ہیں قحبہ زانی پاس
خوف ان کو نہیں ہے کچھ نہ ہراس

کارِ بد میں سبھی ہیں آلودہ
فسق بیٹھا ہے جیسا فالودہ

رات اس جا میں یوں گزرتی ہے
قحبہ زن کام اپنا کرتی ہے

صبح ہوتی ہیں سب رواں گھر کوں
زیب دیتی ہیں اپنے مندر [۵۲] کوں

ہے یہ حاصل تمام میلے کا
اس بجز [۵۳] کچھ نہ نفع ریلے کا

تا جہان است ایں چنیں باشد
شور و ہنگامہ بر زمیں باشد

فائز از ہم نشینِ بد بگریز
با نکویاں چو شہد و شیر آمیز

معصیت ہے تمام فسق و فجور
حق رکھے ہر کسی کو اس سے دُور

نیک نامی جہاں میں حاصل کر
عشق میں حق کے دل کو واصل کر

لے حقیقی کو دور کر تو مجاز
زانکہ [۵۴] ہے یہ طریقِ اہلِ نیاز

عشق معبود کا مناسب ہے
خالق اس کالبد کا وہ رب ہے

---

۵۱ حریف = مقابل۔ جوڑ۔ جوڑا۔

۵۲ مندر = مسکن۔ گھر

۵۳ اس بجز = اس کے سوا

۵۴ زانکہ = از آن کہ۔ اس لیے کہ

سب کو اس جا رجوع[51] ہی آخر — جس کو یہ اعتقاد نہیں کافر
جرم بخشی کر ای خدا ہم پر — نظر قہر ہم سے تو کم کر[52]
ہم گنہ گار تو غفور کریم — ہم ہیں بدکار تو ودودِ رحیم
فضل تیرا ہی بحرِ بے پایاں — گرچہ ہم ہیں تمام پُر عصیاں

بہ طفیلِ محمدِ عربی
بخش دے تو گنہ سبھوں کے سبی

تعریف جُوگن

حسن کا کل کیا بنارس سیر — ماہ رویاں کا ایک دیکھا دیر
آئی مجھ چک[53] مڑھی میں ایک جوگن — مت میں مجھ گھٹ کی اُس بسا جوبن دل ن
وہ چہ[54] جوگن ہزار چھند بھری — جوڑے[55] میں باندھے اس کے دیو پری
بیٹھی تھی مرگ چھالے کے اوپر — مہ رخاں بیچ اسے نہ تھا ہم سر
سر سے پا لگ تمام ننگی تھی — اس کے پنڈے پر ایک لنگی تھی
کم ہی اس مکھ سوں جوت چندر کی — چیری اس اپچھرا ہی اندر کی
جوڑا بالوں کا باندھ کر جوگن — بیٹھی تھی کنڈلی مار اک ناگن
دل اتیتاں کے ڈس کے کرتی بند — سر کے پیچھے رکھی لپیٹ کمند

---

51. رجوع = پلٹنا، واپسی
52. کم کر = فارسی میں کم کن نکن کے معنوں میں بھی آتا ہی۔
53. آئی مجھ چک = میری آنکھ میں آئی، مجھے دکھائی دی۔
54. وہ چہ جوگن = واہ کیا جوگن (ہی)۔
55. جوڑے میں باندھے = جوڑے میں بندھے ہوئے، حکم کے تابع۔

جوڑا نہیں گنید[۵۱] ہو کنھیا کی　　یا سہس[۵۲] ناگنی ہو دریا کی
سرو تھا دیسری وو قامت کا　　بن میں جوگی ہو کبک اس گت کا
تن چڑھا راکھ گل میں سٹ سیلی　　قمری اس سرو کی ہو اک چیلی
مور اُس داغ کا پہن کنٹھا　　نٹوا اس بزم کا ہو کنونٹا
کویل اس عشق بیچ بے بیراگ　　کوک سنگی (کذا) بجا کے گاتی راگ
رہ کھڑا ایک پانو پر بگلا　　ہو تپسی وو بحر جیو بن کا
مرگ سی چک سول کھینچ ہرن کی کھال　　پگ تلیں بیٹھی مرگ چھالا ڈال
نہیں چھپا تن بھبھوت میں سارا　　راکھ میں حسن کا ہو انگارا
جب کرے تپ[۵۳] سورج کی ٹھاڑی رہ　　چرخ نہوڑے "نمو نرائن"[۵۴] کہہ
نہ پری تھی نہ حور وو جوگن　　راکھ میں ایک شعلۂ جوبن
کرتی تالاب میں وو جب اشنان　　سب کنول ہوتے نرگسِ حیران
اس کوں دل دیکھ ہوا ہو بیراگی　　اس میں سیماب سی ہو بے تابی
برق جاں سوز ہو وہ چنچل نار　　وَ قِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

۵۱، ۵۲ کنھیا یعنی کرشن کے گیند اور سہس ناگنی یعنی ہزار ناگنوں کا قصہ یہ ہے۔ متھرا کے قریب جمنا میں ایک دَہ یعنی کنڈ تھا جس میں کالی ناگ رہتا تھا اور اسی وجہ سے وہ کنڈ کالی دَہ کہلاتا تھا۔ اُس ناگ کے ہزار پھن تھے اور اس کی ہزار ناگنیں تھیں۔ ایک مرتبہ لڑکپن میں کرشن گوالوں کے بچوں کے ساتھ جمنا کے کنارے گیند کھیل رہے تھے اتفاق سے ان کا گیند کالی دَہ میں گر پڑا۔ کرشن اس کو نکالنے کے لیے کنڈ میں کود پڑے اور پاتال میں ناگ لوک میں پہنچ گئے۔ وہاں کالی پڑا سو رہا تھا اور اس کی ناگنیں جاگ رہی تھیں۔

۵۳ سورج کی تپ کرنا = سورج دیوتا کو خوش کرنے کے لیے تپسیا یعنی ریاضت کرنا۔

۵۴ نمو نرائن = نارائن کو نمسکار کرتا ہوں۔ خدا کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

در وصفِ کاچن

بھون آئی ہمارے ایک کاچن — دو گال صفا ہیں اُس کے درپن
پھرتی او سورج سی دن کوں در در — میواں سوں بے سر تارے چندر
سنبل کے لٹے ہیں سر کے اس بال — نرگس سے نین ۔ گل سے دو گال
زنبق کی کلی سی ناک کی چھب — غنچہ سا دہان و برگ گل لب
گلنار کی پکھڑی جیب کی بھانت — تھے دانے انار موتی سے دانت
خوبی کے گہر کا سینہ عمّان — تھے اس میں حباب سے دو پستان
ابھری ہیں کچ اس کی جیوں سپاری — گہنے سے لگے[ن] بہت پیاری (لکھے[ن])
دیکھا ہیں شکم کا صاف تالاب — تھی ناف بعینہ جو گرداب
اس آگے اندیشہ سب ہو اگم — آ ہوے خیال کا گرا سم
دیکھ اس کی کچاں کے دو اناراں — ہوتے ہیں خراب بے قراراں
جب بولے پکار لیو میوا — سیوا کریں اس کی رام دیوا[1]
چھن چھن بجیں ہاتھ بیچ کنگن — جھن جھن کریں پانو بیچ پیجن
زیبندہ ہو اس کے پاگ میں چہر — نٹھرائی سوں سب کوں دیتی اُتر
ایک چھن میں کرے انیک انداز — ہو دل کے لبھانے میں[ن] دو ممتاز (بیچ[ن])
دھک بیٹھے ادا سے جب مٹک کر — سب جی کے نشانے مارتے تک کر
چوڑی سے لگے بہت پیاری — اس کی ہو ادا اسی نیاری (ہو طرز و طرح میں نیاری)
دل باغِ جمال کا ہو مالی — کرنے لگا سیر ڈالی ڈالی
اُس حسن کا دیکھ تازہ گل زار — فائز ہوا عشق میں[ن] گرفتار (سوں[ن] دل افگار)

---

[1] رام دیوا = بڑے بڑے روحانی مرتبوں پر پہنچے ہوئے لوگ۔ سادھو سنت۔ عابد و زاہد

تعریفِ تنبولن

ایک تنبولن دیکھی ہیں دل ربا
ماہ رخاں بیچ بہت خوش ادا

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین
اس کا ہوا عشق مجھے فرضِ عین

بانکڑا سی تھی ہاتھ میں اس کے ہری
بیٹھی تھی دوکان میں وہ جیوں پری

کجلا دیا نین میں دنبالہ دار
حسن سے اس حور لقا پر بہار

ہونٹاں اُپر زیب دیتی تھی دھڑی
گل (گلے) میں پتی (تھی) موتیاں کی اس کو لڑی

کڑوے بچن کتھ سے جو کرتی غضب
چونے سے بدتر ہوے دل جل کے سب

کچ وو سپاری سی رہی تھی اوبھر
کرتی تھی عشاق کا ٹکڑے جگر

پان پھراتی[۵۱] تھی وو جیب برو کاں
جگ کے پھراتی تھی آپس پر دلاں

بیڑے لے اُس ہاتھ سوں اہلِ نظر
پان چباتے تھے ز لختِ جگر

کیلے کے گابھے سے ملائم وہ ہات
دیکھ کے مرجھاتے تھے کیلے کے پات

نت دل عشاق کی چوری کرے
ہاتھ میں لے اپنی گلوری کرے

پپڑی لباں پر جمے[۵۲] اُس دیکھ کر
نین سٹیں پیک ز خونِ جگر

پیچ میں بیڑے کے گرفتار سب
اہلِ دل اُس مکھ کے خریدار سب

در وصف بھنگیڑن درگاہِ قطب[۵۳]

ایک دیکھی ہیں بھنگیڑن دل رُبا
من ہرن، کنچن برن، حوریں لقا

---

۵۱ پان پھرانا = پانوں کو تلے اوپر کرنا تاکہ اُن میں ہوا لگ جائے اور وہ سڑنے نہ پائیں۔

۵۲ لبوں پر پپڑی جمنا = ہونٹھ سوکھ جانا، منھ خشک ہو جانا، مرعوب، متحیر اور پریشان ہونے کی علامت ہے۔

۵۳ قطب = خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو دہلی میں قطب صاحب کے نام سے مشہور ہیں (باقی صفحۂ آئندہ کو)

اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر — حسن اُس کا تھا پری سوں بیش تر
وو بھواں تیغِ جنوبی سی دراز — ہوتے صد محمود دو مکھ دیکھ ایاز
بیٹھتی چوکی پہ جب وو نازنیں — حسن کے کشور میں تھی کرسی نشیں
اس نین کا دیکھا دنبالہ بلا — لیتی دل جادو سوں دنبالے[۵۱] لگا
وو نین تھے اس کے چنچل جیوں کھنجن — جن کے دیکھے مرگ پکڑے جوگ بن[۵۲]
تھیں انیندی آنکھیں اس کی دل فریب — جس کے دیکھے دل سے جاتا تھا شکیب
ناک اس کی تھی کلی سوں خوب تر — صاف درپن سوں تھا وو مکھ بیش تر
دو ادھر تھے اس کے جیوں یاقوتِ لال — گل ہوا اس غنچہ لب کے آگے لال
دانت اس کے تھے سبی دُرِّ یتیم — لعل کرتے بات میں وو لب دو نیم
تھی دھڑی اس کے ادھر پر خوش نما — دو ادھر تھے دونوں لعلِ بے بہا
کنجِ لب پر اس کے تھا زیبندہ خال — تھے دراز اس مو[۵۳] کمر کے سر کے بال
ناگنی سی تھیں لٹاں دو اس کے بر — ہوش اُن دیکھے سے جاتا تھا بسر
جیوں کلی تھا رنگ فندق دل ربا — گل سے افزوں تھی ہتھیلی میں صفا
از حنا سرپنجہ ہا عناب رنگ — می پرید از دیدنش از کلہ[۵۴] بنگ

(بقیہ صفحہ ما قبل) سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ماوراء النہر سے ہندوستان آئے اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو انتقال کیا۔

۵۱ دنبالے لگا لیتی = اپنے پیچھے لگا لیتی ہے، اپنے اوپر فریفتہ کر لیتی ہے، موہ لیتی ہے۔

۵۲ جوگ بن پکڑے = فقیری کا جنگل اختیار کرے، فقیر بن کر جنگل میں جا رہے۔

۵۳ مو کمر = جس کی کمر بال کی سی باریک ہو یعنی بہت پتلی کمر والی۔

۵۴ بنگ از کلہ پا از سر پریدن کے معنی ہیں بھنگ کا سر سے اڑ جانا یعنی نشہ اتر جانا۔ مصرعے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دیکھنے سے نشہ ہرن ہو جاتا تھا۔ مدہوش آدمی ہوش میں آ جاتا تھا۔

دل فریبی کی ادا اس کی انوپ روپ میں تھی رادھکا سوں بھی سروپ
پر تکلف پہنی تھی اس نے وو کول جاتی تھی جس دیکھ سدھ بدھ تن کی بھول
سب الجھوکن اس کے تن پر خوش نما تھا دوپٹا بادے کا پُر جھلا
پیشواز[۵۱] اس کی دو دامی ڈانگ دار دل گرفتار اس میں ہو "تا" تار تار
پا میں تھی شلوار زربفت طلا گُرتہ فانوسِ دو شاخہ پُر جھلا
مرتے تھے عشاق دیکھ اس خوب رو کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وجہہٗ[۵۲]
خوش نما تھا اس کے پگ میں پائے زیب ایڑی نارنگی و دو تلوے تھے سیب
دو لڑا مالا و بدّھی اُرسی[۵۳] ریسماں بازی میں گہنے کی پھنسی
مُرکی[۵۴] و نتھ، مانگ، ٹیکا، کان پھول دیکھ کر گئی سدھ سکل تن من کی بھول
باہو و پہنچی و کنگن پچھیلڑی سر سوں تھی پالک جواہر میں جڑی
پھبتی تھی بنگ بوزا اور شراب کرتی تھی عشاق کوں رسوا خراب

---

۵۱ پیشواز = ایک گھیردار زنانی پوشاک جس کے دامن گھٹنوں سے بہت نیچے ہوتے ہیں اس کی شکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک شلوکے میں لہنگا جوڑ دیا جائے۔ ایک زمانے میں پشواز مسلمان عورتیں پہنا کرتی تھیں اُس کے بعد اس کا استعمال دلہنوں کے لیے مخصوص ہو گیا، رنڈیاں، ڈومنیاں اور بھانڈ ناچتے وقت پشواز پہن لیتے تھے۔ اودھ کے قصبوں میں مسلمان نادنیں بالعموم سرخ پشواز پہنتی تھیں۔ اب کچھ دنوں سے یہ پوشاک تقریبًا بالکل متروک ہو گئی ہے۔

۵۲ کُلُّ شَیءٍ ہالِکٌ اِلَّا وجہہ = ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوا اُس کی ذات کے۔

۵۳ اُرسی = ایک زیور کا نام ہے۔

۵۴ مُرکی = (دیکھو فرہنگ) جمرات کہتے ہیں

صبح کا تارا خجل ہو دیکھ بندے کی لٹک
دیکھ سورج یہ جڑاؤ مُرکیاں تھرائے ہے

کہتی تھی ہر اک سوں وو آشوبِ جاں[1] — دَعْ کُؤُسًا وَ اسْقِنِیْہَا بِالدِّنَان
سب کو کہتی تھی بہ آواز بلند — قحبہ خانے میں ہے آنا سو دمند
دل سوں راکھو ننگ دور ای عاشقیں — اِن تَکُوْنُوا نِی ھَوا انا صَادِقِیْن
تھے انیک اس نار کے متیر و میت — غمزے سوں ہر اک کا دل لیتی تھی جیت
دل و انکھیاں میں نہ تھا اس عشق و لاج — رکھنی وہ ساماں بنانت زر سوں کاج
مجھ کو اس رہ پر ہوا ناگہ عبور — پس توقف لازم آیا بالضرور
ایک چمن میں نے کیا اس جا درنگ — تا نظر آئے تماشا رنگ رنگ
مجھ کوں کہنے لاگی دو حور ریں نقا — خوش صفا کلدن اونترکلدن صفا (کذا)؟
سب کو دکھلا جام کہتی تی دو حور — اِنَّہَا مِفْتَاحُ اَبْوَابِ السُّرُوْر
طرفہ مجلس تھی عجب ہنگامہ — حسن سے تھی وو بلائے عامہ
ہر طرف بجتا تھا طنبور و رباب — ہر طرف بکتا تھا بوزا اور شراب
خندی اور بازاری اُس سنگت میں جمع — ہر طرف ٹچے کھڑے تھے مثل شمع
صف بہ صف ٹچے کھڑے تھے پیش رو — کابلی بچے بہم در گفتگو
جیوں کسائی کی دوکان آئے گلاب — لچنے سب کرتے تھے ہر دم اضطراب
تھے ہجوڑے سب دہیائے بگاڑ — ہر طرف اُن کی کھڑی تھی ایک دھاڑ
تھے رزالے اور چکورے گرد و پیش — پاک بازاں دیکھ کے تھے سینہ ریش
سفلے کوں ہے خود نمائی سوں شرف — آدمی زادے نہیں ہوتے ہدف
کام ہے نا جنس کا مکّی و لات — اس بغیر اُس کو نہیں آتی ہے بات
دیسی مجلس میں کے تھے سب دیو ودو — کھا گئے وو دیکھ صحبت نیک و بد

---

[1] آشوب جاں = بلائے جان۔ آفت جان

دو نکت فوناں میں آئی گفتگو[۱] جمدھر و تلوار پکڑی روبرو
آں یکے برجست و تیغش زد بسر دوسرے نے اس کو پکڑا از کمر
شَقَّ بِالسِّکِّینِ فَوْرًا صَدْرَہٗ فِیْ مُحَاقِ الْمَوْتِ اَخْفیٰ بَدْرَہٗ
کھل بلی ناگہ پڑی اس بزم میں سب نظر کرنے لگے اس رزم میں
برہم و درہم ہوئی سنگت تمام یہ فساد اس جا ہوا ز دیک شام
چند تن آخر ہوے چو تیا شہید موت کتے کی موے کیتے پلید
فائزؔ از بزم لئیماں دور باش بانکویاں روز و شب محشور باش

تعریف گوجری

گوجری پر ہوا ہے دل مایل[۲] من ہوا اس لب کے بوسے کا سایل
وہ چھ گجری غزال رعنا ہے ماہ رویاں کے بیچ لیلا ہے
بھوںھ اس کی کمان ترکش آنکھ تیر پلکاں کے کج شابہ بانک
گال دو چاند دھوپ سوں روشنا دو نین ہیں چکور یا کھنجن
لال ڈوراں سے نین جال فریب یک نظارے میں دل بے جاوے شکیب
نین اس کے غزال سوں بہتر تیر پلکاں بعینہٖ خنجر
رنگ مکیں آنکھیں اس کی ہے شہلا سک مکیں الکن اس کی ہے زیبا؟
خجل اس مکھ سوں غنچہ بستاں وہ تبسم ہے آفت دل و جاں
دستہ سنبل کا سیس کا جوڑا دل لیوے ہات، ہات کا چوڑا[۳]

---

۱ نکت فوں = اس لفظ کے وہی معنی معلوم ہوتے ہیں جو اس زمانے میں اگڑفوں کے ہیں۔

۲ گوجری = گوجر قوم کی عورت۔

۳ چوڑا۔ بڑی چوڑی۔ کنگن۔

سینہ بند اس کے دونوں پستاں کچ　　کھلی جیوں قرق کی اناراں پر

ہاتھ مہندی سوں غنچۂ مرجاں　　دیکھ جس[۱] دیتے عاشقاں مرجاں

دو کماں سی بھواں نگہ شمشیر　　ہے دو بالا تفنگ پلکاں تیر

حسن میں ہے تلوتما[۲] سوں زیاد　　غمزہ و عشوہ میں ادھک استاد

رات دن اس کی دل کرے سیوا　　جب کیے ناز سوں کہ موہی دیوا ؟

سر مٹکیا دہی کی کہتی مٹک　　لے دہی لے دہی پری سی لٹک

وہ مٹکیا نہیں بھری ددھ[۳] سوں　　بے تکلف کے ہے بھری مدھ سوں

دل گرفتار اس کے کنگن میں　　صافی[۴] اس مکھ سی کب ہے درپن میں

بازو کو اس کے میں لگایا دست　　ہو کے جام نگاہ سوں بدمست

بول اٹھی ناز سوں کہ شونہ کر یہ　　تہارے شاشونے دیکھتا شونہ دیکھ ؟

فائز اس کا ہے عشق مجھ سرشار

لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّار[۵]

رقعہ (۱)

مہرباں ہم پر نہیں تو اے نگار　　اس سبب سے دل ہے میرا بیقرار

تجھ بنا راحت نہیں ہے ایک چھن　　لو لگی ہے مجھ کو تیری رات دن

مہربانی کر، کرم کر، اے پری　　ہے مناسب دلبروں سے دلبری

---

[۱] دیکھ جس = جس کو دیکھ کر۔

[۲] تِلوتما = اندر کے اکھاڑے کی ایک اپسرا (پری)

[۳] دَدھ = دہی۔　　[۴] صافی = صفائی۔

[۵] لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّار = گھر میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

خان زیگ از کبار امرائے عالم گیری و جہاندار شاہی درلاہور

فوت شد ۔"

فائزؔ انھیں زبردست خان کے فرزند اور اسی دودمان عالی شان کی یادگار تھے۔[۵۱]

زبدۃ النسا زبردست خاں کی ایک بیٹی زبدۃ النسا اپنے والد کی صوبہ داری اودھ کے زمانے میں لکھنؤ میں مقیم تھیں۔ ائمۂ معصومین کی مدح میں فارسی نظموں کا ایک ضخیم مجموعہ میں نے دیکھا ہے، جس کا زیادہ حصہ ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے تین جگہ اپنا نام اس طرح لکھا ہے:۔

"زبدۃ النسا بنت زبردست خان ابن ابراہیم خان
روز پنجشنبہ ہشتم صفر در لکھنؤ نوشتہ ۔"

"این بحر طویل و ہردو مدح و رباعی را زبدۃ النسا
بنت زبردست خان نوشتہ است ۔"

"این ابیات را زبدۃ النسا بنت زبردست خان
نوشتہ است ۔"

زبردست خاں وفائیؔ[۵۲] مصحفیؔ نے عقد ثریا میں، کنور رتن سنگھ زخمی نے انیس العاشقین میں اور نواب حسن علی خاں نے صبح گلشن میں ایک زبردست خاں کا ذکر کیا ہے جو فارسی میں شعر کہتا تھا اور وفائیؔ تخلص کرتا تھا۔ مصحفیؔ اور ان

---

۵۱ فائزؔ کے بزرگوں کے حالات عالم گیر نامہ، مآثر الامرا، مآثر عالم گیری، تاریخ کشمیر اعظمی، گلزار کشمیر، زبدۃ التواریخ، جامع التواریخ، مفتاح التواریخ، تاریخ محمدی اور تذکرۃ السلاطین چغتا سے لیے گئے ہیں۔

۵۲ یہ عالم و فاضل شخص تھے اور ترقی کر کے سلطنت اودھ کے عمائد میں شامل ہوگئے تھے (باقی صفحہ ۲۵ پر)

ابر رحمت سا ہو مجھ پر سایہ ور　　بے جہت کرتا ہے ہم سوں کیوں حذر

تیرے غم سوں درد میں ہوں مبتلا　　وصل بن ای جاں نہیں دل کو دوا

یوسف ثانی ہے تو ای گل عذار　　خوب رویوں میں تجھی پر ہے بہار

دو نین تجھ دل ربا ہیں جیوں پری　　مرگ کوں آن سے نہیں ہے ہم سری

دو بھواں ہیں دونوں تیغِ آبدار　　خنجرِ مژگاں کی ہیگی تیز دھار

زلف سنبل، گال گُل، ہے لالہ رو　　تجھ کو دیکھا خوب ہم نے مو بہ مو

سرمہ چشمِ مست کا دُنبالہ دار　　عقل کا کرتا ہے تیرہ روزگار

چھب سے تیری سرو ناموزوں ہوا　　داغ سے تجھ لالہ غرقِ خوں ہوا

گل چمن میں ہجر سے ہے سینہ چاک　　ڈالتا ہے بلبل اپنے سر پہ خاک

دلبراں میں تو ہے سب کا بادشاہ　　وو ستارے ہیں زمیں کے تو ہے ماہ

مہ لقاں ہیں تیرے آگے سب غلام　　کرتے ہیں سب ہاتھ بستہ تجھ سلام

تیری چھل بل نے کیا دیوانہ دل　　جگ کی الفت سوں کیا بیگانہ دل

تیری دوری سے ہے سوسن سیاہ پوش　　تا سنے تجھ نام گل ہے شکل گوش

ناتواں نرگس ہوئی تجھ فکر میں　　نت ہے بلبل میری جاں تجھ ذکر میں

چشم بر رہ تیری نرگس روز و شب　　ہے کنول باد اُس کو تیرے غم سوں اب

تجھ برہ میں جل کے ہے سنبل کباب　　کھاوے تیری زلف سا دو پیچ و تاب

چاک دل تجھ عشق میں صد برگ ہے　　زنبق و نسریں کو تجھ بن مرگ ہے

تجھ جدائی سے چمن ہے خار زار　　باغ میں تجھ بن نہیں ہے کچھ بہار

فائزِ شیدا سوں کر ای جاں ملاپ
بے گناہوں کا عبث لینا ہے پاپ

رقعہ (۲)

سلام علیکم علیکم سلام — سنو ٹک ہمارا سجن یو پیام

نہ پاتی نہ پیغام بھیجے مجھے — ترے عشق کی آگ کیوں کر بجھے

نہیں مثل سیماب مجھ دل کوں چین — نہ دن کل پڑے ہے نہ ہے نیند رین

خبر اپنے عاشق کی تجھ کوں نہیں — اگرچہ بھری اس کے غم سوں زمیں

تجھے ڈھونڈتا ہوں میں ہر صبح و شام — نہیں مجھ کو اس فکر بن اور کام

ہر اک دل ہے تجھ درد سوں غم کدہ — جہاں تیرے غم سے ہے ماتم کدہ

بچھڑنا بہت تجھ ستی ہے کٹھن — اگن برہ کی ہے سقر کی اگن

تری زلف میں دل گرفتار ہے — ترے ہجر سوں دل شبِ تار ہے

تو نچنت دائم ہے ایام میں — تو بے فکر ہے عیش و آرام میں

ترے ناز سوں دلبروں کو نیاز — ہیں محمود تیرے ہزاراں ایاز

ہزاروں ہیں لیلیٰ سے مجنوں ترے — ہیں صد ہیر رانجھا سے مفتوں ترے

تجھے دیکھ فرہاد اے خوش ادا — کرے رات دن جانِ شیریں فدا

جو مجنوں تجھے دیکھے اے خوش خرام — زباں پر نہ لاوے وو لیلیٰ کا نام

مرے دردِ دل کا ہوا اک دم طبیب — جدائی سوں تیری ہوا ناشکیب

پھرا دل سوچ میں تیرے میں در بدر — ولیکن نہیں تجھ کوں اصلا خبر

بھلا وو نہیں خاطر شاد سوں — فراموش نہ کر ڈالو مجھ یاد سوں

نہ کر بے دلاں پر جفا اس قدر — ٹک آہِ غریباں ستی کر حذر

ستم پیشہ اپنا نہ کر دہر میں — ادھرمی کہاوے گا سب شہر میں

اٹھا بے تکلف ہو مکھ سوں نقاب — مناسب نہیں عاشقوں سے حجاب

اپس وصل سوں دل مرا شاد کر — مجھ آغوش کے گھر کوں آباد کر
ترے ہجر سوں غم میں ہوں مبتلا — نہیں وصل بن عشق کی کچھ دوا
کرو مہربانی سیں مجھ سے ملاپ — بلاو مجھے یا تمھی آؤ آپ
نین تجھ سوں لاگے نین کی قسم — نہیں غیر دل میں سجن کی قسم
ترے وصل کی فکر میں ہوں خراب — جدائی سوں دل ہور ہاہی کباب

کرم ھامت توفآئنہ کواہی دل ربا
کرم کر جمالِ مبارک دکھا

رقعہ (۳)

میری جاں ہم سیں نہیں ملتی ہو — باغ میں میرے نہیں کھلتی ہو
تم بنا دل کو نہیں ہی آرام — دل کے خانے میں تمھارا ہی مقام
میں ہوں تجھ یاد میں نس دن حیراں — تو رقیبوں کے چمن میں خنداں
ڈھونڈتا ہوں میں تجھے شام و سحر — لیک پاتا نہیں کچھ تیری خبر
تجھ بنا میں ہوں جیوں مچھلی بن جل — عشق تیرا ہوا مجھ کو آنکل[۵۱]
تو ہی دل شاد رقیبوں کے پاس — میرے دل میں ہی بہت تیری آس
رحم کر رحم جفا جو مجھ پر — مہر کر اے بتِ بد خو مجھ پر
تیری انکھیاں نے کیا ہی مجنوں — درد سے تیرے ہوا ہوں دل خوں
تیرے نیناں ہیں مگر جادو گر — کہ مجھے عقل سے ڈالا ہی بدر[۵۲]
دو آدھر تیرے ہیں جیوں امرت پھل — شیرینی میں ہیں مگر شانِ عسل[۵۳]

---

۵۱ آنکل = دیکھیے فرہنگ — ۵۲ بدر ڈالا ہی = باہر نکال دیا ہی۔ خارج کر دیا ہی۔
۵۳ شانِ عسل = شہد کا چھتا۔

طاق ابرو نے کیا خلق خراب — قبلہ میرا نہیں جز یہ محراب
تجھ بناگوش سے درپن حیراں — دل ہو نظارے پہ اس کا قرباں
ہر پلک تیری ہے ای جاں خنجر — ہر نگہ صبر کی ہے غارت گر
اُن کپولاں آگے گل ہے بیرنگ — غنچہ اس غم میں نہایت دل تنگ
زلف تیری ہیں کمند ای دلبر — خجل اس مو سے ہوا ہے عنبر
سیب ہے تجھ زنخ آگے بے قدر — رین میں زلف کی چہرہ جیوں بدر
جامہ زیبی میں نہیں تجھ ثانی — تُو ہے خوبی میں جیوں نقشِ مانی
سرو تجھ قد سے ہوا ناموزوں — گُل ترے مکھ کے غم سوں دل خوں

آ تجھ آغوش میں ای شاہ بتاں
کہ کروں تجھ پہ دل و جاں قرباں

فرہنگ

اَبکم ۔ گونگا

ابھوکن ۔ ابھوکھن ۔ ابھوشن، زیور

اپچھرا = اپسرا ۔ اندر کی سبھا میں ناچنے والی حسین عورت

آپس = اپنا ۔ اپنے ۔ اپنی

اَت = بے حد ۔ بہت

اُتر = جواب

اَتیت = سادھو ۔ سنیاسی ۔ جوگی ۔ فقیر

اَتیتاں = اتیت کی جمع

اُجارا = اُجالا = روشنی

اجھوں لگ = اب تک ۔ آج تک

اَدَھر = ہونٹھ ۔ لب

اَدھرمی = بے دھرم ۔ بے ایمان ۔ بے انصاف ۔ بدمذہب

اَدِھک = زیادہ ۔ بہت

اُربسی = ایک زیور ۔ اندر کے اکھاڑے کی ایک اپسرا یا پری

آرسی = آئینہ

ارگجا / ارگجہ } عطروں اور خوش بوؤں کا ایک مرکب

اصیل = ماما ۔ خادمہ ۔ لونڈی ۔ باندی

اقامت = کھڑا ہونا ۔ ٹھہرنا

اگری = اگر صندل کی طرح کی ایک خوشبودار لکڑی ہوتی ہے - اس کی دھونی سے کپڑے بسائے جاتے تھے ۔ اگری میں یائے نسبتی ہے

اگن = آگ

امام - سردار - پیشوا ۔ بادشاہ

امامت = سرداری ۔ پیشوائی ۔ بادشاہی

امرت پھل } وہ پھل جس کے کھانے سے آدمی ہمیشہ جوان رہتا ہے
امرت کا پھل } سیب اور ناشپاتی کو بھی کہتے ہیں ۔

انجن = سرمہ - کاجل

انجھو = آنسو - انجھواں جمع

اِندَرُ = اِندَرُ ۔ دیوتاؤں کا راجا جو سُرگ یا بہشت میں رہتا ہے اور پانی برساتا ہے وہ حسین برہنہ عورتوں سے گھرا رہتا ہے اور انتہائی عیش کی زندگی بسر کرتا ہے ۔

اندیاری = اندھیاری ۔ اندھیری - تاریک

آتُنکل = گہرا - بہت زیادہ ۔

آنکھ چُرانا = نظر بچانا ۔ نگاہ نہ کرنا ۔ بے رخی کرنا - انجان بننا

اَنوپ = بے مثل

اَنیک = بہت سے

اُنیندی = نیند سے بھری ہوئی ، خماری ۔ مخمور یا مدھ بھری (آنکھ)

او = وُہ

اوصیا - وصی کی جمع (دیکھو فرہنگ لفظ وصی)

آہوئے چین = چین کا ہرن جس میں سے مشک نکلتا ہے ۔

ایتا = اِتنا ۔

باب = دروازہ

بادلا = سونے چاندی کا چپٹا تار

بازاری = بازار میں پھرنے والا۔ اوباش۔ شُہدا۔

باغِ ارم = شدّاد کی بنائی ہوئی مصنوعی جنّت

بانڈ = بھانڈ

بانکڑی = ایک قسم کی لہردار چوڑی، جس کو اب بانک کہتے ہیں

باہو = بازو بند۔

بَتول = قطع کرنے والی (دنیوی تعلقات کی) پیغمبرؐ اسلام کی بیٹی فاطمہ کا ایک لقب ہے۔

بچن = قول۔ بات۔ گفتگو۔ باتیں۔

بدخشاں = ہندوستان اور خراسان کے درمیان ایک ولایت جہاں لعل کی کانیں تھیں یا لعل کثرت سے بکتے تھے۔

بَدَر = باہر۔

بَر = بدن۔ سینہ۔

بَرکھ = برس۔

بَرَن = رنگ۔

بِرہہ = بِرَہ۔ فراق۔ ہجر، جدائی

بسارنا = بھلانا، فراموش کرنا۔ بھولنا۔

بسر جانا = بھول جانا، فراموش ہو جانا، یاد سے اتر جانا۔

بسمہ = ایک قسم کا چھپا ہوا کپڑا، جس پر سنہرے روپہلے نقش و نگار ہوتے تھے جو سونے چاندی کے ورقوں سے چھاپے جاتے تھے۔ اس طرح کی چھپائی کے کام کو بھی بسمہ کہتے تھے

بَکائی = بک بک۔ جھک جھک

بِن = بغیر۔ بجز۔ سوا۔

بِنا = بن۔ بغیر۔ بے

بناگوش = کان کی لَو

بمبا = چشمہ۔ پانی کا خزانہ۔ وہ جگہ جہاں سے پانی نکلے۔

بنگ = بھنگ

بوجھنا = سمجھنا۔ جاننا

بوزا / بوزہ = } فارسی لفظ ہے۔ چاول۔ جَو یا کسی اور غلّے سے بنائی ہوئی شراب

بھانت = طرح۔ مثل۔ مانند

بھرم = عزّت۔ وقعت۔ ساکھ

بَھگتیا = رقاصوں کی جماعت کا فرد جو بالعموم رات کے وقت طرح طرح کے روپ بھر کر تماشا دکھاتے تھے۔ راجپوتانے کی ایک قوم جس کے مرد گاتے بجاتے ہیں اور لڑکیاں رنڈیوں کا پیشہ کرتی ہیں۔ ناچنے گانے اور نقلیں کرنے والا فرقہ۔

بَہل = بہل۔ بَہلی۔ ایک قسم کی بیل گاڑی جس پر زیادہ تر عورتیں سوار ہوتی ہیں۔

بھنگی = بھنگ پینے والا

بھنگیڑن = بھنگ اور حقہ پلانے والی پیشہ ور عورت۔ ساقن

بَھون = گھر

بھونہ = بھول

بی = بھی

بیاکل = بے کل۔ بےچین۔ بے قرار

بیچ = میں

بیچوں = بےچون۔ بےمثل۔ بےنظیر جس کے بارے میں یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ کیسا ہے

یہ خدا کی ایک صفت ہی۔

بے دل = افسردہ۔ مغموم۔ خواہشوں کو مارے ہوے۔

بے دماغی = نازک مزاجی۔ زود رنجی

بَیراگ = جوگ۔ فقیری

بَیراگی = فقیر۔ جوگی، تارکِ دنیا

بیڑا = پان کی گلوری

پاپ = گناہ۔ بدی۔ عذاب

پاپی = گنہ گار۔ ظالم۔ بدخو

پات = پتّا۔ پتّی

پاتی = پتری۔ چِٹھی۔ خط

پاک بازی = بے گناہی۔ صاف دلی۔ بے غرض عشق

پال = چھولداری

پالی = پرندوں۔ یعنی بلبلوں، تیتروں۔ بٹیروں اور مرغوں کے لڑنے کی جگہ چڑیوں کی لڑائی

پانی ہونا = شرمندہ ہونا۔ اب اس معنی میں "پانی پانی ہونا" بولتے ہیں۔

پائے زیب = پازیب۔ پانو کا ایک زیور جس میں بہت سے گھنگرو لگے ہوتے ہیں۔

پَجو ڑے = پاجی۔ کمینے لوگ۔

پچان = پہچان

پنچ لڑی = گلے میں پہننے کا ایک زیور جس میں موتی یا سونے کے دانوں کی، پانچ لڑیاں ہوتی ہیں۔

پچھاننا = پہچاننا

پَران = جان۔ روح۔ دم۔ سانس۔ میرؔ نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے:۔

بے طاقتی سے میرؔ لگے چھوٹنے پَران

ظالم خیال دیکھنے کا اُس کے اب تو چھوڑ

پَرَبھو = مالک۔ خداوند۔ خدا

پَرکاس = ظاہر۔ مشہور

پریت = محبّت

پریتم = محبوب۔ معشوق۔ بہت پیارا

پکھڑی = پنکھڑی

پَگ = پانو۔ پیر۔ قدم

پَل = وقت کا بہت چھوٹا حصہ۔ جو چوبیس سکنڈ کا ویاایک گھڑی کا ساٹھواں حصّہ

پل پل = ہر لمحہ

پلید = نجس۔ ناپاک۔ گندہ۔

پنڈا = بدن۔ جسم

پنجۂ مرجاں = مونگا جس کی شاخیں آدمی کے پنجے سے مشابہ ہوتی ہیں۔

پنجۂ مہر = آفتاب جو اپنی کرنوں کے ساتھ پنجے سے مشابہت رکھتا ہے

پنگھٹ = پانی بھرنے کا گھاٹ، پانی بھرنے کی جگہ۔

پنہار = پانی بھرنے والی۔

پوستی = جو پوست یعنی خشخاش کے ڈوڈے پیس کر ان کا پانی نشے کے لیے پیتا ہو۔ افیونی

پھاندا = پھندا

پہنچی = کلائی میں پہننے کا ایک زیور

پیتم = بہت ہی پیارا۔ محبوب۔ معشوق۔ پریتم

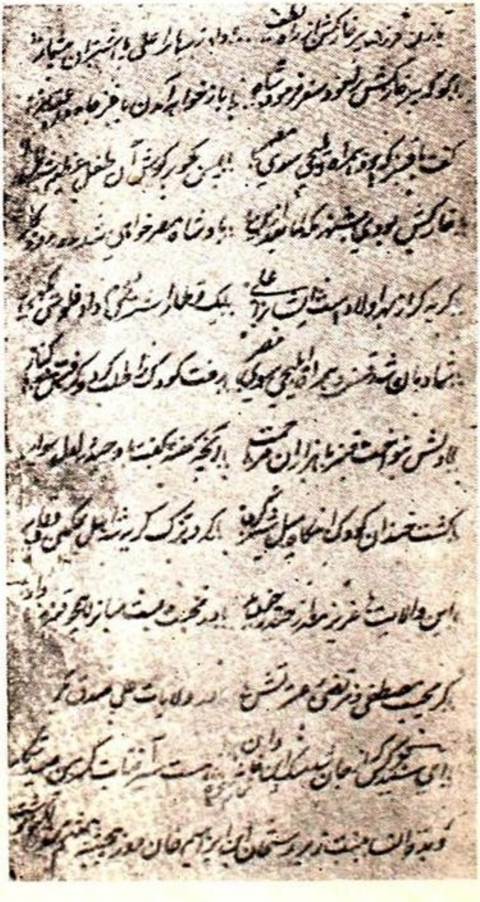

عکس تحریر زبدۃ لنسا ہمشیرہ فائز

پنیچن = جھانجھ. پانو میں پہننے کا ایک زیور. جو چلنے سے چھن چھن بولتا ہو

تپ = تپسیا۔ عبادت۔ ریاضت

تپستی = ریاضت کرنے والا

تا = تھا

تدی = تب ہی۔ تبھی

تُرک = مسلمان۔ گنوار ہندو عورتیں بعض مقاموں میں مسلمان کو تُرک کہتی ہیں۔

تُرکتازی = تاخت۔ حملہ

تل = وقت کا بہت چھوٹا حصّہ۔ لمحہ

تل تل = ہر لمحہ

تلیں = تلے۔ نیچے

تمَن = تم۔ تم کو

تمبو = خیمہ

تنک = ذرا۔ تھوڑا۔ کچھ۔ ذرا سا۔ تھوڑا سا

تُھتھانا = موں پُھلانا۔ خفگی ظاہر کرنا، ناراضی دکھانا

تی = تھی

تیغ جنوبی = دکن کی بنی ہوئی تلوار

تیں = تو

ٹُچّا = کم ظرف۔ چھچھورا۔ لُچّا۔ شہدا، پاجی۔ رذالہ۔ اوباش

ٹک = ذرا۔ تھوڑا۔ کچھ۔ ذرا سا۔ تھوڑا سا

ٹھٹھول = دل لگی۔ تمسخر۔ خوش طبعی

ٹھٹھولیاں = ٹھٹھول کی جمع

کَٹھور = جگہ

جامہ زری = سنہری تاروں یا کلابتون کا بنا ہوا کپڑا

جانی = جان سے تعلق رکھنے والا۔ پیارا۔ محبوب

جَجَریا = جھجری۔ پانی رکھنے کا ایک مٹی کا برتن۔ ججریا میں الف تصغیر کا ہے۔

جعفری = گیندے کی ایک قسم۔ ہزارہ۔ ایک قسم کا لالہ بھی لالہ جعفری کہلاتا ہے

جگ = دنیا

جل = پانی : مجازاً آنسو

جلی = روشن۔ ظاہر

جمدھر = کٹاری کی طرح ایک ہتھیار

جوبن = حسن۔ جوانی

جوت = روشنی۔ اجالا۔ چمک

جوڑا = نظیر۔ مثل۔ جوڑ

جوگی = فقیر۔ تارکِ دنیا

جوہر = وہ چیز جو قائم بالذات ہو۔ یعنی جس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر منحصر نہ ہو۔

جِہت = سبب۔ سمت

جھُرنا = سوکھنا۔ گھلنا۔ افسردہ ہونا۔ فکرمند ہونا۔ مرجھانا۔ کمزور ہونا۔

جیب = جیبھ۔ زبان

جیو = جی۔ جان

جیوں = جس طرح۔ جیسے۔ مثل۔ مانند

چرخِ فلک = رَہٹ۔ چرخ پونجا۔ ہنڈولا

چَرَن = قدم - پیر

چَک = آنکھ۔ (سنسکرت "چکشو")

چکور = تیتر کی قسم کی ایک چڑیا۔ ہندی شاعری میں چکور چاند کا عاشق ماناگیا ہے

چکورا = جس کو ایک حالت میں قرار نہ ہو۔ بے قرار۔ اوباش۔ آوارہ گرد

چکورے = چکورا کی جمع

چَندر / چَندر } = چاند

چندنی = چاندنی

چوما = چُمّا۔ بوسہ۔ پیار

چھب = بناؤ۔ سنگار۔ حسن۔ آرائش زیبائش

چھبیلا = بناؤ سنگار کیے ہوئے حسین مرد

چَھل = مکر۔ فریب۔ دھوکا

چَھل بَل = شوخی۔ تیزی۔ طراری۔ چالاکی

چھل چھبیلا = چھیل چھبیلا۔ بناؤ سنگار کیے ہوئے بانکا جوان

چھلنا = دھوکا دینا۔ فریب دینا

چھِن = ایک پل کا چوتھائی حصہ چھ سکنڈ کا وقفہ۔ وقت کا سب سے چھوٹا پیمانہ

چھَند = مکر فریب۔ جعل۔ چھل۔ کپٹ

چیرا / چیرہ } = ایک طرح کی رنگین پگڑی۔ مطلق پگڑی

چیری = چیلی۔ لونڈی

چیلی = کنیز۔ لونڈی

چیہر = پانوں میں پہننے کا ایک زیور

حورِ عیّن = گورے رنگ کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں اور کالے بالوں والی عورتیں

جو بہشت میں رہتی ہیں۔
ٹُنٹکا = چھوٹا موٹا ڈنڈا۔ سونٹا۔ ٹھینگا۔ کنٹکا۔ بھنگ گھونٹنے کا سونٹا۔
عضوِ خاص کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بازاری لفظ ہے۔
خندی = بیہودہ ہنسنے والی عورت۔ بےحیا۔ بےغیرت۔ قحبہ۔ فاحشہ
خودکام = خودغرض
دامن = بجلی۔ برق
دَدْ = درندہ
دَدھ = دہی
دُر = موتی۔ کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور
دُرانا = چھپانا۔ پوشیدہ رکھنا
درپن = آئینہ
درشن = درس۔ دیدار۔ درشن
دِسنا = دکھائی دینا
دُکول = سن یا السی کے ریشے کا بنا ہوا مہین کپڑا
دوارہ = دروازہ
دودامی = ایک عمدہ قسم کا مہین پھول دار سوتی کپڑا، جو مالوہ میں بنتا تھا۔
دولڑا = دو لڑیوں کا ہار
دھاڑ = گروہ۔ جتھا۔ انبوہ، مجمع۔ ہجوم
دھڑی = (مسی کی) مسّی کی تہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں
دَھک = دفعتہً۔ یک بارگی۔ اچانک
دیو = شیطان

دیوا = دیو ۔ دیوتا

ڈانک = سونے چاندی کا ورق۔ تانبے کا نہایت باریک اور رنگین پتّر

ڈَگ = قدم

ڈگ ڈگ = قدم قدم ۔ ہر قدم پر

ڈیرا = خیمہ ۔ قیام گاہ ۔ مسکن

راکھ = راکھ

راکھنا = رکھنا

راندی = نکالی ہوئی ۔ رَدکی ہوئی ۔ دھتکاری ہوئی

راہ دار = گزربان ۔ راستے کا محافظ ۔ راستے کا محصول لینے والا

رتن = جواہرات

رجوع = واپسی ۔ پلٹنا

رسیلا = رس بھرا ۔ مزے دار ۔ بانکا ۔ وضع دار

رنگیلا = رنگین مزاج ۔ عیاش طبع ۔ طرح دار ۔ خوش پوشاک چھیل چھبیلا

روپ = صورت ۔ شکل

روپا = چاندی

روح الامین = امانت دار فرشتہ ۔ ملکِ مقرب ۔ جبرئیل

روما ولی = رویوں کی قطار جو پیٹ پر ناف سے اوپر کو جاتی ہے

ریکھ = رنج ۔ مِسّی کی کالی لکیریں جو دانتوں میں پڑ جاتی ہیں

رین = رات

زرخرید = روپے سے خریدا ہوا ۔ اپنا مول لیا ہوا

زمانہ سازی = دکھاوے کی باتیں کرنا ۔ محبت کی جھوٹی نمایش

زنبق = ایک طرح کا سفید پھول۔ چمپا۔ کسی حسین کی پتلی اور ستواں ناک کو چمپے کی کلی سے تشبیہہ دیتے ہیں۔

زوج = شوہر

زہرا = روشن چہرے والی۔ حضرت فاطمہؑ کا لقب

زہرہ = پِتّا۔ ہمت۔ جرأت

ساجن = سجن۔ محبوب۔ معشوق

سار = مثل۔ مانند

سالو = ایک گہرے سرخ رنگ کا مہین کپڑا

سانجھ = شام۔ جھٹپٹا وقت

سبی = سبھی (سب ہی)

سبن = سبھوں

سبھا = محفل۔ بزم

سپاری = ڈلی۔ چھالیا

سپند = اسپند۔ کالا دانہ۔ ایک قسم کے بیج جو ہوا کو صاف کرنے اور نظر بد کا اثر دور کرنے کے لیے جلائے جاتے ہیں

سیتی = سے

سٹنا = ڈالنا۔ گرانا۔ پھینکنا

سجن = معشوق۔ محبوب

سجیلا = جامہ زیب حسین۔ بنا ٹھنا۔ سجا سجایا۔ خوش رو۔ بانکا

سُدھ = یاد۔ خبر۔ آگاہی۔ ہوش

سُدھ بُدھ = خبر اور آگاہی۔ سُدھ کے معنی یاد۔ خبر۔ اور بُدھ کے معنی ہیں

عقل = سُدھ بُدھ بھول جانا، نہ لینا۔ نہ رہنا وغیرہ، بے خبری، بے خودی
بے ہوشی کے معنوں میں بولتے ہیں۔

سرِپنجہ ہا = اُنگلیوں کے سرے

سروپ = حسین خوب صورت

سرِیجن = محبوب۔ معشوق

سَکَل = سب۔ تمام۔ کُل

سَمَندَر = ایک چھوٹا جانور جو آگ میں پیدا ہوتا اور آگ ہی میں زندہ رہ سکتا ہے

سَمے = وقت

سِناں = برچھی۔ برچھی کی انی یا نوک

سُندر = خوب صورت

سندیسا = پیغام۔ سندیس

سنگت = ٹولی۔ جتھا۔ گروہ۔ مجمع۔ صحبت

سنگِ خارا = ایک قسم کا سخت پتھر

سوبھا = خوب صورتی

سودا = دیوانگی۔ مالی خولیا

سوں = سے

سیتی = سے

سیس = سر

سیلی = بالوں یا ریشم یا کسی اور چیز کی ڈوری جو فقیر اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں

سَین = اشارہ۔ آنکھ کا اشارہ۔ چشمک۔ غمزہ۔ کرشمہ

سیں = سے

سیوا = خدمت - بندگی - پرستش

صاحب = مالک سردار

صد برگ = گیندا۔ زرد رنگ کا مشہور پھول

صفا دار = صفائی والا - صاف

صنم = بت - مورت ۔ مجازاً معشوق

ظلمات = تاریکیاں ۔ اندھیرے ۔ وہ تاریکی جس کے اندر آب حیات کا چشمہ ہی

عبیر = رنگین سفوف یا ابرک کا سفوف جو چہرے پر ملا جاتا ہی

عَرَض = وہ چیز جو قائم بالغیر ہو یعنی اُس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر موقوف ہو۔

علّامہ = بہت جاننے والا - بڑا عالم

عمّان = سمندر

غفور = بخش دینے والا - معاف کر دینے والا -

غمام = ابر - بادل -

غموم = غم کی جمع

غمیں = غمگین - رنجیدہ

غول = بھوت - پریت - شیطان

فرید = اکیلا - بے مثل - لاجواب

فُندُق = ایک پھل جو جھر بیری کے بیر کے برابر اور بہت سرخ ہوتا ہی۔ مجازاً مہندی لگے ہوئے انگلیوں کے سرے

فن ہونا = کمال یا مہارت ہونا

قحبہ = فاحشہ ۔ بدکار عورت ۔ رنڈی

قلندر = درویش - دنیوی تعلقات سے آزاد

کاچِن = کاچھن ۔ کاچھی کی عورت ۔ ترکاری اور پھل بیچنے والی ہندو عورت

کالبُد = قالب ۔ جسم

کان پھول = کرن پھول ۔ کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور

کپول ۔ گال ۔ رخسار

کتھ = کتھا

کتھرانی = کھترانی ۔ کھتری قوم کی عورت

کجلا = کاجل

کچ = کمسن عورت کی چھاتی

کرسی نشیں = ذی رتبہ ۔ باعزت ۔ مقبول و منظورِ عام

کریے = کیجیے

کڑوے بچن = تلخ کلام ۔ کڑوے بول ۔ ناگوار معلوم ہونے والی باتیں

کسائی = قصائی ۔ قصّاب ۔ گوشت بیچنے والا ۔ جانوروں کو ذبح کرنے والا

کِلکِلانا = شور کرنا ۔ خوشی کی آواز نکالنا

کلولیاں = کلول کی جمع

کناری = پتلا لچکا جو کپڑوں کے کنارے پر ٹانکا جاتا ہے

کُنج = کونہ ۔ گوشہ

کنچن برن = سونے کے رنگ والی ۔ گندمی رنگ والی

کنچنی = ناچنے والی عورت ۔ طوائف ۔ رنڈی

کنک = سونا

کنول = ایک دریائی پودے کا پھول ۔ اس کے بیج کو کنول گٹا کہتے ہیں اور جب اس کو بھون کر کھیل کر لیتے ہیں تو وہ تال مکھانا کہلاتا ہے ۔۔

کنول بائو = یرقان۔ کانور۔ ایک مرض جس میں مریض کی آنکھیں زرد ہو جاتی ہیں
کنوٹا = کنونڈا۔ شرمندہ۔ احسان مند۔ شرمندۂ احسان۔ بدنام۔ داغی
کھنجن = ممولا۔ ایک موسمی چڑیا جو بہت خوب صورت ہوتی ہے اور جس کی چال بہت دل کش ہوتی ہے۔ حسین عورت کی آنکھ اور چال کو اس سے تشبیہہ دینا سنسکرت اور ہندی شاعری میں عام ہے۔
کہوں = کہیں
کیتے = کتنے
کیسری = زعفرانی۔ زرد
گابھا = نیا پتا جو سفید اور بہت ملائم ہوتا ہے۔ کیلے کے ؟ کا اندرونی حصّہ جو بہت نرم ہوتا ہے
گت = حالت
گت = چال۔ رفتار (سنسکرت گتی)
گگریا = گگری۔ گھڑا۔ چھوٹا گھڑا۔ گگریا میں الف تصغیر کا ہے
گل = گلا۔ گردن۔ حلق۔
گلال = ایک لال رنگ کا سفوف جو ہولی میں چہرے پر ملا جاتا ہے
گلِ صد برگ = گیندے کا پھول
گلنار = انار کا پھول۔ شوخ سرخ رنگ
گمانی = مغرور
گوش کرنا = سننا
گھٹ = جی۔ دل
گھڑی = چوبیس منٹ کا وقفہ۔ تھوڑا سا وقت

زخمیؔ نے اُس کو ازاولادِ علی مردان خاں، اور حسن علی خاں نے "نبیرۂ علی مردان خاں" لکھا ہے۔ اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ فائزؔ کے والد زبردست خاں شاعر تھے اور وفائیؔ اُن کا تخلص تھا۔ لیکن مصحفیؔ نے لکھا ہے "فقیر او را در لکھنؤ دیدہ" اور زخمیؔ نے لکھا ہے "فقیر در ایامِ طفلی او را در لکھنؤ دیدہ بودم"۔ عقدِ ثریا ۱۱۹۹ھ میں اور انیس العاشقین ۱۲۳۰ھ کے قریب لکھا گیا اور فائزؔ کے والد زبردست خاں[ع۵] کا انتقال ۱۱۲۵ھ میں ہو چکا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ زبردست خاں وفائیؔ اُن زبردست خاں کا کوئی پوتا ہو سکتا ہے۔ دادا کا خطاب پوتے کو مل جانا اُس زمانے میں معمولی بات تھی۔

فائزؔ اور اُن کا زمانہ کام ور خاں نے تذکرۃ السلاطین چغتا میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حسن بیگ خاں و محمد مہدی خاں و محمد تقی پسرانِ زبردست خاں مرحوم فرخ سیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں خلعتِ فاخرہ عطا ہوا۔ فائزؔ اپنا نام اپنی بعض تصنیفوں میں "صدر الدین محمد ابن زبردست خاں" اور بعض میں "صدر الدین محمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) دربارِ اودھ سے ان کو فخر الدولہ دبیر الملک مہاراجا رتن سنگھ بہادر ہشیار جنگ، خطاب ملا تھا۔ اُن کی غیر مطبوعہ تاریخ اودھ سلطان التواریخ کا ایک نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے اور اُن کی تین کتابیں شرح گل کشتی، دیوان فارسی اور حدائق النجوم میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔ اُن کے فارسی گو شعرا کے تذکرے انیس العاشقین کا نصف اول پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں اور نصف آخر لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔

ع۵ انیس العاشقین اور صبح گلشن میں زبردست خاں وفائی کا صرف ایک شعر درج کیا گیا ہے جو حسبِ ذیل ہے

بر نمی دارید تابوتم چرا از کوے او
آنکہ خونم ریخت کے بہرِ نماز آید برون

لال = سرخ۔ لعل۔ گونگا

لٹا = لٹ

لٹاں = لٹیں۔ لٹ کی جمع

لٹک = لچک۔ لوچ۔ جُھکاؤ۔ جسم کی دلکش حرکت

لٹک کر چلنا = جھوم جھوم کر چلنا۔ مستانہ رفتار سے چلنا۔ ناز و انداز کے ساتھ چلنا۔ یہ فقرہ میر کی زبان پر بھی ہے

سرو و تدرو، دونوں پھر آپ میں نہ آئے
گلزار میں چلا تھا وہ شوخ ٹک لٹک کر

لِقا = چہرہ۔ صورت

لگ = تک

لیوں = لوں

مَت = عقل۔ فہم۔ ادراک

متا = مست

مَدھ = شراب

مردود = رد کیا ہوا۔ نکالا ہوا۔ دُتکارا ہوا

مُرکی = کانوں کی لَو میں پہننے کی پھول دار کیل

مرگ = ہرن

مرگ چھالا = ہرن کی بالوں سمیت کھال جس کا جوگی اور سادھو سنت بستر بناتے ہیں۔ یہ درویشی کی علامت ہے

مَڑھی = منڈھی۔ فقیر کی جھوپڑی۔ کُٹی

مستمند = غریب۔ بے چارہ۔ پریشاں حال مصیبت زدہ

معادِن = معدن کی جمع۔ کانیں۔ معدنیات۔ کانوں سے نکلنے والی چیزیں

مُکھ = منھ۔ چہرہ۔ صورت

ملاپ = میل۔ ملنا۔ ملاقات۔ وصل

من ہرن = دل کو چھین لینے والا

مَنے = میں

موہن = موہ لینے والا۔ لبھا لینے والا

میاں = میان۔ کمر

میت = متر۔ دوست۔ یار۔ آشنا

میتر = متر۔ دوست۔ یار۔ آشنا

ناجنس = کمینہ۔ پاجی۔ رذیل۔ سفلہ۔ نیچ۔ غیرجنس۔ بےجوڑ۔ ناموافق

نار }
ناری } = عورت

نپٹ = بہت۔ بالکل

نت = ہمیشہ

نٹوا = طفلِ بازی گر۔ ایک طرح کے رقاص۔ جو علمِ موسیقی کی کتابوں کے موافق رقص کرتے ہیں۔

نٹھر۔ جو دوسروں کی تکلیف سے متاثر نہ ہو۔

نٹھرائی = بےرحمی۔ بےمروتی۔ دیدہ دلیری

نچنے = آوارہ گرد۔ مارے مارے پھرنے والے

نِس = نِشا۔ رات

نَسرین = چمیلی کا پھول

نَص = وہ آیتِ قرآنی جو وضاحت کے ساتھ معنیٔ مقصود پر دلالت کرتی ہو۔

نِکویاں = اچھے لوگ ۔ خوب صورت لوگ (نکو کی جمع)

نگر = شہر

نِمانا = جھکا ہوا ۔ عاجز ۔ بیچارہ

نِچنت = نشچنت ۔ بے فکر ۔ بے کھٹکے ۔ مطمئن

نیارا = الگ ۔ جدا ۔ نرالا

نیاری = نرالی ۔ انوکھی ۔ عجب ۔ سب سے الگ

نین = آنکھیں ۔ آنکھ ۔ موزونیت کی ضرورت سے نین کو نَیَن بھی باندھا جاتا ہے

والِہ = عاشق ۔ فریفتہ

وَدُود = دوست رکھنے والا ۔ محبت کرنے والا

وَر = بہتر ۔ غالب ۔ زبردست

ورد کرنا = وظیفہ پڑھنا ۔ جپنا ۔ رٹنا

وِسے = اُسے ۔ اُس کو

وصی = جس کو وصیت کی جائے ۔ رسول کا وصی وہ شخص ہوتا ہے، جس کو رسول اسرارِ نبوت تعلیم کر دیتا ہے اور وہ رسول کے بعد رسالت کے فرائض انجام دیتا ہے، مگر خود رسول نہیں ہوتا ۔ یعنی اس کے پاس وحی نہیں آتی ہے ۔

وضیع = کمینہ ۔ ہیچ ۔ پست درجے کا

وُو = وہ

ویر = بہادر ۔ سورما ۔ پہلوان

ہاموں = میدان ۔ صحرا

ہت = ہاتھ

ہِت = چاہ ۔ محبت

ہنت پھول ۔ ہتھ پھول ۔ ایک طرح کی پھلجھڑی

ہم قریں = ہم مرتبہ ۔ برابر

ہَمَن = ہم ۔ ہم کو ۔ ہمارا

ہنڈول = ایک راگ کا نام

ہنڈولا ۔ جھولا

ہوری = وہ عشق و محبت کے گیت جو ہولی کے زمانے ہیں کرشن جی کی طرف

منسوب کرکے گائے جاتے ہیں ۔

یار = عاشق

یاری لگنا = عشق ہونا

یو = یہ

خاں ابن زبردست خاں لکھتے ہیں، لیکن تحفۃ الصدر میں یوں لکھا ہو "ابن زبردست خاں ... المخاطب بہ صدرالدین محمد خاں"؛ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ صدرالدین محمد خاں اُن کا خطاب تھا۔ اگر زبردست خاں کے وہی تین بیٹے تھے جن کے نام کام ورخاں نے لکھے ہیں تو فائزؔ کا نام حسن بیگ یا محمد مہدی یا محمد تقی ہوگا۔

اسی مصنف کا بیان ہو کہ صدرالدین محمد خاں شعبان ۱۱۳۵ھ میں اورنگ آباد وغیرہ چار محالوں کے امین اور فوج دار مقرر ہوے اور اُن کو خلعت خاصہ عطا کیا گیا۔ یہ معلوم نہیں کہ ان کے منصب میں کیا ترقی ہوئی اور وہ کب تک شاہی ملازمت میں رہے۔ تذکرۃ السلاطین چغتا کے علاوہ کسی تاریخ میں فائزؔ کے حالات زندگی نہیں ملتے۔

اُردو اور فارسی شاعروں کے بہت سے تذکرے جو میری نظر سے گزرے ہیں، اُن میں سے صرف سفینۂ ہندی میں فائزؔ کے بارے میں یہ چند سطریں ملتی ہیں:-

"صدرالدین محمد خاں فائض[۵۱] تخلص از اولاد علی مردان خان است۔ آمدنِ علی مردان خاں از قندھار در عصر شاہ جہاں بادشاہ مشہور است۔ خودش بہ منصب و امارت وجاگیر مناسب سرفرازی داشت و بار ناہ و جاہ بسر می برد۔ جامع اکثر علوم بود، خصوصاً در اعمال سیمیا وصنائع و بدائع کمال مہارت داشت۔"

ترجمہ:- صدرالدین محمد خاں فائزؔ تخلص علی مردان خاں کی اولاد میں ہیں۔ علی مردان خاں کا شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں قندھار سے آنا مشہور ہو۔ وہ خود مناسب منصب، امارت اور جاگیر سے سرفراز تھے اور شان و شوکت سے

---

۵۱ فائزؔ کی جگہ فائض کتابت کی غلطی ہو۔

رہتے تھے۔ اکثر علوم ان میں جمع تھے۔ خاص کر اعمال سیمیا اور صنایع و بدایع میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

طبقات شعرائے ہند کے مولف کریم الدین لکھتے ہیں:۔

"صدر الدین محمد خاں فرزند زبردست خاں کا۔ اُس نے
ایک دیوان غزلیات اور قصیدے اور چھ مثنویات کا لکھا ہے۔
ایک مثنوی بیان پنگھٹ اور دوسری جوگن، تیسری مالن،
چوتھی گوجری، پانچویں بھنگیڑن، چھٹی رقعے ہیں۔"

کریم الدین کا یہ بیان گارساں دتاسی کی صدائے بازگشت ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ لیکن فائز کے زمانے کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا خود انھیں کا کارنامہ ہے۔ انھوں نے میر، سودا، درد، اور سوز کو اُردو شاعروں کے طبقۂ اوّل میں رکھا ہے، اور فائز کو میر حسن، انشا اور جرأت کے ساتھ طبقۂ دوم میں جگہ دی ہے اور اس طبقے کے متعلق لکھا ہے:۔

"اس میں اُن شعرا کا ذکر ہے جو مصلح اُردو اور مروج اس
زبان کے تھے۔ اور اُنھوں نے الفاظ کریہہ کا استعمال یک قلم
زبان ریختہ سے موقوف کیا۔"

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فائز کا دیوان کریم الدین کی نظر سے نہیں گزرا اور نہ اُس کا ہر صفحہ انھیں بتا سکتا تھا کہ انشا اور جرأت کا کیا ذکر فائز میر اور سودا سے بھی کہیں پہلے گزرے ہیں۔

فائز کی زبان کے علاوہ اُن کی بعض تحریریں بھی اُن کا زمانہ متعین کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ کلیات فائز کے خطبے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۲۷ھ میں یعنی فرخ سیر کی سلطنت کے پانچویں سال میں مرتب ہوا اور ۱۱۴۲ھ میں یعنی

۲۳۔ دیوان ولی دکنی

۲۴۔ دیوان زادۂ شاہ حاتم دہلوی (قلمی)

۲۵۔ فہرست کتب قلمی فارسی، برٹش میوزیم، لنڈن

۲۶۔ ہسٹوریئنز ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ ڈاؤسن

۲۷۔ نوادر الالفاظ از سراج الدین علی خاں آرزو (قلمی)

۲۸۔ نفائس اللغات از اوحد الدین بلگرامی

۲۹۔ فرہنگ آصفیہ از سید احمد دہلوی

۳۰۔ ہندی شبد ساگر مرتبہ شیام سندر لال

۳۱۔ تذکرہ سفینۂ ہندی از رائے بھگوان داس ہندی

۳۲۔ تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی از گارساں دی تاسی طبع دوم

۳۳۔ فہرست کتب خانہائے شاہ اودھ مرتبہ ڈاکٹر اشپرنگر

۳۴۔ تاریخ محمدی از میرزا محمد حارثی بدخشی دہلوی (قلمی)

۳۵۔ تذکرۃ السلاطین چغتا از کامور خاں (قلمی)

۳۶۔ آئینہ جہاں نما از حکیم محمد وحید اللہ بدایونی

۳۷۔ مکتوبات شیخ علی حزیں بنام صدر الدین محمد خاں و اشرف الدولہ وغیرہ (قلمی)

۳۸۔ آئین اکبری جلد سوم

۳۹۔ المعجم فی معاییر اشعار العجم از شمس قیس رازی

۴۰۔ بیاض قدیم (قلمی)

۴۱۔ آرائش محفل از میر شیر علی افسوس

۴۲۔ آثار الصنادید از سر سید احمد خاں

۴۳۔ دیوان مصحفی

۴۴۔ دیوان شاہ نصیر

۴۵۔ دیوان آتش

۴۶۔ کلیات میر

۴۷۔ دیوان انشا

۴۸۔ دیوان جرأت

محمد شاہ کی سلطنت کے گیارھویں سال میں اُس پر نظر ثانی کی گئی۔ رسالہ مناظرات میں وہ مکالمے درج ہیں جو فائز اور بعض علما میں امیرالامرا صمصام الدولہ کے مکان پر مختلف اوقات میں بعض مذہبی مسائل کے متعلق ہوے تھے صمصام الدولہ کو فرخ سیر کے عہد میں امیرالامرا حسین علی خاں کی نیابت ملی اور محمد شاہ کی سرکار سے امیرالامرا کا مستقل عہدہ عطا ہوا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں وہ نادر شاہ کی فوج سے جنگ کرتے ہوے مارا گیا۔

فائز نے اپنی ایک فارسی مثنوی میں بادشاہوں کے عبرت ناک انجام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں:-

شہانے کہ بودند گردن وقار — برآورد گیتی از ایشان دمار
دو سہ روز اورنگ آراستند — خراج از شہانِ دگر خواستند
در اندک زمانے چو گردید بخت — نشستند بر خاکِ خواری ز تخت
ہمان سر کہ شایانِ افسر شدہ — بہ خاکِ مذلت برابر شدہ
من آنچہ بدیدم نمایم بیان — ز احوال شاہان ہندوستان
چو اورنگ زیب از جہان رخت بست — ز بعد وے اعظم بہ تختش نشست
شد اندر دو سہ ماہ دورش تمام — معظم بہ تختِ شہی یافت کام
نشستہ بر اورنگ او پنج سال — برفت از جہان باہزاران ملال
پسِ او جہاں دار شہ سر کشید — دو روزے سرش بارِ افسر کشید
پس از وے چو فرخ سیر شد عیان — نہادہ قدم بر سریرِ جہان
جہان داوری کرد تا ہفت سال — ز فرقش ربودند تاجِ جلال
ز بعد وے آمد رفیع الدرجہ — ندید از جہان، ہیچ حظ و فرج
پس از وے بیامد رفیعِ دگر — دو سہ مہ نپائید عمرش مگر

پس از وے محمد شہ آمد پدید　　　که در سلطنت غیرِ حسرت ندید
بر احوال این ہا بہ عبرت ببین　　　بود عاقبت حال ہر کس چنین

من آنہا کہ دیدم بسا سال نیست
تمامش بجز چار دہ سال نیست

کلیاتِ فائزؔ کی ترتیب اور تکمیل کی تاریخیں، فائزؔ اور امیرالامرا صمصام الدولہ کی بے تکلف ملاقاتیں، اور سب سے بڑھ کر مثنوی کے یہ شعر، ان سب چیزوں پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فائزؔ نے عالم گیری عہد کا آخری حصّہ دیکھا تھا اور وہ محمد شاہی عہد میں بھی موجود تھے۔

فائزؔ کا وطن فائزؔ کا آبائی وطن ایران تھا، لیکن اُن کے بزرگوں کی تین پشتیں ہندوستان میں گزر چکی تھیں۔ اُن کے باپ، دادا، پردادا ملازمت کے سلسلے سے مختلف شہروں میں قیام کرتے رہے، مگر اُن کی مستقل سکونت دہلی میں رہی۔ فائزؔ کے کلام میں دہلی کا ذکر اس انداز سے اور اس کثرت سے ملتا ہے کہ دہلی کو اُن کا وطن قرار دینے میں کوئی تامّل نہیں ہو سکتا۔ ان کے فارسی کلیات میں ایک مثنوی نہان نامہ ہے جس میں "نگمبود" کے گھاٹ پر، جو دہلی میں ہے، ہندوؤں کے نہانے کا ذکر کیا ہے۔ تین مثنویاں افترا نامہ، آتش نامہ اور حویلی نامہ ہیں جن میں سے پہلی مثنوی میں دہلی میں کذب و افترا کی کثرت بیان کی ہے، دوسری میں دہلی میں آگ لگنے کی زیادتی دکھائی ہے اور تیسری میں دہلی کے مکان داروں کی مذمّت کی ہے۔ ایک مثنوی درگاہ نامہ ہے جس میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عرس کے موقع پر دہلی میں جو میلا لگتا تھا اُس کا حال لکھا ہے۔ ایک مثنوی میں امیرالامرا کے باغ، عمارت اور حمام کی تعریف کی ہے جو دارالخلافہ یعنی دہلی میں واقع تھا۔ ایک مثنوی میں شہر لاہور کی تعریف کرنے کے بعد کہتے ہیں:-

بشو فائزؔ اکنون بہ دہلی روان　　رفیقِ تو لطفِ خدائے جہان

فائزؔ کے دہلوی ہونے کا سب سے زیادہ کھلا ہوا ثبوت اُن کی اُس مثنوی سے ملتا ہی جو انھوں نے شاہ جہان آباد کی تعریف میں لکھی ہی۔ اُس میں دہلی کے بازاروں کے بیان میں دریبہ، گزری، نخاس، مغل پورہ اور قاضی کے حوض کا ذکر کیا ہی اور اسی سلسلے میں لکھا ہی:۔

پُلے را کہ نامش مٹھائی بود　　زجنس نکو روشنائی بود

مرا خانہ بودہ است درایں طرف　　زنہر است او را سراسر شرف

مٹھائی کا پل دہلی میں اب بھی موجود ہی۔ سعادت خاں کی نہر اُس کے نیچے سے گزرتی ہی۔ یہ نہر اب پاٹی جا رہی ہی مگر اس کے آثار ابھی موجود ہیں اور اُس کا نام باقی ہی۔ سعادت خاں (برہان الملک) محمد شاہی عہد کا مشہور منصب دار تھا جو بعد کو اودھ کی سلطنت کا بانی ہوا۔ ظاہر ہی کہ اس کی بنوائی ہوئی نہر فائزؔ کے سامنے تیار ہوئی ہو گی اور اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے منقولۂ بالا شعروں میں اسی نہر[1] کا ذکر کیا ہی۔ غرض کہ یہ دو شعر صاف بتاتے ہیں کہ فائزؔ کا مکان دہلی میں مٹھائی کے پل کے قریب سعادت خاں کی نہر کے کنارے واقع تھا۔ اس مثنوی کا آخری شعر یہ ہی:۔

چو فائزؔ اگر سیرِ دنیا کنی　　بہ این شہر باید کہ ماوی کنی

فائزؔ کے اردو دیوان میں بھی ایک مثنوی کا موضوع ہی۔ وصف جھنگیرٹن درگاہ قطب اور ایک مثنوی کا موضوع ہی تعریف نہان نگمبود۔ قطب صاحب کی درگاہ اور نگمبود کا گھاٹ دونوں دہلی میں واقع ہیں۔ ایک اُردو غزل کے مقطع میں بھی دہلی کا ذکر اس طرح کیا ہی:۔

---

[1] مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں "برسات کا حال نہ پوچھو۔ قاسم جان کی گلی سعادت خاں کی نہر ہی"

شہر دہلی میں فائز اب ناہیں　　تا نی اس دل نہ باسمر یحین کا

مختصر یہ کہ فائز کے دہلوی ہونے میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں ہو۔

فائز کی شکل و شمائل | فائز اصل نسل کے ایرانی اور پشتہا پشت کے امیر تھے۔ قیاس کہتا ہو کہ وہ ہاتھ پاؤں کے اچھے اور چہرے مُہرے کے وجیہہ ہوں گے۔ اس قیاس کی تصدیق بھی فائز ہی کے بیان سے ہو جاتی ہو۔ وہ اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"حسنِ ظاہر بہترین صفات است و دلیل خوبی باطن۔
چنان چہ در حدیث وارد شدہ اطلبوا الخیر عند حسان
الوجوہ۔ ازاین جا پیداست کہ قبح منظر دلیلِ سوء باطن است
نعوذ باللہ منہا"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو کہ فائز خوب صورت آدمی تھے اگر وہ خود بدصورت ہوتے تو بدصورتی کو بد باطنی کی دلیل قرار نہ دیتے اور اس سے پناہ نہ مانگتے۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ شعر بھی لکھا ہو جس سے اس خیال کو اور تقویت پہنچتی ہو

زشت رو البتہ می باشد شریر　　قول و فعلِ او نباشد دل پذیر

فائز خود حسین تھے اور حسینوں کی طرف فطری میلان رکھتے تھے انھوں نے اپنے کلیات کے خطبے میں اپنی گرفتاریٔ دل و تعلق بہ خوبان طاقت گسل" کا ذکر کیا ہو اور رسالۂ مناظرات میں لکھا ہو کہ ایک مرتبہ امیر الامرا نے اُن سے شکایت کی کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہو کہ نہ دربار میں شرکت کرتے ہیں نہ میرے گھر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں مزاحاً یہ بھی کہا کہ کیا کہیں عاشقی کر لی ہو جو گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ فائز نے جواب دیا کہ فی الواقع میں ہمیشہ سے عاشق پیشہ

تھا لیکن

چناں قحط سالے شد اندر دمشق — کہ یاران فراموش کردند عشق

اس لیے اب عشق و عاشقی کا ہوش نہیں ۔

فائزؔ نے اپنی شگفتہ مزاجی اور صاف دلی کا ذکر کئی جگہ کیا ہے۔ مثلاً ایک قصیدے میں کہتے ہیں :-

اگر کدورت و بغض و نفاق در دلہاست — ہزار شکر کہ آئینۂ دلم بہ صفاست

چو گل شگفتگی افتادہ لازم طبعم — اگرچہ در دل و جانم ز چرخ کلفتہاست

فائزؔ کے تفریحی مشغلے | فائزؔ کی نظموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کی صحبتوں میں بیٹھتے تھے، ہر قسم کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے، میلوں ٹھیلوں کی سیر کرتے تھے، اور کھیل تماشے، ناچ رنگ سب کچھ دیکھتے تھے۔ وہ اپنے گھر پر بھی ناچ گانے کے جلسے کرتے تھے۔ کم از کم ایک جلسے کا حال تو اُنھوں نے خود نظم کیا ہے، جو اُن کے یہاں نوروز کے دن ہوا تھا۔ اس نظم کے صرف چار شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

یافت ترتیب روز نوروزے — خانہ ام مجلسِ دل افروزے

دلبرانِ پری رُخِ رعنا — چون گل و لالہ جمع در یک جا

بردہ ہر یک بہ رقص ہوش ز سر — عشوہ و نازِ شان ہمہ دل بر

صوتِ مطرب ز بس کہ گشت بلند — زُہرہ بر چرخ طرحِ رقص فگند

معلوم ہوتا ہے کہ فائزؔ کے یہاں اچھے اچھے موسیقی داں موجود تھے۔ وہ ایک دوست کو لکھتے ہیں کہ جس طنبور نواز کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اس کو بھیج دیا ہے۔ یہ موسیقی دانوں کا گل سرسبد ہے۔ فائزؔ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اُنھوں نے رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت ترک کر دی تھی اور مے نوشی سے ہمیشہ پرہیز کیا تھا۔ ساقی نامہ کے نام سے اُنھوں نے ایک طولانی

مثنوی کہی ہے۔ اُس کے خاتمے میں یہ بھی بتایا ہے کہ شراب اور ساقی کا ذکر جو انھوں نے کیا ہے، اُس سے اُن کی مراد کیا ہے۔ کہتے ہیں :۔

مدہ طول ازین بیش در گفتگو — کہ بسیار گوئی نباشد نکو
مکن وصفِ ساقی و ساغر مدام — مطوّل مگر دان بہ ذکرش کلام
کہ می نیست لائق بہ فرزانہا — بود شرب آن کار دیوانہا
زاُمّ الخبائث بکن احتراز — کہ آنست بد تر ز لحم گراز
مرا شوق این بادہ و جام نیست — چنین فکرتِ پختہ ام خام نیست
مرادِ من از بادہ باشد دگر — ندارد کسے از ضمیرم خبر
بہ دُردی کشان محبت قسم — بہ ارباب و اہل مودّت قسم
کہ از بادہ مطلوبِ من کوثر است — مرا نشۂ آن می اندر سر است
بہ ساقیِ او نیز دل بستہ ام — اگرچہ ز ایّام دل خستہ ام
بہ عشقِ علی در جہان زندہ ام — بہ لوحِ دلم نام او کندہ ام

یوں تو فائز کو اُن تمام مشغلوں سے کچھ نہ کچھ دلچسپی تھی، جو اس زمانے میں امیری کے لوازم سمجھے جاتے تھے۔ مگر اُن کو خاص شوق دو چیزوں سے تھا۔ ایک کتابوں کا مطالعہ، دوسرے شکار۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں امیر الامرا نے فائز سے پوچھا کہ "مطالعہ تو موقوف ہوا اب کیا شغل رہتا ہے"؟ فائز نے جواب دیا: "کچھ نہیں۔ اس لیے کہ دو ہی چیزوں کی طرف طبیعت مائل تھی: ایک مطالعہ وہ طبیبوں کے کہنے سے ترک کر دیا، دوسرے شکار وہ دار الخلافت میں کسی کو میسر نہیں"۔ (رسالۂ مناظرات)

شکار کی طرح شہ سواری کا بھی فائز کو بہت شوق تھا اور گھوڑوں کے متعلق ہر طرح کی معلومات حاصل کرنے کی فکر رہتی تھی۔ انھوں نے اس

موضوع پر تحفۃ الصدور کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ اس کے دیباچے میں کہتے ہیں :-

"در آوان حداثت سن و عنفوان شباب بنا بر اقتضاے سن اکثر مشغول بہ سیر و شکار بود، علی الخصوص بہ سواری اسپ کہ بہترین مرکوبات است قدراً و منزلتہً۔ و در آن اوقات با جمعے کہ مہارت در شناختن اسپ داشتند نکتۂ چند در ذات و صفات و عیب و ہنر آن تقریر می نمود۔ چون این عاصی شوق زیادے بہ آن داشت بعضے امور از آنہا استماع می نمود۔ تا آنکہ قریں نامہ چند جمع نمود۔ و بعد مطالعۂ آنہا....."

فائز کو ہاتھی گھوڑے اور دوسرے سواری کے جانوروں سے خاص دلچسپی تھی اور اُن کے یہاں یہ جانور اچھی خاصی تعداد میں موجود رہتے تھے۔ تحفۃ الصدور میں جگہ جگہ اُن کا ذکر آیا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کی متعلقہ عبارتوں کا آزاد ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان عبارتوں میں نواب صاحب سرکار، اور سرکارِ عالی، سے فائز کے والد نواب زبردست خاں مراد ہیں :-

غفران منزلت سرکار نواب صاحب، و قبلہ کے طویلے میں ایک کشمشی رنگ کا عراقی گھوڑا 'محبوب' نام تھا۔ تیس سال کی عمر تھی۔ اکثر دانت ٹوٹ گئے تھے۔ گھاس نہیں کھا سکتا تھا، ہیلہ کھاتا تھا۔ مگر تیزی اور تندی میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ میں اُس کو 'محبوبِ پیر' کہتا تھا۔

جن دنوں میں بندگان نواب صاحب و قبلہ اجمیر میں تشریف فرما

تھے اُن کے طویلے سے ایک گھوڑا چھوٹ گیا۔ اُس نے ایک شخص کا بازو اور دوسرے کا شانہ چبا ڈالا اور چند آدمیوں کو ادھ مرا کر دیا۔ نواب صاحب کو خبر کی گئی تو انھوں نے اُس کو مروا ڈالا۔

ایک دن غفران منزلت سرکار بندہ نواب صاحب ایک دریا سے گزر رہے تھے۔ ایک کمیت عراقی گھوڑا اُن کی سواری میں تھا۔ وہ دریا کے بیچ میں اکبارگی بیٹھ گیا۔ اُس کو نواب صاحب نے ذبح کروا دیا۔

بعض گھوڑے کسی عداوت کے سبب سے کسی خاص شخص کو سواری نہیں دیتے۔ چنانچہ میرے پاس ایک بہت خوب صورت صندلی ابلق ترکی گھوڑا تھا جو حُسنِ رفتار میں بے نظیر تھا اور اس لیے مجھ کو اُس کی سواری بہت پسند تھی۔ ایک دن میرے ڈانٹنے پر وہ مجھ سے ناراض ہو گیا۔ اُس دن سے وہ بڑی مشکل سے بہت منت سماجت کے بعد مجھ کو سوار ہونے دیتا تھا۔ اور کسی کی سواری سے نہیں بگڑتا تھا۔

میں نے اِس دوا کی تعریف سرکارِ نواب غفران پناہ کے آختہ بیگی محمد بیگ کی زبان سے بھی سُنی اور خود بھی کئی مرتبہ

اس کا تجربہ کیا، میں نے ایک گھوڑا تین ہزار روپے کا خریدا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک ہفتے کے بعد سخت بیمار ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ آخر اِسی دوا سے اچھا ہوا۔

میں نے سات سو روپے کا ایک گھوڑا خریدا تھا۔ اِس رنگ کا گھوڑا دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس پر سُرخ، سیاہ، زرد، سفید اور رنگ رنگ کے ہزار سے زیادہ گل پڑے ہوے تھے۔ ایسا رنگین اور خوش رنگ تھا کہ دار الخلافت میں روزانہ اُس کو دیکھنے کے لیے لوگ آیا کرتے تھے۔ جشن کے دن بادشاہ کے حضور میں نذر کر دیا اور قبول ہوا۔

خچّر کے سب رنگوں میں یک رنگ سیاہ سب سے بہتر ہوتا ہے، اُس کے بعد نیلا۔ رضوان مکان سرکار نواب صاحب و قبلہ نے ایک نیلے رنگ کا خچّر ڈیڑھ ہزار روپے کا خرید کر مجھے مرحمت فرما دیا تھا۔ وہ قد میں عراقی گھوڑے کے قریب تھا اور بڑا خوش رفتار تھا۔ ہندوستان میں خچّر کی سواری معیوب سمجھی جاتی ہے، اس لیے میں اُس پر سوار نہیں ہوتا تھا۔

اونٹ کی لڑائی سے بہتر کوئی تماشا نہیں، وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے۔ ہاتھی کی لڑائی سے بہتر ہوتی ہے۔ اُس کا فقط نام ہی نام ہے۔ میں نے کئی مرتبہ دیکھی۔ کوئی خاص لطف نہ آیا۔

سرکار عالی (نواب زبردست خاں) کے ہاتھیوں میں اکثر جو بڑے قد کے تھے وہ شیر سے لڑنے میں کوتاہی کرتے تھے اور جو میانہ اور چھوٹے قد کے تھے وہ بڑے بہادر تھے۔ ایک ہاتھی جو ابھی بچہ تھا شیر کا سر منھ میں لے کر چباڈالتا تھا اور اس طرح اس کو مار ڈالتا تھا۔

ہاتھی کے سَر کے بال، خاص کر ہتھنی کے، جتنے بڑے ہوں اُتنا ہی اچھا۔ سرکار عالی میں ایک ہتھنی تھی جس کے سَر کے بال ڈیڑھ بالشت لمبے تھے۔ بڑی خوب صورت اور خوش رفتار تھی۔ سرکار نے وہ ہتھنی مجھے مرحمت فرمادی تھی۔

باغوں کی سیر اور باغبانی کے فن سے بھی فائز کو بہت دلچسپی تھی انھوں نے اس فن کی کتابیں پڑھی تھیں اور خود ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام، زینت البساتین ہے۔ اُس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

"درعنفوان شباب چون سیر گلستان بسے مرغوب بود، بخاطر قاصر خطور کرد کہ شمۂ از احوال اشجار ونجوم تحریر نماید۔ بناءً علیہ از روے کتب این فن مثل شفا و منہاج وذخیرہ وکناس یوحنا و عجائب المخلوقات و تقویم الصحۃ و آثار اخبار رشیدی و کتب فلاحت انچہ مناسب دانست بقید تحریر درآورد۔"

فائز کی ذاتی وجاہت اور مالی حالت | فائز کے حالاتِ زندگی کی تفصیل تو

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فہرست مآخذ	۳ - ۴	زبردست خاں وفائی	۲۴
فہرست مضامین	۵ - ۷	فائز اور اُن کا زمانہ	۲۵
فائز کی تصویر	۸	فائز کا وطن	۲۹
پیش نامۂ طبع اول	۹ - ۱۲	فائز کی شکل و شمائل	۳۱
پیش نامۂ طبع دوم	۱۲ - ۱۵	فائز کے تفریحی مشغلے	۳۲
فائز دہلوی۔ احوال و آثار		فائز کی ذاتی وجاہت اور مالی حالت	۳۷
فائز کے آبا و اجداد	۱۶	ارباب اختیار کی بے تمیزی	
گنج علی خان بابا	۱۷	اور اہل کمال کی ناقدری	۳۹
علی مردان خان بابائے ثانی	۱۷	فائز کے احباب خاص	۴۲
علی مردان خاں کی اولاد	۱۹	فائز اور امیر الامراء	۴۲
ابراہیم خان	۲۰	امیر الامراء کی مجلس علمی	۴۴
یعقوب خان	۲۲	امیر الامراء صمصام الدولہ	۴۶
فدائی خان	۲۲	فائز اور حکیم الممالک	۴۹
زبردست خان	۲۳	فائز اور شیخ علی حزیں	۵۱
زبدۃ النساء	۲۴	فائز اور برہان الملک	۵۷

معلوم نہیں، مگر جو کچھ معلوم ہی اُس سے ظاہر ہوتا ہی کہ وہ خاندانی اعزاز کے علاوہ ذاتی امتیاز کے بھی مالک تھے۔ اُن کی دو مہریں، جو میں نے دیکھی ہیں، دونوں میں اُن کے نام کے ساتھ 'خان' کا لفظ موجود ہی۔ اس کے علاوہ رسالۂ مناظرات کے سرنامے کی عبارت جو اوپر نقل کی جاچکی ہی، اُس میں اُن کا نام، "نواب صدرالدّین محمد خان بہادر" لکھا گیا ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ نوّابی اور خانی کے خطاب پائے ہوے تھے۔ اُن کے ایک شعر سے اُن کا صاحب جاگیر ہونا بھی ظاہر ہوتا ہی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اُن کو جو جاگیر ملی تھی وہ اُن کے استحقاق یا توقع سے کم تھی۔ کہتے ہیں :-

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کو غم نہیں حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں

رقعات الصّدر کے مقدمے میں جو عبارت علم حساب کے تلازمے میں لکھی گئی ہی۔ اُس میں یہ الفاظ ملتے ہیں "مراد بہ قسمت تقسیم فمن نعل است و مقسوم جاگیر است و خارج قسمت امیرزادہ ہا اند"۔ جاگیر کے معاملے میں فائزؔ کی جو حق تلفی ہوئی تھی اُس کی شکایت اِن لفظوں میں بھی مضمر ہی۔

فائزؔ کے باپ دادا کئی پشتوں سے جس دولت و ثروت کے مالک چلے آتے تھے، اُس کا کچھ حصّہ تو فائزؔ تک ضرور ہی پہنچا ہوگا۔ خود اُن کی بعض تحریروں سے بھی اُن کی خوش حالی کا اظہار ہوتا ہی۔ ایک خط میں کسی کو لکھا ہی کہ خاکِ کربلا کی عمدہ تسبیح بڑی کوشش سے بھی نہ ملی۔ اگر کار عبداللہ ہو تو کہاں ہاتھ آسکے گی۔ ایسی تسبیح کے تیس دانے بھیج کر میری جان اور آنکھوں پر ہزار احسان کیجیے۔ اگر اُن کا ہدیہ سو روپے ہو تو بھی مجھے منظور ہی۔ اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتے ہیں کہ جو گھوڑا آپ نے بھیجا ہی وہ بھی بُرا نہیں ہی، لیکن جیسا میں نے لکھا تھا ویسا بھیجیے۔ گھوڑا اچھا ہو خواہ کتنی ہی قیمت کا ہو ("بہ ہر قیمت کہ باشد لیکن خوب باشد") ایک خط میں

کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ ایک ہاتھی مطلوب ہے، مگر معمولی نہ ہو" بلکہ کوہ پیکر، ہلال دندان، اژدہا خرطوم، کہف حلقوم اور سربلند" ہو۔ جس قیمت کا بھی ہو، مضائقہ نہیں ہے ("بہ ہر قیمت کہ باشد مضائقہ نیست")۔ کسی نے ایک گھوڑا منگوا بھیجا ہے۔ اُس کو جواب میں لکھتے ہیں کہ چند گھوڑے جو میرے پاس تھے میں نے بیچ ڈالے۔ اگر کوئی گھوڑا ہوتا تو میں ضرور بھیج دیتا۔ ان تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فائز کا ایک زمانہ کم از کم ایسا ضرور گزرا ہے جب اُن کے اصطبل میں کئی کئی گھوڑے بندھے رہتے تھے اور دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ فائز کی جو تصویر اس کتاب کے ساتھ شایع کی جا رہی ہے وہ بھی ان کی خوش حالی کا ثبوت دے رہی ہے۔ مگر خوش بختی اور خوش حالی تو ایک اضافی چیز ہے۔ ہم جس حالت کو خوش حالی سمجھ رہے ہیں، وہ خود فائز کے نزدیک خوش حالی نہ تھی، کیوں کہ نہ اُن کی مالی حالت وہ تھی جو اُن کے بزرگوں کی رہ چکی تھی نہ ان کو وہ منصبی اعزاز حاصل تھا جو اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ فائز کبھی کبھی اپنی آمدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی سے پریشان ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں :-

مرا کرد دیوانہ فکر معاش ازآن رفتہ از جمع من انتعاش

مگر پھر اپنے دل کو یوں تسکین دے لیتے ہیں کہ منصب نہ رہا تو اچھا ہوا کہ حلال کی روٹی کھاتے ہیں اور کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے۔

بہ دہر روزی من دادہ حق زوجہ حلال بہ مال شبہہ ازآن دست آشنا نہ کنم

ز فضل حق بہ جہان سرفراز چون سروم برائے کورنش و تسلیم قد دوتا نہ کنم

اربابِ اختیار کی بے امتیازی اور اہلِ کمال کی ناقدری

فائز کی زندگی کا کچھ حصہ ایسا ضرور گزرا جب وہ کسی منصب پر فائز نہ تھے۔ اُن کو یہ شکایت ہے کہ اس عہد میں نامور خاندانوں کے افراد بے روزگار اور نیچ گھرانوں

کے لوگ برسرِ کار ہیں۔ ہر کس و ناکس کسی نہ کسی منصب پر فائز ہے، مگر حق دار اپنے حق سے محروم ہیں اور غیر مستحق لوگ یکایک بڑے سے بڑے منصبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں رقعاتِ القدر کے مقدمے سے تین مختصر اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جن میں علمِ حساب، نحو اور منطق کا تلازمہ ملحوظ رکھا گیا ہے:۔

"مراد بہ خطائین دو خطا ست، یکے از پا انداختن بزرگ زادہ ہا، دویم کار فرمودن بہ گدازادہ ہا"۔ "مستثنیٰ کسے است کہ درین ایام کم تر از صدی منصب داشتہ باشد"۔

"قضیۂ اتفاقی آنست کہ در بادشاہ گردش شخصے یکمرتبہ ہفت ہزاری گردد و قضیۂ مہملہ طلب حق خود است سیما از توی ترے از خود ے"

فائز کا ایک خط ہے "درجواب شخصے کہ احوال حضور نوشتہ بود"۔ اس میں بھی دربار کے حالات کی خرابی کا ذکر اور نااہلوں کے برسرِ اقتدار ہونے کی شکایت کی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"آنچہ نوشتہ بودند کہ مقدمات دربار بسیار زبون بنظر می آید و کار کسے نمی شود، بدیہی است، دولۃ الارزالِ آفۃ الرجال"

فائز نے اپنی نظموں میں جگہ جگہ اپنی بے کاری، اہلِ کمال کی ناقدری اور اربابِ اختیار کی بے اعتنائی کی شکایت کی ہے اور اپنی سرفرازی اور بلند اقبالی کے لیے دعا مانگی ہے۔ مثلاً

عاقلان از بہرِ نانے مضطراند   ابلہان با بخت و دولت ہم سراند

ہر ابلہے بہ دہر شدہ صاحبِ حشم   علم و کمال ہیچ نیامد بہ کارِ من

نماندہ کسے درجہان قدردان نہ دیدم کسے را بہ خود مہربان

ہمہ دشمنِ مردِ صاحب ہنر ہمہ مائل و راغبِ سیم و زر

بہ اصحابِ معنی نہ دارند کار گرفتند از ایشان چون حیوان کنار

آن کہ باشد نسب او ز امیرانِ قدیم ہند کم نیست برایش ز عقوبات جحیم
چون مجانین نکند ہیچ کس او را تعظیم . . . .

ہر طرف می شنوم زمزمۂ بے نانی حاصلے نیست بہ یاران ز خطاب خانی

رقعات الصدر کے مقدمے میں لکھتے ہیں :-

قدیم زمانے میں اہلِ کمال کی بڑی عزت تھی . اس لیے کہ اکثر سلاطین اور اہلِ دول دانشمند دوست اور سخن فہم تھے اور چھپے ہوئے نکتوں کی تہ تک پہنچ جاتے تھے . . . .

اس عصر میں ماہرینِ فن میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے اور کوئی اُن کا طالب نہیں ہے . . . . قدما کا میلان کمال کی طرف تھا اور اس زمانے میں بے کمالی کمال ہے اور ہنر ل ترقی مدارج کا باعث اور تفاخر کا سبب ہے" (ترجمہ)

اسی مقدمے میں آگے بڑھ کے لکھتے ہیں :-

" ایسی افراط و تفریط کی حالت میں کہ اہلِ کمال کی طرح تمیز کا

باؤں درمیان سے اُٹھ گیا ہے، کوئی علم کی خواہش کیوں کرے اور کمال کس لیے حاصل کرے۔ اگر صاحبِ کمال ہو جائے گا تو اُس کے مرتبے میں کیا زیادتی ہو جائے گی اور اگر نادان رہ جائے گا تو اُس کے رُتبے میں کیا کمی رہ جائے گی۔ سُخن فہم کون ہے اور دیکھنے والا کہاں ہے؟ یہی سبب ہے کہ کمال کی کساد بازاری یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اور اقلیمِ سخن کی خرابی اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ اگر معقول بات کہو تو کوئی تعریف نہیں کرتا اور مہمل بکو تو کوئی منھ پر نہیں مارتا۔" (ترجمہ)

فائز کے احباب خاص

فائز کی خاندانی عظمت، ذاتی وجاہت، علمی منزلت کو دیکھ کر قیاس کہتا ہے کہ ان سے بڑے سے بڑے شاہی منصب داروں، ممتاز عالموں اور نامی شاعروں سے برابر کی ملاقات اور دوستانہ تعلقات ہوں گے۔ جن بلند مرتبہ شخصیتوں سے اُن کے خصوصی تعلقات کا علم ہو سکا ہے اُن کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

فائز اور امیر الامرا محمد شاہی عہد کے امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوران بہادر اور فائز میں بڑی محبت اور دوستی تھی۔

میرے کتب خانے میں ایک قلمی کتاب کے اٹھائیس ورق موجود ہیں۔ شروع کے تین ورق اور آخر کا کچھ حصّہ غائب ہے۔ یہ کتاب ۱۲۴۸ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس میں محمد شاہی عہد کے امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوران خان بہادر کے خاندان والوں کے مختصر حالات درج ہیں۔ مصنّف کتاب بھی اسی خاندان کی ایک فرد تھا۔ اُس نے تین چار جگہ نواب صدرالدین محمد خان کا ذکر کیا ہے۔

وہ ایک جگہ لکھتا ہے:-

"نواب صدر الدین محمد خان بہادر نبیرۂ نواب علی مردان
خان کہ با صمصام الدولہ بہادر ربط محبت و دوستی زیادہ
از حد داشت۔"

فائز کے رسالہ مناظرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امیر الامرا کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اور اُن کو یہ مرتبہ حاصل تھا کہ وہ امیر الامرا کے حضور میں بلکہ خود انھیں سے خطاب کرکے، بے تکلفانہ اور بے باکانہ گفتگو کرسکتے تھے اور گفتگو بھی ایسی جس میں امیر الامرا کی ذات اور اُن کے مذہب پر حملے ہوتے تھے۔ باوجود اس کے امیر الامرا فائز کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مہینے کے بعد ملاقات ہوئی۔ جب فائز رخصت ہونے لگے تو امیر الامرا نے کہا کہ مہینا بھر کے بعد آئے اور اتنی جلدی چلے۔ ایک مرتبہ تین مہینے کے بعد ملاقات کی نوبت آئی تو امیر الامرا نے شکایت کی کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ نہ دربار میں شرکت کرتے ہیں نہ میرے یہاں آتے ہیں۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ فائز کو شاہی دربار میں رسائی حاصل تھی۔

ایک مرتبہ امیر الامرا کے یہاں رویت باری تعالیٰ کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔ فائز بھی اس بحث میں شریک تھے۔ اُن کی فلسفیانہ گفتگو سُن کر امیر الامرا نے اُن سے کہا "کیا آپ حکمت کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتے ہیں؟" فائز نے جواب دیا "اُن کے مطالعے کا شوق تو تھا، لیکن اب طبیبوں نے مراق کی بیماری کے باعث مجھے حکمت کی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لیے اِدھر کچھ دنوں سے اُن کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔... لیکن پہلے جو کچھ پڑھا تھا اس سے بھی پشیمان ہوں۔ اس لیے کہ اگلے زمانے میں علم سے آدمی کی عزت ہوتی تھی

اور اب اُس کا اُلٹا ہوتا ہے۔"[۵۱] (ترجمہ) معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب میں درپردہ امیرالامرا پر تعریض کی گئی ہے۔ اس لیے کہ فائز کی نظر میں اُن کی علمی حیثیت کچھ نہ تھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"امیرالامرا خود علمے نداشت وخود را از متصوفہ واہل تحقیق میدانست . . . . . . حالانکہ از علم تصوف ہم خبرے نداشت۔"[۵۲]

فائز نے اس طرح کی تعریض ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے۔ ایک مرتبہ امیرالامرا کے یہاں یہ ذکر نکلا کہ "خدا ہر شخص کو اُس کی عقل کے موافق دولت دیتا ہے۔" فائز نے اس بات سے اختلاف کیا اور اثنائے بحث میں مثالاً کہا کہ "اگر ایسا ہوتا تو خان زمان[۵۳] میواتی جو بیل اور گدھے میں فرق نہ کر سکتا تھا ہفت ہزاری اور میر آتش نہ ہوتا۔ خدا کی دین کے لیے قابلیت شرط نہیں ہے بلکہ قابلیت کے لیے خدا کی دین شرط ہے۔" (ترجمہ) یہ لکھ کر فائز کہتے ہیں کہ "امیرالامرا میری بات سمجھ تو گئے مگر مسکرا کر ٹال گئے۔"[۵۴] (ترجمہ)

امیرالامرا کی مجلس علمی | رسالۂ مناظرات میں فائز نے امیرالامرا کے یہاں کی سات مجلسوں کا ذکر کیا ہے۔ اُن میں سے چار مجلسیں رات کو ہوئیں جن میں امیرالامرا شریک تھے اور ایک دن کے آخری حصّے میں۔ اُس وقت امیرالامرا محل کے اندر تھے۔ دیوان خانے میں دوسرے لوگ موجود تھے۔ اُن میں اور فائز میں مذہبی مناظرہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا اور فائز اپنے گھر واپس آئے۔ اُس وقت تک امیرالامرا محل سے برآمد نہیں ہوئے تھے۔ دو مجلسوں کا وقت نہیں بتایا گیا ہے مگر ان دونوں میں بھی امیرالامرا موجود

لہ[۵۲] رسالۂ مناظرات۔ مجلس ثالث

[۵۳] خان زمان بہادر محمد شاہی عہد کے بڑے نامی امرا میں تھا۔

[۵۴] رسالۂ مناظرات۔ مجلس ثانی

تھے۔ اُن سات مجلسوں میں سے پانچ میں فائز نے طالب علموں کا مجمع دکھایا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

"جمعے از طالب علمان نشستہ از ہر باب گفتگو می نمودند"
"بہ دستورِ سابق جمعے از طالب علمانِ پوربی و پنجابی جمع بودند"
"طالب علمان در قال وقیل بودند" "بہ دستور طالب علمان را در قال وقیل یافتم" "بہ دستور قال وقیلِ طالب علمان درمیان بود"

فائز نے ان مجلسوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر الامرا کے یہاں روز شام کو 'طالب علموں' کا مجمع ہوتا تھا اور علمی ومذہبی گفتگو ہوا کرتی تھی جس میں امیر الامرا خود بھی شریک رہتے تھے۔ علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں انھیں امیر الامرا کے متعلق لکھتے ہیں :-

" با علم وعلما سرے داشت۔ دانش مندانِ جیّد فراوان جمع کردہ درخورِ مرتبۂ ہر کدام رعایت می نمود و ہر شب بعدِ نمازِ مغرب تا نیم شب در حضورِ او مجلسِ فضلا انعقاد می یافت و مباحثاتِ علمی درمیان می آمد"

فائز کے بیانات سے امیر الامرا کے یہاں کی مجلسِ علمی کے متعلق جو جو باتیں معلوم ہوتی ہیں اُن سب کی تصدیق علّامہ آزاد کی اس تحریر سے ہو جاتی ہے۔ صرف ایک قابلِ لحاظ فرق رہ جاتا ہے کہ آزاد جن لوگوں کا ذکر 'دانش مندانِ جیّد اور فضلا' کے لفظوں سے کرتے ہیں، فائز اُن کو بار بار 'طالب علم' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان دونوں بیانوں میں بہ ظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ فائز لفظ 'طالب علم' کو عالم یا ذی علم کے معنی میں استعمال کرتے

ہیں۔ ان کے ایک خط کا عنوان ہے 'بہ طالب علمے' یعنی وہ کسی طالب علم کو لکھا گیا ہے اور اس کو القاب یہ لکھے گئے ہیں:۔

"فضیلت و کمالات پناہ، شرافت و نجابت دست گاہ، جامع المعقول والمنقول"

ان القاب سے صاف ظاہر ہے کہ 'طالب علم' سے فائز کی مراد ذی علم یا اہلِ علم ہوتی ہے۔

امیر الامرا کی مجلس علمی کے دو رکنوں کے نام بھی فائز نے بتائے ہیں، ایک واسع خاں، دوسرے ملّا امان اللہ ساکن خطہ۔ واسع خاں کا ذکر بار بار کیا ہے۔ مذہبی مباحثوں میں وہ سب سے آگے رہتے تھے۔

صمصام الدّولہ امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوران خان بہادر خواجہ بہاء الدّین نقش بند کی اولاد میں تھا۔ اُس کا نام خواجہ عاصم اور وطن اکبر آباد تھا۔ اُس کے تین بھائی تھے، دو اُس سے بڑے خواجہ انور اور خواجہ جعفر اور ایک اُس سے چھوٹا خواجہ مظفر۔ خواجہ انور نے بردوان کی طرف انتقال کیا۔ خواجہ جعفر نے درویشی اختیار کرلی۔ اُس کا بیٹا خواجہ باسط اپنے علم و اخلاق، زہد و ورع کے باعث مرجع خلائق تھا۔ پہلے دہلی میں مقیم تھا، بعد کو لکھنؤ چلا آیا اور یہیں کوئی ستّر برس کی عمر میں ۱۱۸۳ھ میں انتقال کیا۔ "شیخ مومنین باسط" سے سال وفات نکلتا ہے۔ اُس کا مزار لکھنؤ میں معالی خاں کی سرا کے قریب ایک بلند مقام پر تھا جو خواجہ باسط کا ٹیلہ کہلانے لگا تھا۔

خواجہ مظفر نے مظفر الدّولہ مظفر خان کا خطاب حاصل کیا اور کچھ دن اجمیر کا صوبہ دار رہا۔ خواجہ عاصم ابتدا میں بہادر شاہ کے بیٹے شاہ زادہ عظیم الشان کی سرکار میں نوکر تھا۔ جب وہ شاہ زادہ قتل کر ڈالا گیا اور

محمد معزالدین تخت نشین ہوا تو خواجہ عاصم نے بہار کا رُخ کیا اور محمد فرّخ سیر کی ملازمت حاصل کر لی۔ محمد معزالدین کے قتل ہو جانے کے بعد فرّخ سیر کا تسلّط ہوا۔ خواجہ عاصم نے خوب ترقی کی اور صمصام الدّولہ خان دوران خان بہادر کا خطاب پایا۔ جب امیرالامرا حسین علی خاں دکن کے بندوبست کے لیے جانے لگا تو اُس نے صمصام الدّولہ کو اپنا نائب بنا کے شاہی دربار میں داخل کر دیا۔ حسین علی خاں کے قتل کے بعد محمد شاہ کی سرکار سے صمصام الدّولہ کو میر بخشی کا عہدہ، امیرالامرا کا خطاب اور ہشت ہزاری منصب عطا کیا گیا۔

صمصام الدّولہ خوش وضع، خوش گفتار اور خوش اخلاق شخص تھا، علما و فضلا کی صحبت بہت پسند کرتا تھا۔ طبیعت موزوں تھی، کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ ایک دن وہ فرّخ سیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اس وقت آئینہ دیکھ رہا تھا۔ صمصام الدّولہ نے اپنا یہ مطلع پڑھا:-

سحر خورشید لرزان بر سرِ کوے تو می آید
دلِ آئینہ را نازم کہ بر روے تو می آید

ایک دن صبح کے وقت مُلّا ساطع کشمیری صمصام الدولہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا۔ جب نواب کی سواری دروازے کے قریب پہنچی تو مُلّا نے اُس کے اِس مطلع کے پہلے مصرعے کو تضمین کر کے یہ شعر بلند آواز سے پڑھا:-

بدر گاہت کہ آرد ساطع از ذرّہ کمتر را
سحر خورشید لرزان بر سرِ کوے تو می آید

صمصام الدولہ خوش ہوا اور مُلّا کو دو ہزار روپے مرحمت کیے۔ مُلّا نے عرض کیا کہ میں نے بادشاہ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے اور شاہی ملازمت حاصل کرنے کا اُمیدوار ہوں۔ نواب نے اُسی دن مُلّا کو دربار میں پہنچا دیا۔

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فائز کا مذہب	۵۸	۱۰۔ فوائد الصحت	۸۹
فائز کی بیماری اور خانہ نشینی	۵۹	۱۱۔ منتخب الصدر	۸۹
فائز کی وفات اور عمر	۶۳	۱۲۔ ارشاد الوزرا	۸۹
فائز کی اولاد	۶۴	۱۳۔ تجسم الصدر	۹۱
فائز کی علمی استعداد	۶۷	۱۴۔ تحریر الصدر	۹۱
فائز کی خودپسندی اور خودستائی	۶۸	۱۵۔ رسالہ مالیخولیا	۹۱
فائز کا شرف تقدم	۷۶	۱۶۔ ہدایۃ الصدر	۹۱
کیا آبرو فائز سے مقدم تھے؟	۷۸	۱۷۔ زینت البساطین	۹۲
فائز کی تصنیفیں		۱۸۔ تحفۃ الصدر	۹۲
۱۔ اعتقاد الصدر	۸۱	۱۹۔ رقعات الصدر	۹۳
۲۔ طریق الصدر	۸۱	۲۰۔ خطبہ کلیات	۹۵
۳۔ صراط الصدر	۸۲	۲۱۔ دیوان فارسی	۹۶
۴۔ معارف الصدر	۸۳	۲۲۔ دیوان ریختہ	۹۶
۵۔ تبصرۃ الناظرین	۸۳	تصنیفات فائز کی نشان دہی	۹۷
۶۔ احزان الصدور	۸۳	کلیات فائز کی ترتیب و تکمیل	۹۸
۷۔ احیاء القلوب	۸۵	کلیات فائز کی بیت شماری	۹۹
۸۔ رسالہ مناظرات	۸۶	فائز کے اردو کلام کی مقدار	۱۰۲
۹۔ آئین الوزرا	۸۷	**فائز کی شاعری**	۱۰۳

مُلّا نے قصیدہ پیش کیا جس کے صلے میں خلعت، خاں کا خطاب، منصب، جاگیر اور کشمیر میں کوئی عہدہ اُس کو عنایت ہوا۔ نواب نے بھی مُلّا کو دس ہزار روپے مرحمت کیے۔

مُلّا ساطع کا شاگرد درافع کشمیری صمصام الدّولہ کے ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ اُس نے اپنا یہ شعر پڑھا :-

کفم چو کاسۂ گرداب، ہمچنان خالیست
بہ آن محیط کرم گرچہ آشنا شدہ ام

نواب نے اِس شعر کے صِلے میں ہزار روپے عنایت کیے۔

جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو محمد شاہ کی فوج نے دہلی سے آگے بڑھ کر اُس کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں صمصام الدّولہ اور قمقام الدّولہ دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ صمصام الدّولہ کے تین بیٹے مارے گئے اور ایک بیٹا عاشور خاں یا خواجہ عاشوری دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اُس نے بعد کو بہت ترقی کی۔ یہاں تک کہ عالمگیر ثانی کے عہد میں امیرالامرائی کے درجے تک پہنچ گیا۔[۱]

میرے کتب خانہ کے نوادر میں امیرالامرا کے دست خاص کا لکھا ہوا ایک خط فائز کے نام ہے، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :-

ہوالمعز

نواب صاحب مشفق و مہربان مخلصان سلامت

---

[۱] صمصام الدولہ کے یہ حالات تاریخ مظفری، مآثرالامرا، خزانہ عامرہ، مثنوی باسطی اور ایک گمنام قلمی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

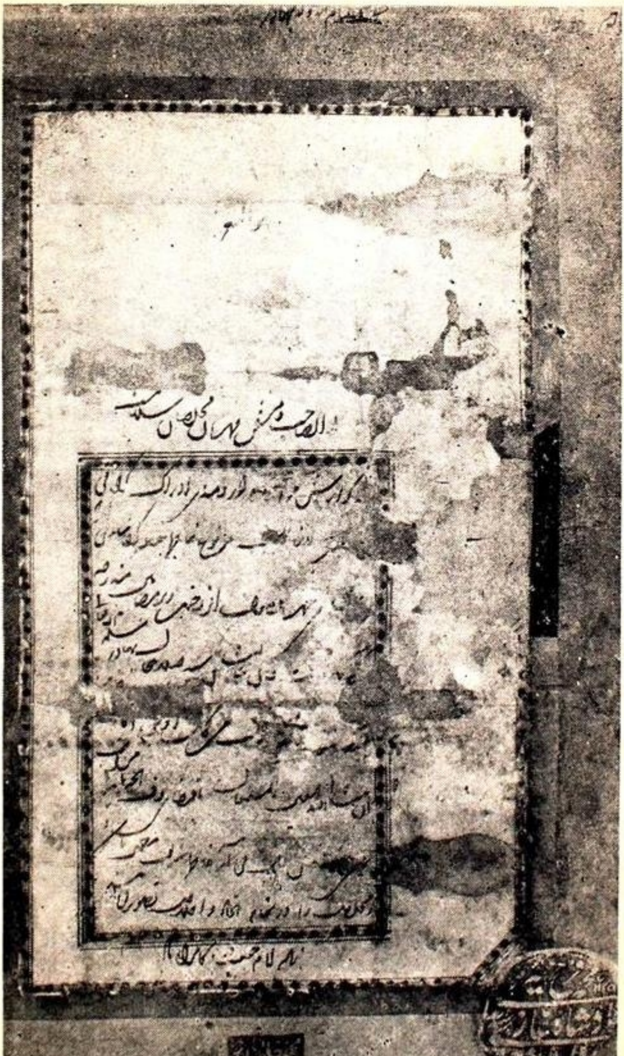

مکتوب امیرالامرا صمصام الدوله خان دوران بهادر بنام فائز

بعدگزارش مراسم آرزومندی ادراک گرامی . . . لازم است۔ مرفوع خاطر خطیر گردانیده می آید که [منیقه] سامی چهره وصول افروخت ۔ برمضامین مندرجه آگهی داد ۔ مکتوب (؟) خان عالی شان سید صلابت خان بهادر سلمه الله تعالی بر جمیع احوال من کل الوجوه آگاه ساخت ۔ انشاء الله المعین المستعان باقتضاے وقت انچه باید مراتب سعی وکوشش بعمل می آید ۔ خاطر شریف مطمئن باشد مخلص را در مقام اتحاد و اخلاص تصور فرمانید ۔ زیاده ایام جمعیت و کامرانی باد ۔

مُہر

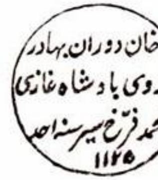

خان دوران بہادر کا فائز کو اپنے ہاتھ سے خط لکھنا فائز کی جلالتِ قدر کا بیّن ثبوت ہی ۔

فائز اور حکیم الممالک شاہی دربار کے طبیب خاص نواب حکیم الممالک بہادر سے فائز کے بہت اچھے تعلقات تھے ۔ وہ اپنے علاج کے لیے اسی سے رجوع کرتے تھے جیساکہ اُن کی بیاری کے سلسلے میں لکھا جاچکا ہی ۔ وہ حاذق طبیب تو تھا ہی، اسی کے ساتھ وہ علوم اسلامی کا جیّد عالم، بلند مرتبہ مصنّف اور ممتاز منصب دار بھی تھا۔ اُس کا کچھ حال اس کی غیر مطبوعہ عربی تصنیف خزانتہ الخیال سے یہاں لکھا جاتا ہی۔ حکیم نے اس کتاب میں ایک جگہ لکھا ہی کہ میں نے ۹ر شوال ۱۱۳۱ھ میں اس کی تصنیف

سے فرصت پائی۔

حکیم محمد مومن بن حاجی محمد قاسم بن حاجی محمد ناصر بن حاجی محمد الجزائری نسلاً عرب تھا، مگر اس کی پیدائش اور پرورش شیراز میں ہوئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں وہ دکن آیا اور کچھ دن عسرت میں بسر کیے۔ آخر چند امرا اُس کے حال پر مہربان ہو گئے، جن میں امیر شمس الدین علی اصفہانی مخاطب بہ مخلص خان، امیر برہان الدین خراسانی مخاطب بہ فاضل خان، امیر محمد مہدی اردستانی مخاطب بہ حکیم الملک اور حکیم محسن خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اِن لوگوں کی ہدایت کے مطابق محمد مومن نے ایک کتاب جس سے طب کے علاوہ حدیث، تفسیر اور حکمت سے واقفیت کا اظہار ہوتا تھا جَنّاتِ عَدْن کے نام سے لکھ کر اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ نے وہ کتاب بہت پسند کی، اور صدر الصدور نواب سیادت خان بلخی کو دکھائی۔ اُس نے بھی اُس کی بہت تعریف کی۔ بادشاہ نے اُس کے صلے میں ایک چھوٹا سا منصب اور کچھ انعام مصنف کے لیے تجویز کیا اور اُس کو اپنے پوتے، محمد معز الدین جہاندار شاہ ابن محمد معظم قطب الدین بہادر شاہ کے ساتھ کر دیا۔ وہ شاہ زادہ اُس پر بہت مہربان ہو گیا۔ کچھ دن بعد اورنگ زیب نے جہاندار شاہ کو ملتان اور سندھ وغیرہ کی حکومت دے کر دکن سے رخصت کر دیا۔ حکیم بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ ملتان کے قیام کا زمانہ بڑے عیش میں گزرا۔ کچھ مدت کے بعد خبر ملی کہ اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا ہے اور محمد معظم اُس کی جگہ تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ شاہ زادہ جہاندار فوراً دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دن خانہ جنگی ہوتی رہی آخر محمد معظم بہادر شاہ تخت کے اور سب دعوے داروں کو زیر کر کے ہندوستان کی سلطنت کا مالک بن گیا اور اپنے بیٹوں کو خاص کر جہاندار شاہ کو بڑے بڑے منصب اور انعام عطا کیے۔

کچھ زمانے کے بعد حکیم نے وطن جانے کی اجازت مانگی جو شاہ زادے نے نہ دی

اور اُس پر پہلے سے زیادہ مہربانی کرنے لگا، اُس نے بادشاہ سے بھی حکیم کا ذکر بہت تعریف کے ساتھ کرکے اُس کو دربار میں پہنچا دیا۔ حکیم نے اپنی تصنیف زہرۃ الحیاۃ الدنیا جو نظم و نثر پر مشتمل تھی پیش کی اور بادشاہ نے اُس کو پسند کیا۔ ابھی زیادہ مدّت نہیں گزری تھی کہ محمد معظم بہادر شاہ نے دنیا سے رحلت کی اور عنانِ سلطنت جہاندار شاہ کے ہاتھ میں آئی۔ اُس نے حکیم پر بہت نوازشیں کیں اور اُس کو سہ ہزاری دو صد سوار کا منصب اور حکیم الممالک مومن علی خان کا خطاب عطا کیا۔ اُس کا ذکر حکیم نے اپنی تصنیف طلیف الخیال میں کیا ہے۔ اب امرا میں اُس کا شمار ہونے لگا اور بادشاہ کا انتہائی تقرّب حاصل ہو گیا۔ جب حکیم کے پاس بہت دولت جمع ہو گئی تو اُس نے وطن جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر بادشاہ نے اُس کی درخواست نامنظور کر دی اور اس کو خوش رکھنے کے لیے انعام و اکرام میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر حکیم نے وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان میں قیام جاری رکھا[۵۱]

فائز اور حزیں | فارسی کے نامور شاعر شیخ علی حزیں ایران پر افغانوں کے تسلّط کے ہولناک زمانے میں وطن سے نکلنے پر مجبور ہوئے اور گھومتے پھرتے ۱۱۴۶ھ میں ہندوستان میں وارد ہوئے اور ۱۱۴۷ھ میں دہلی پہنچے، اور کئی شہروں میں کچھ کچھ زمانہ گزارنے کے بعد بنارس میں وارد ہوئے اور وہیں رہ پڑے ان کا ایک شعر ہے:-

از بنارس نہ روم معبد عام است ایں جا
ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است ایں جا

---

۵۱ خزانۃ الخیال کا قلمی نسخہ جو میرے سامنے ہے اس میں بڑی تقطیع کے چار سو آٹھ صفحے اور ہر صفحے میں اٹھائیس سطریں ہیں۔ اُس کی کتابت رجب ۱۲۵۴ھ میں تمام ہوئی۔ کاتب کا نام محمد رضا ہے۔ خط خفی اور اچھا ہے۔

انھوں نے ۱۱۸۰ھ میں بنارس ہی میں انتقال کیا اور فاطمان میں دفن ہوے۔

راقم نے اُن کے مزار کی زیارت کی ہو۔ اُس پر اُنھیں کا یہ حسب حال شعر کندہ ہو:۔

حزیں از پاے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم   سرِ شوریدہ بر بالین آسایش رسید این جا

حزیں ایک عالم فاضل شخص متعدد کتابوں کے مصنف اور ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ہندوستان میں بڑے بڑے امرا، شعرا، فضلا اُن کا بڑا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ فائز کے نام اُن کے بتیس خط ایک مجموعے[۱] میں موجود ہیں۔ ان خطوں کے القاب و آداب اور اُن کا لہجہ بتاتا ہو کہ وہ فائز کا بہت احترام کرتے تھے۔ وہ فائز کے نام کے ساتھ اِس طرح کے توصیفی فقرے لکھتے ہیں "سلالۃ الاعاظم الکرام"، "نتیجۃ الامراد العظام"، "بقیۃ الاماجد الکرام"، "سلالۃ الامراء العظام و العظماء الفخام"۔ ایک خط میں جواب دیر میں لکھنے کی معذرت یوں کرتے ہیں، "پریشانی اور ضعف حواس سے یہ تقصیر ہوئی کہ رقیمۂ سامی کے جواب میں غفلت ہوئی خدا جانتا ہو کہ ابھی چند روز ہوے آپ کا خط کاغذوں کے درمیان میں نظر آیا۔ کیا کچھ شرمندگی نہیں ہوئی۔ معذرت خواہ ہوں۔"

---

[۱] اس مجموعے کو اشرف علی خاں گستاخ لکھنوئی نے ۱۲۲۵ھ میں ترتیب دیا تھا۔ اس میں صرف بیالیس خط ہیں، بتیس خط فائز کے نام، چار فائز کے بیٹے اشرف الدولہ حسن علی خاں کے نام اور چھ خط دیگر اعزّہ، کے نام۔ یہ مجموعہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہو۔ حزیں کے خطوں کے دو مجموعے لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہیں۔ ان میں سے ایک بہت چھوٹی تقطیع کا ضخیم مجموعہ ہو۔ فائز کے نام بتیس خط جو مجموعۂ گستاخ میں ہیں اُن میں سے تینسویں خط کو چھوڑ کر اکتیس خط اِس مجموعے میں موجود ہیں۔ مگر کسی پر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں ہو اور یہ خط یکجا بھی نہیں ہیں۔ اشرف الدولہ کے چار خط جو مجموعۂ گستاخ میں ہیں وہ اس مجموعے میں بھی ہیں۔ یہ چاروں خط یکجا ہیں اور اس سرخی کے تحت نقل کیے گئے ہیں "رقعات کہ بمیرزا حسن علی خان المخاطب بہ اشرف الدولہ بہادر خلف نواب صدر الدین محمد خان نگاشتہ اند۔"

ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حزیں اور فائز میں بہت پُرخلوص دوستانہ تعلقات تھے، حزیں اپنے وہ راز بھی فائز کو بتا دیتے تھے جن کو وہ اوروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں اُن وجوہ سے جو اکثر آپ کے علم میں ہیں "مراسلۂ آن شخص" کی اطلاع اِن اطراف میں کسی کو بالکل نہ ہونے پائے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ محمد رضا خوش نویس جو آپ کی توجہ سے مرفّہ اور شکرگزار ہے اُس نے مجھ سے کہا کہ سرکار کے معلّم سابق کو کوئی شغل پیش آگیا ہے اور آپ اُس کی جگہ کسی اور کو مقرر فرمائیں گے۔ اگر یہ خدمت اس کے سپرد ہو جائے تو جس طرح وہ مرفّہ ہے آپ کی بدولت اس کے عیال بھی مرفّہ الحال ہو جائیں گے۔ میں نے اس کی خواہش کے مطابق اس التماس کی جسارت کی ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ تین چار خدمت گاروں کی ضرورت ہے۔ سرکار کے آدمیوں میں سے کسی کو حکم ہو کہ وہ اپنے جانے پہچانے ہوئے چند آدمی اگر ملیں تو لے آئے۔ بے ادبی معاف فرمائیے۔

بعض خطوں سے مترشح ہوتا ہے کہ حزیں فائزؔ کی نظم و نثر کو پسند کرتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں آپ کے "مجموعِ منثور" کو دیکھ کر دل مسرور اور آنکھیں روشن ہوئیں۔ حق یہ ہے کہ اس کو ہزار گونہ تحسین و آفرین کے لائق اور "نشیان بلاغت آئین" کے دستور کے موافق پایا۔ اس کی تعریف "توضیح واضحات" اور "تعریف معروفات" کا مصداق ہوگی۔

نگوید خرد پرور ہوش مند ... کہ گردون رفیع است و کیوان بلند
بہ بے دانشی آید اندر حساب ... چو گوید کسے روشن است آفتاب

ایک خط میں لکھتے ہیں "مجموعۂ سرکار" کو ایک صفحہ نقل کرنے کی جسارت کر کے خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

حزیں اپنی نئی غزلیں فائزؔ کو بھیجا کرتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں، "دو تازہ غزلیں بھیجتا ہوں۔ یہ آسمان کو تارے، چمن کو برگِ سبز، اور زمین کو عقیق ریزہ بھیجنا ہے۔

مگر آپ کی نظر اصابت اثر، اور فکر دقیقہ شناس تک پہنچانے میں مضائقہ نہ معلوم ہوا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ کل کی ایک ساعت کی صحبت کے فیض سے چند عاشقانہ شعر کہے ہیں، جن کی قدر اہلِ نظر کریں گے۔ جی چاہا کہ آپ قبول فرمائیں۔ ایک خط میں ہو کہ آج صبح کو چند شعر ہو گئے جو نظر گرامی تک پہنچاتا ہوں ۔

فائز بھی اپنی غزلیں حزیں کو بھیجتے تھے۔ حزیں ایک خط میں لکھتے ہیں "بفرائد واردات یاد آوری فرمودہ بودند" ایک مرتبہ فائز نے ایک غیر مانوس وزن میں ایک غزل کہہ کر بھیجی۔ حزیں نے اُس کے بارے میں لکھا کہ 'بحر ہزج مثمن سالم جزو ے محذوف' کے ہر مصرعے کے ارکان چار مفاعیلن ہیں۔ اگر آخری جز میں حذف نہ ہو اور سالم ہو تو، ہر مصرعے کا آخری رکن مفاعیلن کے بجائے مفاعیلان لاتے ہیں۔ 'غزلِ سامی' کی بحر بھی بحر ہزج ہے، لیکن اُس کی بنا پانچ رکنوں پر رکھی گئی ہے اور یہ استادانِ فن کے مقرر کیے ہوے وزن کے خلاف ہے۔ ہم عصر شاعروں میں سے ایک دو شخصوں نے ایسی بحر میں جس کے مصرعے کے ارکان چار مستفعلن ہیں ایک دو غزلیں کہی ہیں، جن میں پانچ رکن قرار دیے ہیں، مگر سلیقہ اُن کو قبول نہیں کرتا۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ ایک دفعہ فائز نے اپنے دو شعروں کے بیش مصرعے بدلنے کی فرمایش کی۔ حزیں نے اُن کی فرمایش پوری کر کے لکھا کہ ہر مصرعے پر ایک مصرع لگا کر بھیجتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ پسند کریں گے ۔

از بادۂ لطفِ تو دلِ ما ست کہ خالیست ۔۔۔ زین می ہمہ عالم پُر و مینا ست کہ خالیست

دامنِ گُل بکفِ سعی سبک روحانست ۔۔۔ اندریں رہ چو صبا تاختہ می باید رفت

فائز سے رخصت ہو کر حزیں دہلی سے لاہور گئے۔ وہاں اُن کو بادلِ ناخواستہ مہینوں قیام کرنا پڑا۔ ایک خط لکھتے وقت ان کو لاہور میں رہتے ہوے نو مہینے ہو چکے تھے۔ وہاں سے جو خط اُنھوں نے بھیجے ہیں اُن میں فائز سے جدا ہونے کا افسوس

اور اُن سے ملنے کا اشتیاق پُراثر انداز میں ظاہر کیا ہے۔ چند اقتباسوں کا خلاصہ یہ ہے۔ آپ سے جدا ہونے کا افسوس ہے؛ راستے بھر آپ کی یاد آتی رہی؛ آپ سے جدائی بہت شاق ہے؛ جدائی کی تکلیف قابل بیان نہیں؛ مہجوری کی حکایت بیان نہیں کی جا سکتی؛ آپ کے دیدار کا اشتیاق زبان کی تقریر اور قلم کی تحریر سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں حزیں نے جو شعر لکھے ہیں وہ اُن کے دلی جذبات کی پرزور ترجمانی کرتے ہیں:۔

بچہ اندیشہ ام از خاطر ناشاد روی چہ بخاطر گذرانم کہ تو از یاد روی

تا دور از وصال تو شرمندہ ماندہ ام شرمندہ ماندہ ام کہ چرا زندہ ماندہ ام

حزیں کے خطوں سے فائز کے بارے میں جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ مختصراً بیان کی جاتی ہیں۔ لاہور میں فائز کے کئی مکان تھے۔ اُن کی خاص محل سرا کی حالت دیکھ کر حزیں کو جو صدمہ ہوا اس کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں، ایک دن لوگوں نے بڑے اصرار اور منت سماجت سے مجھے گھر سے نکالا اور بے خبری میں خانہ رفعت آستانہ پر لے گئے۔ مجھ پر وہ حالت گزر گئی کہ ہمراہی متحیر ہو کر میری حالت پر رو دیے۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدید است صنادید عجم را

حوض کے کنارے کا بنگلہ جو اشارت سامی سے مرتب ہوا تھا وہاں پہنچے اور وہیں بیٹھ کر خون کے آنسو روئے۔

فائز کے کئی ملازم لاہور میں رہتے تھے۔ اُن میں ایک میر شہاب الدین بھی تھے، جن کو حزیں اکثر سیادت پناہ اور کبھی عزیز القدر کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ فائز اور حزیں کے خط اکثر انھیں کے توسط سے ایک دوسرے کے پاس پہنچتے تھے۔ حزیں ایک خط میں فائز کو لکھتے ہیں کہ سیادت پناہ کے وسیلے سے آپ کے نوازش نامے کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ سیادت پناہ مذکور کا مجھ پر بڑا حق ہے۔ وہ روزانہ آ کر

کچھ وقت آپ کے تذکرے میں گزارتے ہیں ۔

لاہور سے کچھ فاصلے پر فائزؔ کا ایک باغ[51] تھا، جس کی سیر کی وہ حزیںؔ سے بار بار خواہش کرتے ہیں ۔ حزیںؔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں آپ نے نوازش فرماکر باغ کی سیر کے لیے مکرّر کہا ہے ۔ خیال کرتا ہوں کہ اگر حالت فی الجملہ مساعدت کرے تو کسی وقت سیادت پناہ کے ساتھ جاکر دیکھ آؤں ۔ ابھی تک سرکار کے باغ کی سیر کو نہیں گیا ۔ اگر قسمت میں ہے تو آپ کے ارشاد کی خلاف ورزی نہ کروں گا اور جس طرح ہوگا ایک دن جاؤں گا ــــ باغ جانے کا حکم مکرّر صادر ہوا ۔ تعمیل ارشاد لازم ہے ۔ لیکن کن پاؤوں سے جاؤں اور کن آنکھوں سے دیکھوں ۔

نہ ہوائے باغ سازد نہ کنار کشت مارا   تو بہر کجا کہ باشی بود آن بہشت مارا

معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کچھ لوگ فائزؔ کو نقصان پہنچانے یا اُن کو بدنام کرنے کے درپے تھے اور فائزؔ اُن کی حرکتوں سے بے حد پریشان، ملول اور افسردہ خاطر رہتے تھے ۔ حزیںؔ نے کئی خطوں میں اس کا ذکر یوں کیا ہے ۔ آپ کی افسردہ دلی اور کسالت مزاج کا حال معلوم ہوا ــــ خدا سے دعا ہے کہ آپ کے احوال سے مطلع ہونے کے باعث جو شکستگی خاطر حاصل ہوئی ہے وہ آپ کے ترفّہ اور جمعیت خاطر کا علم حاصل کرکے تسلّی اور آسودگی پائے ــــ مہجوری کی حکایت بیان نہیں کی جاسکتی ۔ تسلّی کا ذریعہ گرامی ناموں کا پہنچنا ہے، مگر وہ بھی چونکہ آپ کے ملالِ خاطر اور انکسار مزاج کی خبر دیتے ہیں اس لیے وہ بھی دل کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں ــــ آپ کی دانش اور قوت قلب سے بہت تعجب ہے کہ چند ناکسوں سے قطع امید کے باعث آپ اس قدر مشوّش اور مایوس ہیں ۔ ہم خدا کی بندگی اور اُس کے ملک سے باہر نہیں چلے گئے ہیں ۔ اُس نے آج تک

---

[51] غالباً یہ وہی باغ ہے جو نواب علی مردان خان نے ابراہیم آباد میں تیار کرایا تھا (دیکھو صفحہ ۔ نوٹ ۵۰)

عنوان	صفحہ
فائز کی شاعری کے محرکات	۱۰۳
فائز اور قصیدہ گوئی	۱۰۴
فائز کی صداقت پسندی	۱۰۷
فائز کے کلام میں بے ساختگی	۱۰۸
فائز اور شعر کے محاسن	۱۰۸
فائز کا فارسی کلام	۱۰۹
فائز کا اُردو کلام	۱۱۰
فائز کی غزلیں	۱۱۰
فائز کے کلام میں مقامی رنگ	۱۱۹
فائز کے کلام میں صنعتیں، تشبیہیں اور استعارے	۱۲۱
فائز کی نظمیں	۱۲۵
فائز اور ولی۔ ہم طرح غزلیں	۱۲۶
فائز کی زبان	۱۳۹
فائز اور عیوب قافیہ	۱۴۴
دیوان فائز کا رسم خط	۱۴۶
خطبۂ کلیات فائز	۱۵۰
دیوان فائز	۱۹۳

عنوان	صفحہ
غزلیات اردو	۱۹۵
مخمس	۲۱۸
بحر طویل	۲۲۱
مثنویات ریختہ	
مناجات	۲۲۳
مدح شاہ ولایت	۲۲۶
وصف حسن	۲۲۸
تعریف پنگھٹ	۲۳۰
تعریف ہولی	۲۳۱
تعریف نہان نگم بود	۲۳۲
بیان میلہ بہتہ	۲۳۴
تعریف جوگن	۲۳۷
وصف کاچن	۲۳۹
تعریف تنبولن	۲۴۰
وصف جھنگیڑن درگاہ قطب	۲۴۰
تعریف گوجری	۲۴۴
رقعہ (۱) رقعہ (۲) رقعہ (۳)	۲۴۵ ۲۴۷ ۲۴۸
فرہنگ	۲۵۰

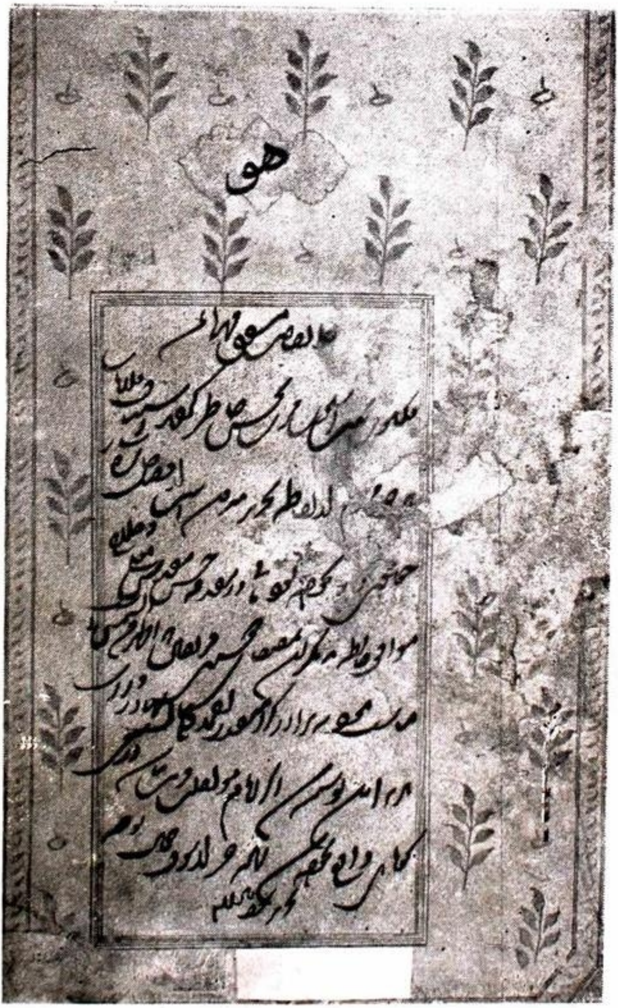
هو

مکتوب نواب برہان الملک بہادر بنام فائز

ہم کو عزت اور رفاہ کے ساتھ رکھا اور بقیہ عمر میں ہم کو چھوڑ نہ دے گا۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ اس قدر مکدّر اور شکستہ خاطر کیوں رہیے اور شیطانی وسوسوں کے ہاتھ میں کیوں پڑ رہیے۔ توقع ہو کہ آپ ان کے وجود و عدم کو برابر اور ان کے ردّ و قبول کو یکساں سمجھیں گے اور مجھ محب کے دل کو اس سے زیادہ متفکر اور بے قرار نہ فرمائیں گے۔ مجھ کو یقین ہو کہ آپ کو انشاء اللہ اراذل سے التجا کرنے کی احتیاج ہرگز نہ ہو گی۔

قآئز اور برہان الملک نواب برہان الملک بہادر بانی سلطنت اودھ اور فائز کے باہمی تعلقات کے بارے میں مجھ کو کوئی تفصیلی علم نہیں ہو، لیکن میرے کتب خانے کے نوادر میں فائز کے نام برہان الملک کا ایک خط ہو، جو برہان الملک نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہو۔ یہ بات فآئز اور برہان الملک کے خصوصی تعلقات کو ظاہر کرتی ہو اور خط کے مضمون سے اس کی مزید تائید ہوتی ہو۔ وہ خط یہاں نقل کیا جاتا ہو:-

هو

نواب صاحب مشفق مہربانِ من

مکتوب محبت اسلوب مسرت بخش خاطر گردید۔ اشتیاق ملاقات ہردو مخدوم (؟) از احاطۂ تحریر بیرون است۔ از فضل چارہ ساز حقیقی دور نخواہد بود۔ باقی در مقدّمۂ جشن مقدس معلّٰی وصلاح موافق ضابطۂ پرنگران۔ بمقتضاے دوستی فریقین کہ اظہر من الشمس است مناسب نبود۔ بہ برادر گرامی قدر احمد قلی خان بہادر وراے ہر نزاین نوشتہ شد۔ اگر ایام مواصلت قریب نباشد در سعی کوتاہی واقع نخواہد شد۔ زیادہ جز

از شوق جمال تو چہ تحریر شود۔ والسّلام۔

مُہر

برہان الملک بہادر

فائز کا مذہب علوم دین سے فائز کو خاص شغف تھا۔ اُن کی کئی تصنیفوں کا موضوع بھی مذہب ہی ہے۔ اُن میں سے ایک کتاب میں پیغمبر عرب کے حالات لکھے گئے ہیں، تین رسالوں میں عقائد اور اصول مذہب سے بحث کی گئی ہے، ایک رسالے میں امام عصر کے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں، ایک کتاب میں واقعات کربلا بیان کیے گئے ہیں، ایک رسالے میں رویت باری کے مسئلے سے بحث کی گئی ہے اور ایک رسالے میں مذہبی مناظروں کی روداد بیان کی گئی ہے۔ فائز کی یہ تصنیفیں بتاتی ہیں کہ وہ مذہباً اثنا عشری شیعہ تھے اور مذہبیات میں اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اُن کو حضرت علی سے بڑی عقیدت تھی، جس کا کچھ اندازہ ذیل کے شعروں سے کیا جا سکتا ہے:۔

بغیر نام علی نیست نقش سینۂ ما　　پُر از منقبتش چوں سفینۂ اشعار

تا چند یاد روے پری پیکران کنم　　جز مدح بوتراب نباشد شعار من

جملہ صفات نبی غیر نبوت در او　　بو دعلیؑ ولی بندۂ خاص خدا

شاہم از بندگیِ شیر خدا　　مہر و مہ چتر و سائبانِ من است

چون غلام علی شدم فائز　　ہرچہ بینی ہمہ از آنِ من است

لطفِ حیدر بہ فائزِ مسکین　　بہتر از عمرِ جاودان باشد

من سراپا جرم و عصیانم و لے از فضلِ حق　　حامیٔ فائز بہ محشر لطف و مہرِ حیدر است

طریقِ عارفاں گر کردۂ طے　　فدائی علیِ مرتضیٰ شو
ہوائے نفسِ امّارہ زبون است　　چو فائز پیرو راہِ ہدیٰ شو

اپنی مثنوی نورِ خیال میں حمدِ خدا اور نعت رسُول کے بعد لکھتے ہیں:۔

ہمچو او باید مرا و را جانشین　　جانشین آسمان نبود زمین
غیر حیدر کے سزاوار است کس　　تا تواند گشت با او ہم نفس
زانکہ از یک نور شان خلقت شدہ　　آن یکے جان و دگر صورت شدہ
مصطفیٰ و مرتضےٰ را یک شمار　　نیستی احول دو بینی واگذار
اہلِ بینش ہر یکے در راہِ دین　　رہ نما گردیدہ چون شمع مبین
جز د ایمان است حُبِّ آلِ او　　ہر کرا نبود بدا احوال او

فائز کے اُردو دیوان میں بھی حضرت علیؑ کی مدح میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے "در مدح شاہِ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام"

فائز کی بیماری اور خانہ نشینی | فائز ایک طرف بے کاری سے پریشان تھے، دوسری طرف بیماری سے نالاں تھے۔ ایک مناجات میں کہتے ہیں:۔

ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے　　توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے

کہ بے کاری و بیماری بلا ہی	فقیر اِن دو بلا میں مبتلا ہی
شفا خانے سے اپنے بخش صحت	سرافرازی کی جگ میں بھیج خلعت
شفا دے فائزِ زار و حزیں کو	بلند اقبال کر اندوہ گیں کو

ایک منقبت میں یہ دو شعر ملتے ہیں :-

لشکرِ سودا نے کیا ہی ہجوم	چھائے مرے دل پہ غمامِ غموم
فائز بے دل کوں سرافراز کر	صحت جاوید سوں ممتاز کر

یہ شعر بتاتے ہیں کہ فائز کسی سوداوی مرض میں مبتلا تھے. وہ اپنے رسالۂ مالی خولیا کے دیباچے میں لکھتے ہیں "این ہیچ مدان را از سِن طفولیت سودا در مزاج غالب بود و از خیالاتِ غیر متناہی آن لحظہ فارغ نہ بود" اُن کی بعض دوسری تحریروں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کو خفقان کی شکایت پیدا ہو گئی تھی ۔ وہ ایک منظوم خط میں شاہی طبیب حکیم الملک کو لکھتے ہیں :-

ای مسیحا نفس طبیب زمان	در مداوا ترا ید بیضا
زان خطاب تو شد حکیم الملک[1]	کہ کنی زندہ ہر نفس موتی
می کشد خاطرم بہ دشتِ جنون	ہست این حال لازمِ سودا
ہر دمے در نظر بہ چندین رنگ	جلوہ ہا می کند خیالِ رسا
گشت دل تنگیم چو غنچۂ گل	شد دِلم خون چو لالۂ حمرا
خفقان از خیالِ ہم نفسی	بردہ راہے بہ خلوت دل ما
گر رسد نسخۂ زیا قوتی	نفع بخشد مرا درین اثنا
باید اجزائے آن بود یکسر	تقویت بخشِ قلب و روح فزا

---

[1] حکیم الملک سے غالباً حکیم الممالک مومن علی خان شیرازی مراد ہیں ۔

اس کے بعد نسخے کے اجزا بھی تجویز کیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ یشب۔ لعل۔ عقیق۔ مروارید۔ حجر التیس پبّد۔ کاہ ربا، عنبر، مشک، صندل، کافور، عود، زعفران جوز بوا۔ انھیں حکیم الملک کو ایک دوسرے قطعے میں لکھا ہو کہ ایک ہفتہ آپ کا نسخہ استعمال کیا۔ دماغ میں مادّے کا کسی قدر حبس ہو گیا ہو، جس سے دماغ پریشان رہتا ہو۔ اگر تنقیۂ دماغ ضروری ہو تو پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔ ایک مثنوی میں اُنھوں نے اپنی حالتِ زار ذرا تفصیل سے بیان کی ہو۔ اُس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

زسودا چنان شد مزاجم خراب — کہ کس را نگویم زکلفت جواب
حواسم نماندہ چو دیوانہ ہا — دلم وحشتے دارد از خانہ ہا
نہ با باغ رغبت نہ شوقے بہ گل — نہ ذوقے بہ جام و نہ خواہش بہ مل
نہ میلے سوے دشت و صحرا و کوہ — نہ حظّے ز باغاتِ والا شکوہ
ندارد دلم رغبتے بر شکار — گرفتہ طبیعت ازاین ہا کنار
نہ شوقِ ملاقاتِ ہمسایہ ہا — نہ خواہش بہ دیدارِ ہم پایہ ہا
ندارم دماغے بہ درس و کتاب — کہ شبہا ز فکرم نبردہ است خواب
ز وضعِ فلک گشتہ جانم ملول — نشستم زکلفت بہ کنجِ خمول

فائزؔ کے خطوں میں ایک حکیم الممالک کے نام اور چار حکیم مومن علی خان کے نام ہیں۔ حکیم الممالک مومن علی خان، حکیم محمد مومن شیرازی کا خطاب تھا۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہو کہ حکیم مومن علی خاں نے ایک مرتبہ فائزؔ کو دوا، المسک بھیجی تھی اور ایک مرتبہ سرمہ۔ حکیم الممالک کے نام جو خط ہو اُس میں بھی فائزؔ نے اپنے مراق اور خفقان کا ذکر کیا ہو۔ اس خط کا کچھ حصّہ یہاں نقل کیا جاتا ہو:۔

"مہربانِ من چہ گویم و چہ نویسم از احوالِ کثیر الاختلال سراپا

ملا، طفلِ طبیعتم کہ از سن صبی الی یومنا ہذا در مہدِ عافیت نشو ونما یافتہ بود سرگشتۂ بادیہ حیرانیست ونوبادۂ آرزویم کہ ہموارہ در کشمکش جمعیۃ بسر می برد ہاموان نوردِ صحرائے سرگردانیست۔ ذہن وقادِ عالیم کہ طعنہ بر افلاطون می زد مضحکۂ پست فطرتان گردیدہ وعقلِ نکتہ فہم کہ با ساکنانِ سمٰوات دست وگریبان می شد، بر جع القہقرا سر کشیدہ۔ حافظہ ام کہ لوحِ محفوظ بود، ضعفش تاآں جا کہ آنچہ باو سپردہ بودم نسیًا منسیا بل کان لم یکن شیئًا مذکورا"

فائز کی تحریروں کا غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بے کاری، بیماری، مالی بے اطمینانی اور اہلِ زمانہ کی روش سے بیزاری، ان سب چیزوں کے مجموعی اثر نے اُن کو خانہ نشین بنا دیا تھا اور اُنھوں نے لوگوں سے ملنا جُلنا بہت کم کر دیا تھا۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ایک مرتبہ فائز تین مہینے کے بعد امیر الامرا سے ملے تو اُنھوں نے یہ شکایت کی کہ آپ نہ دربار میں جاتے ہیں نہ میرے یہاں آتے ہیں۔ رقعات الصدور کے مقدمے میں فائز نے سب سے مجالست ترک کر کے ایک مخلص دوست کی صحبت پر قناعت کرنے کا سبب بیان کیا ہے۔ یہ بیان اُنھیں کی زبان سے سُنیے:۔

"دریں عصر آنچہ بہ نظر می آید نادیدنیست و ہرچہ مسموع می شود ناشنیدنی وآنچہ بہ عمل می آید ناکردنی۔ اگر نفیِ آن کردہ شود بر ایشان شاق واگر تصدیقِ آن نمودہ شود ما لا یطاق۔ علی کلا التقدیرین باعث تصدیع طرفین شود۔ ۔ ۔ ۔ بناءً علیہ ترکِ مجالست ہمہ نمودم ودوستے مشفق دانیسے محب کہ ہموارہ ہم نفس است ۔ ۔ ۔ اختیار فرمودم"

اس کے بعد اُس دوست کی تعریف عربی میں لکھی ہے اور عربی ہی میں اُس کے

نام کے کئی معمّے بنائے ہیں۔ اِن معموں سے وہ نام "تجرید" نکلتا ہے، جس کے معنی ہیں تنہائی۔ فآئز کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگوں سے مِلنا جُلنا چھوڑ کر تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے۔

فآئز کی وفات اور عمر تاریخ محمدی کا مصنف ۱۱۵۱ھ کے تحت میں لکھتا ہے:-

"صدرالدین محمد خان بن زبردست خان بن ابراہیم خان بن
علی مردان خان۔۔۔ ازامرائے ہند در ماہ صفر در شاہجہان آباد
فوت شد"

اس طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ فآئز کا انتقال دہلی میں صفر ۱۱۵۱ھ میں ہوا۔ لیکن اُن کی ولادت کی تاریخ معلوم نہیں۔ اس لیے ان کی عمر کا صحیح اندازہ ممکن نہیں۔ اُن کے کلام سے بھی ان کے سِن کا حال نہیں کھلتا۔ ایک مثنوی میں وہ کہتے ہیں کہ افسوس جوانی گزر گئی، دل افسردہ اور طبیعت ملول ہوگئی، خوشی کی ہنسی یاد نہ رہی، عشق کی آگ بجھ گئی، سیر و شکار کا شوق نہ رہا، مطرب کا نغمہ ملال کا باعث ہے رقص و طرب کا خیال بھی نہیں آتا، مطالعے کا ذوق دل سے نکل گیا، دنیا سے علیحدگی اور تنہائی پسند ہے۔ اس مثنوی کے چند شعر یہ ہیں:-

آہ کہ ایامِ جوانی گذشت — موسمِ اقلیم ستانی گذشت
گشت دل افسردہ و خاطر ملول — جائے تواں کرد بہ کنجِ خمول
خندۂ تفریح فراموش شد — آتشِ عشقم ہمہ خاموش شد
دل نکشد گاہ بسوے شکار — از ہمہ خلق گرفتہ کنار
زمزمۂ مطرب آرد ملال — نیست خوش آیندہ چنیں قیل و قال
رقص و طرب گاہ نیا مد بہ یاد — خواہش وحدت بہ دلم شد زیاد
ہیچ طرف دل نکشد بہر سیر — نے سوے مسجد روم دنے بہ دیر

ذوقِ کتاب است زخاطر برون　　در سرِ من ہست خیال جنون

شمع دل غم زدہ پژمردہ شد　　خاطر پُر عیشِ من افسردہ شد

فائزؔ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہوگئے تھے۔ فائزؔ نے اپنی شاعری کے دو محرک بتائے ہیں، ایک دو گرفتاری دل و تعلق بخوبان طاقت گسل" اور دوسرا دواوینِ اساتذہ میں کسی زمین کا پسند آجانا[۵۱]۔ ان محرکوں سے متاثر ہوکر شاعری شروع کرنے کے لیے کم سے کم بیس برس کی عمر فرض کرنا ہوگی۔ فائزؔ کے کلیات میں تقریبًا انیس ہزار شعر ہیں[۵۲]۔ فائزؔ کے امیرانہ مشغلوں اور عالمانہ مصروفیتوں یعنی سیر و شکار، رقص و موسیقی، کثرتِ مطالعہ، تصنیف و تالیف وغیرہ کے ساتھ ساتھ اتنی کثیر تعداد میں شعر کہنے کے لیے کم سے کم دس برس کا زمانہ درکار ہوگا۔ پھر ایک مدت کے بعد ایک دوست کی ترغیب پر دیوان مرتب کرنے[۵۳] میں کوئی دو برس اور لگے ہوں گے۔ دیوان کی ترتیب کے پندرہ سال بعد ۱۱۴۲ھ میں اس پر نظر ثانی[۵۴] کی گئی۔ اس کے آٹھ نو سال بعد صفر ۱۱۵۱ھ میں فائزؔ کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے فائزؔ کے انتقال کے وقت ان کی عمر پچپن سال کی قرار پاتی ہے بہر حال یہ صرف ظنّی اور تخمینی حساب ہے۔ فائزؔ کی صحیح عمر فی الحال معلوم نہیں۔

فائزؔ کی اولاد فائزؔ کی اولاد کا کوئی تفصیلی حال تو معلوم نہیں۔ مگر رقعات شیخ علی حزیںؔ کا قلمی نسخہ جو لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے[۵۵]، اُس کے مولف نے

---

[۵۱] دیکھو فائزؔ کی شاعری کے محرکات، صفحہ ۱۴۱-۱۴۲ [۵۲] دیکھو کلیات فائزؔ کی بیت شماری ص ۹۹-۱۰۱

[۵۳] دیکھو فائزؔ کی شاعری کے محرک دوم میں ترتیب دیوان کا ذکر ص [۵۴] دیکھو کلیات فائزؔ کی ترتیب و تکمیل ص ۹۸

[۵۵] یہ بہت چھوٹی تقطیع کا ایک ضخیم نسخہ ہے، جس کو پنڈت کنھیالال کی استدعا پر بدری ناتھ نے نصف اکبر آباد میں اور نصف کانپور میں نقل کرکے ۱۹ ذیحجہ ۱۲۵۵ھ کو ختم کیا۔

چار خط اِس سُرخی کے تحت میں درج کیے ہیں: "رقعات کہ بہ میرزا حسن علی خان، المخاطب بہ اشرف الدولہ بہادر خلف نواب صدر الدین محمد خان نگاشتہ اند" اِس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فائز کے ایک بیٹے میرزا حسن علی خاں تھے جن کا خطاب اشرف الدولہ بہادر تھا۔ حزیں کے خطوں کا ایک مختصر قلمی مجموعہ علی گڑھ یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں ہے۔ اس میں بھی یہ چاروں خط شامل ہیں۔ اس مجموعے کے مولف اشرف علی خان گستاخ کا بیان ہے کہ یہ خط فائز کے انتقال کے بعد لکھے گئے تھے۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی حزیں اپنے مرحوم دوست فائز کے فرزند اشرف الدولہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور جن لوگوں نے فائز کو آخر عمر میں پریشان کر رکھا تھا وہ اشرف الدولہ کے لیے بھی سخت پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ حزیں نے ان کی حرکتوں کی طرف "شریر خاصمان" "دون خصلتی ناکسان زمانہ" اور "سلوکِ ناہنجار اشرار نابکار" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔ دو خط جو اشرف الدولہ کے خطوں کے جواب میں لاہور سے دہلی بھیجے گئے تھے، اُن میں شیخ حزیں نے اشرف الدولہ کو تسلی دی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ خدا مددگار ہے اور جب تک میں زندہ ہوں انشاء اللہ کوئی ملال اور پریشانی آپ کو نہ ہونے پائے گی۔ آپ تحصیل کمالات اور اپنے احوال کی طرف توجہ کرتے رہیے۔ میں نے آپ کی خواہش کے مطابق نواب حکیم الملک بہادر اور دوسرے معززین کو تاکیدی خطوط لکھ دیے ہیں۔ آپ میرے پاس چلے آیئے، یہاں آپ کے آرام و آسایش کا انتظام کر دیا جائے گا۔ دوستوں کے وسیلے سے بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے سفر کا سامان خاموشی کے ساتھ کیجیے، تاکہ لوگوں کو پہلے سے اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ دو تین بہلوں پر اسباب رکھ کر اور پالکی پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ سفر کیجیے، اس لیے کہ اِدھر کے راستے بہت خراب ہیں۔ شیخ نے اِس سفر کی ایک ضرورت بھی پیدا کر دی ہے اور لکھا ہے کہ "ہمشیرہ معظّمہ،

فائز کی تصویر

فائز دہلوی کی اصل تصویر جس کا بلاک اس کتاب میں دیا جارہا ہے، ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانے کے مرقع نمبر ۲۴ میں موجود ہے۔ اس پر فائز کا نام یوں لکھا ہوا ہے "نواب صدرالدین محمد خاں بہادر خلف نواب زبردست خاں بہادر ابن نواب ابراہیم خاں بہادر" اور اشرف علی خاں، کی مہر لگی ہوئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اشرف علی خاں وہی ہوں جنھوں نے خطوط حزیں بنام فائز و شرف الدولہ کا مجموعہ مرتب کیا تھا۔ یہ مجموعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

کتاب خانہ رام پور کے فاضل ناظم مولوی امتیاز علی صاحب عرشی نے اپنے ایک خط میں اس تصویر کا بیان ان لفظوں میں کیا ہے :-

"نواب صاحب اپنے محل کی، بالائی منزل پر رونق افروز ہیں دائیں جانب عمارت کے نیچے باغ ہے نشست تخت پر ہے پیچوان لگا ہوا ہے۔ پشت پر چار خادم، دو کے ہاتھ میں مورچھل اور دو کے ہاتھوں میں سرپوش سے ڈھکی ہوئی قابیں ہیں سامنے سات خادم کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں سرپوش سے ڈھکی ہوئی قاب، دوسرے کے نیام میں رکھی ہوئی شمشیر ہے۔ بقیہ دست بستہ کھڑے ہیں۔ نواب صاحب کو نحیف البجثہ دکھایا ہے اور لباس وہ ہے جو محمد شاہ کے عہد میں مروّج تھا۔

کی شادی در پیش ہو اور سب لوگ آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔

شیخ علی حزیں کے ایک خط میں جس کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا یہ عبارت ملتی ہے :-

"سفارش اطفال سید نظام را در حضور سامی بہ سید عماد الدین خان صاحب حفظ نمودہ و سفارش پسر صدر الدین محمد خان را نیز نوشتہ بودم۔ از خاطر شریف محو نہ گردد"

اِس عبارت سے تصدیق ہوتی ہے کہ شیخ نے اشرف الدولہ کے لیے بعض عزیز لوگوں کو سفارشی خط لکھے تھے اور پھر اُن کو تاکیداً یاد دہانی بھی کی تھی۔

فائزؔ کے فارسی دیوان میں دو قطعے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اُن کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر پیدا ہوتے ہی مر گیا۔

ایک قطعہ میں گیارہ اور دوسرے میں سترہ شعر ہیں۔ اِن دونوں قطعوں کے تھوڑے سے شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

بعد عمر از تولد پسرے — جوش شادی رسید تا افلاک
در نفس چون حباب آمد و رفت — بہ دمے شد چو طفل اشک ہلاک
این مسافر شبے قیام نہ کرد — آمد و شد رواں بہ عالم خاک
دایۂ مرگ برد در بغلش — ہمچو گنجش گذاشت در تہ خاک

ایزدم داد بعد عمر پسر — شد چو موجود آن بہ دل پیوند
طرب افزود در دلم ناگاہ — شدم از مقدمش بسے خرسند
جمع گشتند در نفس مردم — شد تحیت ز چار سوے بلند
روے امید چون بہ دنیا کرد — نظرے جانب زمانہ فگند

چشم وا کرد و دید طور فلک   دیده را کرد بار دیگر بند

فائز کی علمی استعداد | فائز کی ذات میں بہت سے علوم و فنون جمع تھے۔
سفینۂ ہندی کا مولف کہتا ہے :۔

"جامع اکثر علوم بود۔ خصوصاً در اعمال سیمیا و صنایع و بدایع
کمال مہارت داشت۔"

فائز اور امیرالامرا کے دوستانہ تعلقات کے بیان میں جس ناقص الطرفین کتاب کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس کا مولف لکھا ہے :۔

"نواب صدرالدین محمد خان بہادر کہ شہرۂ علم و کمال و فضل و
ہنر و لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی الشان کالشمس فی نصف النہار بود۔"

یہ عبارت بتاتی ہے کہ نواب صدرالدین محمد خان (فائز) علم و ہنر فضل و کمال میں شہرت رکھتے تھے اور وہ ایک شگفتہ مزاج، لطیفہ گو اور بذلہ سنج شخص تھے۔ فائز کو فارسی زبان و ادب پر جو غیر معمولی عبور تھا وہ ان کی متعدد تصنیفوں اور ضخیم فارسی دیوان سے ظاہر ہے۔ وہ فارسی ادب، بالخصوص فارسی شاعری میں بہت وسیع نظر رکھتے تھے۔ اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ لکھا ہے :۔

"فقیر قریب پنجاہ دیوان از قدما و استادان بہ مطالعہ در آوردہ
احوالِ ہریک و مراتب کلام الشان سنجیدہ۔"

اِس کے بعد فارسی کے باون (۵۲) شاعروں کا ذکر کیا ہے اور اُن کے خصوصیات نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"طور و طرز ہریک جدا است۔ کسے کہ مدتہا مطالعۂ کتب ہریک
نمودہ باشد بر دپوشیدہ نخواہد بود۔"

اسی خطبے میں دوسری جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں :-

"اکثر مطالعۂ کتب اشعار استادان می نمود۔ زہے کہ خوش آمد درآن فکرِ نظم می نمود"

ان قولوں کے علاوہ فائزؔ نے اپنے کلّیات کے خطبے میں ایرانی شاعروں کی تصنیفوں کے حوالے دیے ہیں اور اُن کے شعر مختلف موقعوں پر کثرت سے نقل کیے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی فارسی مثنویوں کو اُن کی بحروں کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور ان بحروں کے نام یوں بتائے ہیں

بحر مثنوی مولوی روم و معراج الخیال، بحر مثنوی شاہ نامۂ فردوسی و سکندر نامۂ نظامی گنجوی، بحر مثنوی خسرو شیریں زلالی و نظامی و یوسف زلیخائے جامی، بحر مثنوی حدیقۂ سنائی و ہفت پیکر نظامی و سلسلۃ الذہب جامی، بحر مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی و جامی و نل دمن فیضی، بحر مثنوی مخزن الاسرار نظامی و نقش بدیع غزالی و خمر نامہ محمد قلی سلیم، بحر مثنوی سبحۃ الابرار جامی و بدن نامے میر سید علی قہری، بحرہائے مختلف سوائے ہفت بحر مشہور۔

اِس سے بھی فارسی کے ادبِ منظوم میں فائزؔ کی وسعتِ نظر کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

فائزؔ کی خود پسندی اور خود ستائی

فائزؔ کو اپنی فارسی دانی پر ناز تھا اور فارسی نظم و نثر میں وہ ہم عصروں میں سے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایک مرتبہ "یکے از مردم خطۂ" یعنی کسی کشمیری نے اُن کے شعر کو اصلاح طلب کہہ دیا اُنھوں نے اس کو بہت درشت لہجے میں ایک خط لکھا، جس میں یہ جملہ بھی ہے، "دریں عصر کسے را نمی رسد تا چنیں کلمہ

دریا بر نظم و نثر من گوید"۔ یعنی اس زمانے میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میری نظم و نثر کے بارے میں ایسا کلمہ کہے ۔ یہ خط فائز کی خود پسندی کی غمازی کرتا ہی۔ اُس کا ضروری حِصّہ یہاں نقل کیا جاتا ہی ۔

"مسموع شد کہ آن سرخیل بوندان مقام کوہ باران و تخت سلیمان
بہ زبان نا فصاحت جریان گفتہ کہ شعر فلانے اصلاح طلب است۔
دست بالائے دست بسیار است۔ اگر این حرف را قدسی یا کلیم
می گفت بجا بود۔ تو شعر را کی می فہمی و فارسی را چہ می دانی۔ بہ جان
سخن و بہ نزاکتِ معنی سوگند وانہ لقسم لو تعلمون عظیم
کہ درین عصر کسے را نمی رسد تا چنین کلمہ در برابر نظم و نثر من گوید۔
تو خود در چہ شماری و کی دخل قطاری۔ این قدر باید دانست
کہ بر نکتہ فہمان گرفت دگیر بے جانہ توان کرد۔ پا بہ اندازۂ گلیم
دراز باید نمود۔ پارۂ اشعار حافظ و صائب یاد گرفتن و ہمین قدر
خود را نکتہ سنج و شعر فہم قرار دادن دور از شیوۂ عقل است
و دلیل بے شعوری بل خری و بے جوہری۔ کلام من از تصانیف
حبّہ خاتون و یوسف شاہ است کہ تو فہمِ آن توانی نمود۔ و نہ از اشعار
حافظ سلمان و فقیر و آمل است کہ تو غور مضامین آن توانی
فرمود۔ این زبانِ فارسی است از پارسی زبانان باید شنید"

اس عبارت کا آخری جملہ بتاتا ہی کہ فائز اپنے کو فارسی میں اہلِ زبان سمجھتے تھے۔ وہ اصلاً ایرانی تھے۔ ممکن ہی کہ ان کے گھر میں اب تک فارسی بولی جاتی ہو۔

فائز علم و فضل کی دولت سے مالا مال تو تھے ہی، دولتِ دنیا سے بھی ان کو کافی حصہ ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہی کہ آن کے خوشامدی مصاحبوں اور حاشیہ نشینوں

نے ان کے کلام کی مبالغہ آمیز تعریف کرکرکے اُن کو خود اُن کی نظر میں بہت اونچا کر دیا تھا اور اُن کی خود پسندی نے خود ستائی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے اپنے مجموعۂ خطوط رقعات الصّدر کا جو مقدمہ لکھا ہی، اُس کے خاتمے پر اس کی تعریف یوں کرتے ہیں :-

" گلستا نیست بے خزان و بوستا نیست گل افشان،
بہارش دائم و رنگ و بوے ریاحینش قائم
عبارا تش چو آب زندگانی   در و پیدا جواہر از معانی
دانند آنہا کہ ہمہ دان اند کہ ازیں قبیل منشآت دیگر نیست۔
ایں مجموعۂ خوبے ست، بصورت محبوبے ست۔ فہم نکاتش نہ کار ہمگنان، بل تحفہ البیت لائق بزم خرد مندان "

ایک خط میں قوام الدّین خاں کو لکھتے ہیں :-

استفسار احوال نمودہ بودند۔ دریں ایام فرخ نشان معانی با من ہم صحبت اند و سیہ چردہ گان سخن در کمال الفت۔ لیلاے نظم و سلماے نثر در آغوش و شیریں ناطقہ با عذراے فصاحت ہم دوش۔ مشاطۂ کلکم زیب دہ ایشان و خیالم ہموارہ دریاد ماہ رخان پریشان۔ اگر مرج البحرین یلتقیان شنیدہ دیوانم ببیں کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ظاہر و باطنم یکسان و دل و زبانم توامان۔ عمر صرف بایں نحو نمودہ و از اہلِ زمانہ گوے سبقت ربودہ، کوچہ گردیہا کردہ ام و از ہر کوے سرے بر آوردہ ام۔ گنج بادآورد معانی در دستم و مخزن نقود عبارات در مشتم۔
می دہم جان حروف و معنی را   اثر طرفہ در زبان من است

اُن کی خود ستائی اور خود بینی، بلکہ ناتواں بینی، کی حد یہ ہے کہ وہ اپنے قصیدے کے ایک شعر کو عرفی کے قصیدے ہی پر نہیں، بلکہ اس کے پورے دیوان پر ترجیح دیتے ہیں۔ کسی شاعر کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"قصیدۂ کہ دیروز گفتہ شدہ بود فرستادہ شد۔ این بیت حسن مطلع را بر دیوان عرفی ترجیح می توان داد، تا بہ قصیدہ[۵۱] اش چہ رسد

ہر موے سر زلف تو دل دوز چو تیر است
کس راست نہ بستہ است چو من معنی خم را"

فائز عربی زبان اور ادب پر بھی کافی عبور رکھتے تھے۔ وہ اپنے رسالوں میں حمد و نعت وغیرہ عربی میں لکھتے ہیں اور اپنی فارسی تحریروں میں عربی کے اشعار و اقوال وغیرہ بے تکلف لاتے ہیں اور بعض اوقات لمبی لمبی عبارتیں عربی میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ رقعات الصدر کے مقدمے میں ایسی عبارتیں کئی جگہ موجود ہیں۔ اسی کتاب میں فائز کے کئی خط شامل ہیں جو عربی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ وہ عربی میں نظم کرنے کی قدرت بھی رکھتے تھے۔ اُن کے کلیات میں لمعات کے عنوان سے اٹھائیس شعر ایسے موجود ہیں جن کا پہلا مصرعہ فارسی اور دوسرا عربی ہے۔ ان کے اُردو دیوان میں ایک غزل ہے جس کے ہر شعر کا دوسرا مصرع عربی ہے۔ اُن کی اُردو مثنویوں میں بھی سات شعر اسی طرح کے ملتے ہیں اور ایک شعر پورا عربی میں ہے۔

---

۵۱ عرفی کے اس مشہور قصیدے کی طرف اشارہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را   ہمت نہ خورد نیشتر لا و نعم را

عربی زبان کے علاوہ عربی علوم میں بھی فائز کو اچھا خاصا دخل تھا۔ وہ قرآن کی آیتیں پیش کرتے ہیں اور اُن کے معنی و مطالب بیان کرنے میں اجتہادی شان دکھاتے ہیں۔ رسُول کی حدیثیں راویوں کے حوالوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اسلامی عقائد، فقہ اور تاریخ کے نزاعی مسئلوں پر عالمانہ بحثیں کرتے ہیں۔ انھوں نے امیرالامرا کے یہاں اہلِ علم کے مجمع میں مختلف مسائل پر جو مناظرے کیے اور اپنے حریفوں کو جن مدلّل بحثوں سے لاجواب کر دیا اُن پر نظر کرنے سے فائز کا یہ دعویٰ صحیح معلوم ہوتا ہے

صدرِ اصحاب معنیم بہ جہان　　　　بر نزی حق خاندانِ من است
سر دشمن جدا کنم ز سخن　　　　تیغ ہندی ہمیں زبانِ من است

مناظروں کے سلسلے میں فائز جن مصنفوں کے قول پیش کرتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کی مستند کتابیں اُن کی نظر سے گزر چکی تھیں۔ رسالۂ مناظرات کے علاوہ اُن کے دوسرے رسالوں میں بھی علوم عربی کی بڑی بڑی کتابوں اور اُن کے مصنفوں کے حوالے جگہ جگہ ملتے ہیں۔

ریاضیات کے مختلف شعبوں میں، خاص کر علمِ ہئیت میں فائز کو اچھی دست گاہ حاصل تھی۔ ایک دن وہ امیرالامرا کے یہاں گئے۔ وہاں اصحابِ کہف کے متعلق یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اُن کے غار کا منھ فلاں جانب تھا اور اس میں دھوپ اس طرح پہنچتی تھی۔ فائز اس گفتگو میں شریک ہوئے اور حرکتِ افلاک پر عالمانہ بحث کی۔ [عہ] رفعات الصدر میں کئی خط ایسے شامل ہیں جن میں فائز نے ریاضی اور ہئیت کے مختلف مسائل بیان کیے ہیں۔ ایک خط میں خصوص کواکب کی شرح کی ہے۔ ایک میں شہاب اور ذو ذنابہ کی حقیقت سمجھائی ہے۔ ایک میں کروز اور نوروز

عہ رسالہ مناظرات۔

کے معنی بتائے ہیں۔ ایک میں کسوف اور خسوف کے اسباب سے بحث کی ہی، ایک میں کواکب کے رنگوں اور ان کے مزاجوں کا حال بیان کیا ہی۔ ایک خط میں اس سے بحث کی ہی کہ 'ایک' داخل عدد ہی یا نہیں اور ایک خط میں یہ بتایا ہی کہ اقلیم سات کیوں قرار دیے گئے اور 'ربعِ مسکون' سے کیا مراد ہی۔ ان خطوں میں ریاضی اور ہئیت کی مستند عربی کتابوں کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ فائز کے یہ سب خط اُن خطوں کے جواب میں ہیں جن میں یہ مسائل اُن سے دریافت کیے گئے تھے۔ ان خطوں کے مکتوب الیہ تو معلوم نہیں ہیں، مگر اُن کے القاب بتاتے ہیں کہ وہ ذی علم اور بلند مرتبہ اشخاص تھے۔ اور اسی سے یہ بات نکلتی ہی کہ اہلِ علم کے حلقے میں فائز ریاضی اور ہئیت کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اُنھوں نے علم نجوم میں ایک رسالہ نجم الصّدر اور علم حساب میں ایک رسالہ تحریر الصّدر لکھا ہی۔ ان رسالوں کے دیباچوں میں لکھتے ہیں:۔

"فقیر را از صغرِ سن میل بہ علوم غریبہ بسیار بود چنانچہ بقدر وسع در تحصیل آن خود را معاف نمی داشت۔" (نجم الصّدر)

"فقیر را شوق بسیار بہ علم عدد بودہ و کسب این فن شریف در عنفوانِ شباب نمودہ۔" (تحریر الصّدر)

عروض، قافیہ، معنی، بیان اور بدیع میں فائز کو جو مہارت تھی وہ ان کے کلّیات کے خطبے سے ظاہر ہی، جس میں اُنھوں نے اِن فنون کے اہم مسائل سے بحث کی ہی۔ وہ عربی صرف و نحو سے بھی خوب واقف تھے۔ اپنے زمانے کے نحویوں کی ناقابلیت کا ذکر وہ جس طنزیہ انداز میں کرتے ہیں، وہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہوگا:۔

"در پیش نحات این عصر کہ در مرتبہ کم از بز اخفش نیستند قواعد نحوی چنین ثبت است کہ گویند غرض از نحو صیانت از خطاے

لفظی است در کلام عرب، و مردم ہند محتاج بہ ایں علم نیستند زیراکہ در زبانِ ہندی غلط نمی کنند و بازبانِ عربی کار ندارند"

اسی طرح اپنے زمانے کے صرفیوں پر بھی طنز کی ہے اور اس سلسلے میں علم صرف کی اصطلاحوں کے تلازمے میں سلطنتِ وقت کی بد نظمیوں کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو :-

"در بیتِ صرفیانِ ایں عصر کہ ہیچ یک کم از سیبویہ و زنجانی نیست
ضوابطِ صرف ...... بدیں گونہ مبرہن و مبیّن است کہ گویند
صحیح منصبے بود کہ جعلی باشد و غیر سالم طرق دشوارع است کہ از دست
متمرداں ایں عصر مخوف است و اجوف دہات و قریہ ہاست کہ بہ سبب
تعدّی حکام اہلِ آں فرار شدہ اند و خالیست و ناقص عہود و مواثیق
است و لفیف اخبار دروغ است کہ ملفف بہ کذب است
و ملتوی کار ملک است کہ اصلاح نمی یابد"

فائز کو طب، منطق، فلسفہ اور کلام میں کافی دخل تھا اور انھوں نے علمِ طب میں دو رسالے فوائد الصحت اور رسالۂ مالیخولیا کے نام سے لکھے ہیں۔ دوسرے رسالے کے دیباچے میں کہتے ہیں "در وقتِ تحصیل علوم رسالہ ہاے طب را مطالعہ نمودہ" فائز کی طبی معلومات کا اظہار ایک خط سے بھی ہوتا ہے، جس میں انھوں نے مالیخولیا، مراق، جنون، مانیا، داء الکلب، قطرب، صبا کے باہمی فرق کے بارے میں مستند مصنفوں کی رایوں کا اختلاف اور خود اپنی راے لکھی ہے۔ وہ علم رمل اور علم قیافہ سے بھی واقف تھے۔ موخر الذکر موضوع پر اُن کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہدایت القندر ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھا ہے "در عنفوانِ شباب رسالۂ چند در علم قیافہ بہ مطالعہ در آمد" تاریخ سے فائز کو جو دلچسپی تھی اس پر اُن کی کتاب ارشاد الوزرا

شاہد ہے۔

فائز نے جو علوم حاصل کیے تھے اُن کے مسائل اور اصطلاحات اُنھیں اس قدر مستحضر تھے کہ ان کی رعایت اور تلازمے کے ساتھ لمبی لمبی عبارتیں لکھتے چلے جاتے تھے۔ رقعات الصّدر کے مقدمے میں اُنھوں نے زمانے کی برائیاں، علم کی کساد بازاری اور اہلِ علم کی نایابی وغیرہ کا بہت طولانی بیان رنگین عبارتیں اس طرح کے تلازموں کے ساتھ کیا ہے اور حاشیہ پر یہ سرخیاں دی ہیں، الکلام فی الحکم، الکلام فی الریاضی، الکلام فی الہندسہ، الکلام فی الحساب، الکلام فی الطب، الکلام فی النجوم، الکلام فی المنطق، الکلام فی النحو، الکلام فی الصرف۔ یہ طولانی عبارت بڑی تقطیع کے بیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اور اپنے لکھنے والے کی غیر معمولی علمی استعداد کی شہادت دے رہی ہے۔ فائز نے اپنے بعض خطوں میں بھی مختلف علوم کا تلازمہ ملحوظ رکھا ہے۔ ان کے جو خط موجود ہیں اُن میں سے ایک صرف و نحو کی، ایک منطق کی اور ایک ریاضی کی اصطلاحوں میں لکھا گیا ہے۔ اُنھوں نے رقعات الصّدر کے مقدمے میں ایک مقام پر علم اور اہل علم کی ناقدری کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ مختلف علموں کے بڑے بڑے عالموں کے نام آ گئے ہیں۔ اس مقام کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے:-

"گیرم کہ کسے در نسب علوی بود، و در حسب فاطمی، و در قواعد فقہ علّامۂ حلّی، و در فنون عربیّہ زمخشری، و در نحو صیرفی، و در اخبار ملیحہ اصمعی، و در حکمت در مرتبہ لقمان، و در زہد سلمان، و در فصاحت سحبان، و ابن بابویہ در علم ادیان، و شیخ الرئیس در علم ابدان، و عاصم در قراءتِ قرآن، و در طب جالینوس، و در نجوم بطلیموس، و در ریاضی مالاناؤس، و در ہئیت تاؤدوسیوس[۵۱]، و در لغت مثل

---

[۵۱] تاؤدوسیوس Theodosius۔ اس کی Spherics کا (باقی صفحہ ۷۶ پر)

فائز دهلوی مع خدام بارگاه

صاحب قاموس، و در صرف مثل زنجانی، و در معانی و بیان

تفتازانی، و مانند ابن مقلہ در معرفت اقلام، و ابن سیرین در

تعبیر رویا و احلام، و ابن عربی در قواعد صوفیہ، و محقق شریف

در قوانین منطقیہ، و مثل سکاکی در تسخیرات، و مثل میر داماد در

فلکیات، و مثل شیخ بہائی در دفق اعداد، و مثل محقق طوسی در

علم مبدا و معاد، و مثل افلاطون در علوم حکمیہ، و مثل امام رازی

در فنون کلامیہ، قیمتش بیش تراز خر مہرہ نخواہد شد۔"

اس عبارت سے بھی فائز کی غیر معمولی وسیع معلومات کا سراغ ملتا ہے۔ فائز کو کتابوں کے مطالعے کا جو شوق تھا اس کا ذکر انھیں کی زبان سے اوپر دو تین جگہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ایک خط میں کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ "ہر شخص کو کوئی چیز پسند ہوتی ہے مجھ کو کتابوں اور 'طالب علموں'[۱] کی صحبت پسند ہے"۔ فائز کے اس قول کی تصدیق اُن کے عمل سے ہوتی ہے۔ اُن کو 'طالب علموں' کی صحبت اس درجہ پسند تھی کہ امیر الامرا کے یہاں جن 'طالب علموں' کا مجمع رہتا تھا وہ اکثر ایسی گفتگو چھیڑ دیتے تھے جس سے فائز کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ وقتاً فوقتاً وہاں جاتے ضرور تھے۔

فائز کا شرف تقدم شمالی ہند کے رہنے والے اُردو زبان کے جن شاعروں کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے، اور جن کا سنجیدہ کلام معتد بہ مقدار میں موجود ہے، اُن میں

سلہ اوپر امیر الامرا کی مجلس علمی کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ 'طالب علموں' سے فائز 'ذی علم' یا 'اہلِ علم' مراد لیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۵) ترجمہ عربی میں خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد میں کیا گیا۔ اس عربی ترجمے کا ایک نسخہ 'اگزناؤ دو سیوس' کے نام سے King's College کیمبرج کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(فہرست مخطوطات مشرقی نمبر ۱۲ صفحہ ۲۰)

شاید فائزؔ سے زیادہ قدیم کوئی نہیں۔ میر جعفر جو زٹل یا زٹلی کی صفت کے ساتھ آج بھی معروف ہیں، فائزؔ سے بھی کچھ قدیم تر تھے۔ ان کا اُردو کلام کافی مقدار میں موجود ہے، مگر وہ زیادہ تر ہجو اور فحش پر مشتمل ہے اور سنجیدہ شاعروں میں اُن کا شمار مشکل ہے۔ بعض لوگ شاہ حاتمؔ کو شمالی ہند میں اُردو کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حاتمؔ دیوان زادہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

"از سن یک ہزار و یک صد و بست و ہشت تا یک ہزار و یک صد و شصت و ہشت کہ قریب چہل سال باشد تقدیم در یں فن صرف نمودہ ...... در شعر فارسی بہ طرز مرزا صائبؔ و در ریختہ بہ طور ولیؔ رحمہا اللہ اوقات خود بسری برد و ہر دو را استاد می داند۔" (دیباچہ دیوان زادہ)

مصحفیؔ تذکرہ ہندی میں حاتمؔ کے حال میں لکھتے ہیں :-

"روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سنہ دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولیؔ در شاہ جہان آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خرد و بزرگ جاری گشتہ۔ با دو سہ کس کہ مراد از ناجیؔ و مضمونؔ و آبروؔ باشد بنائے شعر ہندی را بہ ایہام گوئی نہادہ داد معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می دادیم۔" (تذکرۂ ہندی)

ان دونوں عبارتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حاتمؔ ۱۱۲۸ھ سے فارسی میں شاعری کر رہے تھے۔ مگر جب محمد شاہی عہد کے دوسرے سال یعنی ۱۱۳۲ھ میں ولیؔ کا دیوان دہلی آیا اور اُن کا کلام ہر طبقے میں مقبول ہوا تو حاتمؔ نے ناجیؔ، مضمونؔ اور آبروؔ کے ساتھ اُردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ فائزؔ اپنا کلیات، جس میں اُردو دیوان بھی شامل ہے، ۱۱۲۷ھ میں مرتب کر چکے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فائزؔ کا

کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتمؔ نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اُردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس طرح حاتمؔ اور اُن کے ساتھ اُردو شاعری شروع کرنے والے تمام شاعروں پر فائزؔ کا تقدم ثابت ہے۔

یہاں یہ شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید ۱۱۲۶ھ میں فائزؔ نے اپنا فارسی کلیات مرتب کیا ہو اور اُردو میں شاعری اس کے بعد شروع کی ہو۔ لیکن اگر ان کا کل اُردو کلام کلیات کی ترتیب کے بعد وجود میں آیا ہوتا اور بعد کو کلیات میں شامل کیا گیا ہوتا تو یہ ایسی بات نہ تھی کہ کلیات کے اس قدر طولانی اور تفصیلی خطبے میں جو ترتیبِ کلیات کے پندرہ برس بعد ۱۱۴۲ھ میں لکھا گیا تھا، اس کا ذکر نہ کیا جاتا۔ اس لیے یہ شبہہ بے بنیاد ہے اور حقیقت یہی ہے کہ فائزؔ کا اُردو کلام اگر کل نہیں تو اس کا بیشتر حصہ ۱۱۲۶ھ سے پہلے وجود میں آ چکا تھا۔

دیوان زادہ حاتمؔ میں دو غزلیں ہیں جو ۱۱۶۱ھ اور ۱۱۶۴ھ میں کہی گئی تھیں۔ پہلی غزل میں حاتمؔ نے اپنی شاعری کی عمر تیس سال اور دوسری میں اڑتیس سال بتائی ہے۔ اس طرح اُن کی شاعری کی ابتدا کا سال ۱۱۲۱ھ یا ۱۱۲۶ھ نکلتا ہے اگر اُن میں سے قدیم تر سنہ یعنی ۱۱۲۶ھ کو ان کی اُردو شاعری کے آغاز کا سال مان لیا جائے تو بھی وہ فائزؔ سے قدیم تر نہ ٹھہریں گے۔

فائزؔ کی ولادت گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں اور وفات ۱۱۵۱ھ میں ہوئی۔ حاتمؔ اُن سے چند سال بعد ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور اُن کے انتقال کے چھیالیس برس بعد ۱۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ اس لیے فائزؔ سے متقدم ہونے کا کیا ذکر وہ اُن کے ہم عصر بھی نہ تھے۔

کیا آبروؔ فائزؔ سے مقدم تھے؟ فائزؔ نے ایک غزل کے مندرجۂ ذیل مقطعے میں یکرنگؔ کے ایک مصرعے کو تضمین کیا ہے:-

فائز کو بھایا مصرع یکرنگ اک سجن
گر تم ملوگے غیر سے دیکھوگے ہم نہیں[1]

اس سے بعض لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آبرو فائز سے قدیم تر تھے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ آبرو یکرنگ کے استاد تھے اور فائز یکرنگ کے ہم عصر تھے۔ اس لیے آبرو فائز سے قدیم تر ہوے۔ یکرنگ کی شاگردی اور آبرو کی استادی کے ثبوت میں وہ آبرو کا یہ مقطع پیش کرتے ہیں :۔

سخن یکرنگ کے سب گانٹھ باندھو
کہ یہ گوہر ہیں بحر آبرو کے

اس شعر کے لفظی معنی یہ ہیں کہ یکرنگ کے اشعار بحرِ آبرو کے موتی ہیں اس لیے ان کو گرہ میں باندھ لو۔

یہاں لفظ آبرو اسم خاص نہیں ہے، اپنے لغوی معنی میں آیا ہے۔ اُردو کے قدیم شاعر مقطعے میں اپنا تخلص اسم عام کے طور پر بھی لایا کرتے ہیں۔ آبرو کے یہاں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً

عزت ہے جوہری کی جو قیمتی ہو جوہر
ہے آبرو ہمن کو جگ میں سخن ہمارا

---

[1] یکرنگ کی جس غزل میں یہ مصرع ہے، اس کا مطلع اور متعلقہ شعر حسب ذیل ہے :۔

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں (نسخہ بدل: مجھ)
پنہاں نظر تمھاری کبھی کیتی سے کم نہیں (نسخہ بدل: نگہ، ہے)
کہتے ہیں ہم پکار سجن کان دھر سنو (نسخہ بدل: سنو کان دھر سجن)
گر غیر سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہیں (نسخہ بدل: جو اور سے)

(نکات الشعرا، گلشن سخن، چمنستان شعرا، تذکرہ میر حسن)

آبرو اس طرح یارو کیوں نہ مل جا خاک میں
لے چلے ہیں ظلم سیں اہلِ حرم کو بے نقاب

اسی طرح زیر بحث شعر میں بھی لفظ "آبرو" اپنے لغوی معنی میں آیا ہے، اور شعر کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے معمولی سمندر کے موتی بھی بہت قیمتی ہوتے ہیں اور یکرنگ کے اشعار تو آبرو کے سمندر کے موتی ہیں، اُن کی قدر و قیمت کا کیا کہنا۔ آبرو ایہام گو شاعر تھے۔ انھوں نے یہ بات اس طرح کہی کہ یہ مدح ہجو ملیح بن گئی۔ لفظ "آبرو" سے ذہن آبرو شاعر کی طرف بھی چلا جاتا ہے۔ اور اگرچہ اس صورت میں "بحر آبرو" یعنی "آبرو شاعر کا سمندر" ایک بے معنی بات ہے، پھر بھی اس شعر سے یکرنگ پر سرقے کا الزام آتا ہے اور یہ مطلب نکلتا ہے کہ یکرنگ اشعار یا مضامین آبرو کے یہاں سے لے کر اپنے نام سے پیش کرتے ہیں۔ یہ سرقے کا الزام معاصرانہ چشمک کا ثبوت ہے، نہ کہ آبرو کی استادی اور یکرنگ کی شاگردی کی سند۔

قدیم تذکرہ نویسوں میں میر، قائم، شفیق، مبتلا، میر حسن، شورش، علی ابراہیم خاں اور مرزا علی لطف نے یکرنگ کو معاصر آبرو بتایا ہے۔ گردیزی نے لکھا ہے "یکرنگ با آبرو یک طرح بودہ و تلاش معنی تازہ نمودہ" یعنی یکرنگ اور آبرو ایک طرح میں شعر کہتے تھے اور نئے مضامین تلاش کرتے تھے۔ اس بیان سے بھی دونوں کا ہم عصر اور ہم پلہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قائم نے یکرنگ کو آرزو کا شاگرد بتایا ہے اور قاسم اور سرور نے مرزا مظہر کا۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ یکرنگ کو کوئی خان آرزو کا شاگرد کہتا ہے اور کوئی میاں آبرو کا لیکن ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مرزا مظہر کے شاگرد تھے۔ مصحفی کی یہ کمزور روایت جس پر خود ان کو اعتبار نہیں وہ تمام قدیم تذکرہ نویسوں کے متفقہ قول کو باطل نہیں کرسکتی اور اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یکرنگ آبرو کے ہم عصر تھے۔ شاگرد

نہیں تھے۔

فائز کی طرح آبرو نے بھی یکرنگ کے ایک مصرعے کو اپنی ایک غزل کے مقطعے میں تضمین کیا ہے۔ وہ مقطع یہ ہے :-

آبرو یکرنگ نے تفسیر اُس خط کی لکھی
صفحۂ سادہ رقم ہونے سے قرآں ہو گیا

بہر حال آبرو نہ یکرنگ سے مقدم ٹھہرتے ہیں نہ فائز سے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شمالی ہند کے سنجیدہ صاحب دیوان شاعروں میں فائز سے قدیم تر کوئی نہیں۔ قدامت کے علاوہ فائز کی شاعری اپنی خصوصیتوں کی بنا پر بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے اردو ادب و شعر کے مؤرخ فائز کو نظر انداز نہ کر سکیں گے۔

فائز کی تصنیفیں صدرالدین محمد خاں فائز نہایت ذی علم اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے متعلق ہماری تقریباً کل معلومات انھیں کی تصنیفوں سے ماخوذ ہے۔ اس لیے ان کی فہرست ضروری تفصیلوں کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

۱- **اعتقاد الصّدر**۔ یہ ایک مختصر رسالہ عقائد میں ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۷۴ھ کا نقل کیا ہوا راقم کے پاس موجود ہے۔ ایک دوسرا قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے، جس کے سرورق پر مصنّف کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس مہر میں یہ الفاظ درج ہیں: "صدرالدین محمد خاں ۱۱۳۲" اور سرِ صفحہ پر لکھا ہے "غرّۂ ربیع الثانی ۱۱۳۵ھ داخل کتاب خانہ شد"۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ نسخہ مصنّف کی مِلک تھا۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنّف اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مہریں پڑی ہوئی ہیں۔

۲- **طریق الصّدر**- یہ ایک مختصر رسالہ اصول دین میں ہے۔ اس کی ابتدا میں

مصنف لکھتا ہی :-

"یکے از برادران ایمانی خواست از من کہ کلمۂ چند مختصر از اصول دین نگارش کنم. اگرچہ سابق در کتاب احیاء القلوب و اعتقاد الصدر درین باب انچہ بالیست نوشتہ شد. لیکن آن عزیز در باب اختصار و بیان عمدۂ مختلف فیہ بجد شد. بناءً علیہ کلمۂ چند مرۃً بعد اولی وکرۃً بعد اخری مرقوم نمود . . . .

. . . . . . و این رسالہ را بہ طریق الصدر مسمّی نمود"۔

اس رسالے کا ایک نسخہ سید جالب مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں شامل اور جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہی۔ اس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہر لگی ہوئی ہی اور خاتمے پر یہ الفاظ لکھے ہوے ہیں "تمام شد۔ ۲۰ جمادی الثانی ۱۱۳۷ھ"۔

۳۔ صراط الصدر۔ اس رسلے کا موضوع بھی وہی ہی جو اوپر کے دو رسالوں کا ہی۔ اس کی تمہیدی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہی :-

"احقر عباد در اصول دین چند رسالہ مثل اعتقاد الصدر و طریق الصدر وغیرہ تالیف نمودہ۔ لیکن عبارات آن رسالہ ہا فی الجملہ دقیق بود۔ بناءً علیہ بہ التماس عزیزے بہ طریق اختصار و ایجاز کلمۂ چند درین رسالہ کہ مسمّی بہ صراط الصدر است تحریر نمود"۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہی کہ فائز نے اصول دین پر کئی رسالے لکھے تھے، جن میں سے تین کے نام اپنے نام کی رعایت سے اعتقاد الصدر، طریق الصدر اور صراط الصدر رکھے تھے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں ہی، جو اعتقاد الصدر کے ساتھ ۱۲۷۴ھ میں نقل کیا گیا تھا اور ایک نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے

کتب خانے میں ہے، جس کے سرورق پر دو مہریں لگی ہوئی ہیں، ایک مصنّف کی جیسی کہ اعتقاد الصّدر کے سرورق پر ہے اور دوسری محمد برہان الدین حسن خاں کی اور یہ الفاظ بھی درج ہیں "چہارم صفر داخل کتاب خانہ شد"، یہ نسخہ بھی مصنّف کی مِلک معلوم ہوتا ہے۔ اس نسخے کے خاتمے پر لکھا ہے "بہ تاریخ غرّۂ شہر محرم الحرام در پرگنۂ سیال کوٹ قلمی شد"۔

اِس رسالے کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔

۴۔ **معارف الصّدر**۔ اِس رسالے میں وہ حدیثیں معتبر کتابوں سے اخذ کرکے جمع کر دی گئی ہیں جو "احوال حضرت صاحب الامر" پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ رسالہ ایک مقدمے، چھ لمعات اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ اس کا جو قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے وہ مصنّف کی مِلک تھا۔ اُس کے سرورق پر "صدرالدین محمد خاں"، اور "محمد برہان الدین حسن خاں" کی مُہریں لگی ہوی ہیں اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہے :۔

"غرّۂ جمادی الثانی داخل کتاب خانہ شد"

۵۔ **تبصرۃ الناظرین**۔ رویت باری تعالیٰ کا نزاعی مسئلہ اس مختصر رسالے کا موضوع ہے۔ اشاعرہ رویت کے قائل ہیں اور معتزلہ منکر۔ اِن دونوں فریقوں کی دلیلیں اس رسالے میں جمع کر دی گئی ہیں تاکہ اُن پر غور کرکے لوگ اِس مسئلے میں صحیح رائے قائم کر سکیں۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنّف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور یہ عبارت درج ہے "داخل کتاب خانہ شد۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۱۳۵ھ"۔ یہ رسالہ بھی مصنّف کی مِلک تھا۔

۶۔ **احزان الصّدور**۔ یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب ہے۔ مصائب انبیا اور واقعاتِ کربلا اس کا موضوع ہے۔ اس کا دیباچہ کئی حیثیتوں سے اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے یہاں من و عن نقل کیا جاتا ہے :۔

"اما بعد چنین گوید احقر انام کلب امیرالمومنین و عترت طاہرین صدرالدین محمد خان بن زبردست خان عفر اللہ ذنوبہا یوم المیزان کہ در ایام عاشورا جمیع محبان اہلبیت تعزیہ می گیرند و کتب تاریخ کہ مشتمل بر جور و ستم اعدائے دین است بہ مطالعہ می آرند تا بہ وسیلۂ آن مغموم و مہموم شوند۔ بنابر آن بہ خاطرِ قاصر رسید کہ خلاصۂ مضمون آن عبارات جان سوز و مختصر آن کلماتِ غم اندوز تحریر نماید۔ ہرچند درین مقدمہ بہ قدر حال ہر یک از جگر سوختگان وادی غموم رسالہ ہا مرقوم نمودہ، لیکن بہ وسیلۂ خواندن آن مطالب حسنۂ عظیم برائے محررِ اوراق ثبت می گردد، خواست کہ بہ فحوائے "الدال علی الخیر کفاعلہ" داخل این ثواب گردد۔ و اگرچہ در کتبِ حدیث بعض امور را مثل احوال حضرت شہربانو و حضرت قاسم و پسرانِ مسلم وغیرہ نوع دیگر نوشتہ اند، لیکن چون این قصہ ہا موجب گریہ است و اصل درین باب ہمین است، بنابرآن متابعت ارباب سیر نمودہ شد۔ و این رسالہ مسمیٰ بہ احزان الصدور مشتمل است بر دہ "اندوہ"۔ امید کہ باعث "حزن و بکا و دخولِ جنتِ مومنین گردد کہ من بکی علی الحسین او تباکی وجبت لہ الجنۃ"

یہ کتاب عشرۂ محرم کی مجالسِ عزا میں پڑھنے کے لیے "دہ مجلس" کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اس لیے دس حصوں میں تقسیم کر دی گئی ہے، جن کو مصنف "اندوہ" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے :-

اندوہ اوّل - احوال انبیا - اندوہ دوم۔ احوال حضرت خیر البشر -

اندوہ سیوم ۔ احوال حضرت سیدۃ النسا۔ اندوہ چہارم ۔ احوال حضرت امیرالمومنینؑ۔ اندوہ پنجم ۔ احوالِ حضرت امام حسنؑ۔ اندوہ ششم۔ احوالِ مسلم بن عقیل اندوہ ہفتم۔ احوالِ فرزندانِ مسلم بن عقیل۔ اندوہ ہشتم۔ در فضائلے چند از احوالِ شاہِ شہدا و بیان ثواب گریہ در ماتم آن حضرت۔ اندوہ نہم۔ در واقعۂ کربلا و جورِ منافقان و شہادتِ آن امام مظلوم مقتول۔ اندوہ دہم۔ در بیان اُمورے کہ بر اہلِ بیت و عترتِ آن حضرت بعد شہادت پیش آمد تا بردن بہ شام پیش یزید۔

اندوہ اوّل کی تمہید میں مصائب انبیا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ،۔

"و از جملۂ واقعہ ہا صعب ترین وقایع واقعۂ شہدائے کربلاست کہ
ہیچ دیدہ بدین گونہ مصیبتے ندیدہ و ہیچ گوش ازین نوع بلیتے نشنیدہ۔
و ازین جاست کہ محبانِ اہلبیت ہر سال کہ ماہ محرّم در آید مصیبت
شہدا را تازہ سازند و بہ تعزیت اولادِ صدر رسالت پردازند۔
ہمہ را دلِ بر آتش حسرت بریان و دیدہ ہا از غایت حیرت گریان "

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے سرورق پر مصنّف کی مُہر ثبت ہوئی ہے اور یہ عبارت درج ہے " بہ تاریخ غرّۂ جمادی الثانی ۱۱۲۵ھ داخل کتاب خانہ شد "۔ یہ نسخہ بھی مصنّف کی مِلک تھا۔

احزان الصدور کے اقتباس جو اوپر نقل کیے گئے ہیں اُن کے دو جملے " در ایام عاشورا جمیع محبّانِ اہلِ بیت تعزیہ می گیرند " اور " محبّانِ اہل بیت ہر سال کہ ماہ محرم در آید ... بہ تعزیت اولادِ صدر رسالت پردازند " بتاتے ہیں کہ اُس زمانے میں عشرۂ محرم میں عزاداری عموماً اور معمولاً ہوا کرتی تھی۔

۷ ۔ احیاء القلوب ۔ یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب پیغمبر اسلام کے حالات

پیش نامہ

طبع اوّل

کوئی بیس برس ہوے کہ فائز کا ضخیم کُلیّات مجھ کو پرانی کتابوں کے ایک تاجر سے مستعار ملا۔ اس میں کُلیّات کے بسوط عالمانہ خطبے اور ضخیم فارسی دیوان کے ساتھ مختصر اُردو دیوان بھی شامل تھا۔ فائز کے خطوط کا مجموعہ رقعات الصدر بھی کُلیّات کے ساتھ مجلّد تھا۔ کُلیات اور رقعات پر ایک نظر ڈالنے سے فائز کی قدامت اور اہمیت کا اندازہ ہوا اور میں نے اُن کو اردو دُنیا سے روشناس کرنے کا تہیّہ کر لیا۔ کتاب کے مالک کو کچھ معاوضہ دے کر اُس کا وہ حصّہ نقل کر لیا جو اُردو کلام پر مشتمل تھا اور پورے کلیات پر نظر کر کے کچھ یادداشتیں لکھ لیں اور چند ضروری اقتباس لے لیے۔

کچھ دن بعد وہ کُلیّات اُس زمانے کے مشہور ذی علم اور وسیع المعلومات صحافت نگار مرحوم سیّد جالب دہلوی کے قبضے میں آگیا۔ اور اب اُن کی دوسری بہت سی کتابوں کے ساتھ جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

کُلیّات فائز سے کچھ یادداشتیں اور چند اقتباس تو میں لے ہی چکا تھا کچھ زمانے کے بعد فائز کے چند رسالے دستیاب ہوے اور ان یادداشتوں

میں ہے۔ اس میں تیئس ۲۳ مقالے اور ایک طولانی خاتمہ امامت کے بیان میں ہے۔ اس کے مختصر دیباچے کا ضروری حصّہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

"چنین گوید اضعف عباد صدر الدّین محمد ابن زبردست خان عفر اللہ ذنوبہا کہ بہ خاطر قاصر رسید شمّہ از احوال حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم و بعض اُمورِ دیگر کہ مناسب بدان باشد تحریر نماید۔ بنا ءً علیہ مقالہ چند از روے کتب حدیث و سیر بہ مقتضی خیر الامور ما قلّ ودلّ بہ قید تحریر در آورد و تالیف نمود و مسمّٰی بہ احیاء القلوب کرد"

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے سر ورق پر مصنف کی وہی مُہر لگی ہوئی ہے، جس کا اعتقاد الصّدر اور صراط الصدر کے نسخوں کے سلسلے میں ذکر ہو چکا ہے اور لکھا ہے "غرّہ شہر رجب داخل کتاب خانہ شد"۔ یہ نسخہ بھی غالباً مصنّف کی ملک تھا۔

۸۔ رسالۂ مناظرات :- یہ رسالہ سات مجلسوں پر مشتمل ہے۔ ہر مجلس میں فائز نے محمد شاہی عہد کے امیر الامرا صمصام الدّولہ، خان دوران خان بہادر کے یہاں اپنا جانا اور کسی نزاعی مذہبی مسئلے پر مناظرہ کرنا بیان کیا ہے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۲۷۶ھ میں نقل کیا گیا تھا، راقم کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نسخے پر اس کا نام رسالۂ منظرات لکھا ہوا ہے۔ لیکن یہ غالباً کاتب کا سہو قلم ہے۔ رسالے کے مندرجات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نام رسالۂ مناظرات ہو گا۔ اس نسخے کی ابتدا میں عنوان کے طور پر یہ عبارت درج ہے :-

"رفتنِ جدّ مرحوم و مغفور نواب صدر الدّین محمد خان بہادر بہ ملاقات نواب خان دوران خان بہادر و احوال آن"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ اس نسخے کا کاتب اور مالک فائز کے اخلاف میں سے تھا۔ ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانے میں بھی اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ موجود ہی، جس کے سرورق پر "رسالۂ مبحث" اور پہلے صفحے پر "رسالۂ منظرات" لکھا ہوا ہی۔ دونوں جگہ کاتب نے ایک الف حذف کر دیا ہی۔ حقیقت میں اس کو رسالۂ مباحث اور رسالۂ مناظرات لکھنا چاہیے تھا۔ اس نسخے میں عنوان کی عبارت زیادہ تفصیلات کی حامل ہی۔ اس لیے ذیل میں نقل کی جاتی ہی:—

"در بیان رفتنِ جدِّ مغفور نواب صدرالدّین محمد خان بہادر نبیرۂ نواب علی مردان خان بہادر فیروز جنگ امیرالامرائے ہندوستان بہ ملاقات صمصام الدولہ امیرالامرا نواب خان دوران خان بہادر مرحوم و احوال آن کہ خود شان نوشتہ اند۔"

آغازِ کتاب کے لیے بسم اللہ جو لکھی گئی ہی اس کے اوپر یہ عبارت کسی دوسرے شخص نے لکھ دی ہی۔ اس نسخے کے سرورق پر مصنّف کی مُہر لگی ہوئی ہی۔ معلوم ہوتا ہی کہ یہ نسخہ پہلے مصنّف کی ملک تھا، لیکن اُن کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف میں سے کسی کے قبضے میں آگیا تھا۔

۹۔ انیس الوزرا۔ یہ محقق طوسی کی مشہور کتاب اخلاقِ ناصری کا خلاصہ ہی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہی۔ اس کے دیباچے کا ایک حصّہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہی، جس میں اس کا سببِ تالیف بیان کیا گیا ہی:—

"چنین گوید احقر عباد صدرالدّین محمد خان ابن زبردست خان ابن علی مردان خان کہ روزے در مجمع دوستان، کہ اکثرے از آنہا طالب علم و شاعر نکتہ سنج بودند، مذکور تہذیب اخلاق، کہ بہترین صفات انسانیت است بلکہ انسانیت بدون آن

ممکن و متصوّر نیست، در میان بود۔ در اثنائے آن حال و مقال
فقیر گفت کہ در میان این امور بہترین رسالہ ہا اخلاق ناصری
است . . . در جواب گفتند کہ فہمیدن معانی آن کتاب اشکال
تمام دارد، مگر آن کہ کسے خلاصۂ مضمون آن را بہ عبارتِ واضح
بہ قید تحریر درآورد۔ وہمگنان متفق اللفظ والمعنی تعہدِ این امر
خطیر را بہ جانب این قلیل البضاعت نمودند۔ ہرچند اعراض نمود
قبول نیفتاد۔ لاعلاج با تشتّت احوال وضیق مجال وہجوم
آلام و تفرّع بال وضعف دماغ کمر ہمّت بر این مہم بست . . .
وچون تفہیم این معنی ارباب دول سیما وزرا را حاجت بیش تر
است مسمّیٰ بہ انیس الوزرا نمودہ''

اس عبارت میں ''اخلاق ناصری است'' کے بعد اس کتاب اور اُس کے مصنّف دونوں کی بہت طولانی تعریف عربی فقروں میں کی گئی ہی جن کو بے ضرورت سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہی۔

فائز نے اس خلاصے میں اصل کتاب کی توضیحی عبارتیں حذف کر دی ہیں، اور ضروری عبارتیں تقریباً لفظ بہ لفظ لے لی ہیں۔ انیس الوزرا بائیس ''تعلیموں'' میں تقسیم کی گئی ہی۔ گیارھویں تعلیم میں چھ ''فن''، بارھویں میں پانچ، تیرھویں اور چودھویں ''تعلیم'' میں چار چار، پندرھویں ''تعلیم'' میں دو، اور بائیسویں ''تعلیم'' میں بارہ ''فن'' شامل ہیں اور آخر میں خاتمہ ہی۔ کتاب کے ان سب حصّوں کے عنوان عربی میں ہیں۔ یہ خلاصہ اخلاق ناصری کے مقالہ اوّل قسم اوّل کی فصل دوم سے شروع ہوتا ہی۔ یعنی نفس ناطقہ کی تعریف سے اس کی ابتدا ہوتی ہی۔

انیس الوزرا کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی آزاد لائبریری میں بھی محفوظ ہی۔

انیس الوزرا کا جو نسخہ میرے کتب خانے میں ہی اُس کے سرورق پر فائز

کے آٹھ رسالوں کی فہرست دی ہوئی ہے جو یہاں بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے:-

"۱ انیس الوزرا در اخلاق ۲ تبصرۃ النّاظرین در کلام
۳ طریق الصّدر در کلام ۴ فوائد الصحت در حکمت
۵ نجم الصدر در نجوم ۶ ہدایۃ الصّدر در علم قیافہ
۷ احزان الصّدر تاریخ ۸ منتخب الصّدر تاریخ"

ان رسالوں میں سے دو کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔ ان کے صرف نام اور موضوع ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

۱۰ فوائد الصحّت در حکمت۔ ۱۱ منتخبُ الصّدر در تاریخ۔

۱۲- ارشاد الوزرا- ایلیٹ اور ڈاؤسن کی مشہور کتاب ہسٹورینز ہسٹری آف انڈیا[۵۱] میں ایرانی مؤرخ خواند میر کی تصنیف دستور الوزرا کے بیان میں لکھا ہے کہ بعد کو اسی موضوع پر ایک اِس سے چھوٹی کتاب ارشاد الوزرا، کے نام سے صدر الدّین محمد ابن زبردست خان نے ہندوستان میں محمد شاہ کے عہد میں لکھی۔ اُس کتاب میں ہندوستان کے وزیروں کے حالات لکھی ہیں جو دستور الوزرا میں شامل نہیں ہیں۔ مگر وہ کتاب بہت مختصر ہے۔ اُس کا ایک نسخہ لکھنؤ میں فرح بخش کے شاہی کتب خانے میں تھا۔

لندن میں برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ارشاد الوزرا کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ اِس کتب خانے کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کتاب میں مشہور وزیروں کے مختصر حالات درج ہیں۔ کتاب بارہ مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقالۂ اوّل میں عقلا ے قدیم یعنی فیثاغورث، جاماسپ، سقراط، افلاطون، ارسطو وغیرہ

---

۵۱ Historians History of India by Elliot and Dowson Vol IV P. 148

کا ذکر ہی اور یہ لوگ گشتاسپ، بہمن، ہمائے، دارا، اور دوسرے بادشاہوں کے وزیروں کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں۔ بقیہ مقالوں میں حسب ذیل سلمان بادشاہوں اور شاہی خاندانوں کے نامی وزیروں کا ذکر ہی:۔

بنی اُمیہ، بنی عباس، آل سامان، سلاطین غزنوی، آل بویہ، سلاطین سلجوقی، خوارزم شاہی خاندان، چنگیز خان اور اُس کے جانشین، آل مظفر اور غوری خاندان، تیمور، ہندوستان کے تیموری یعنی مغل بادشاہ۔

ارشاد الوزرا کا جو نسخہ برٹش میوزیم میں ہی وہ آخر سے کچھ کم ہی۔ اُس میں آخری حال جہاں دار شاہ کے وزیر ذوالفقار خان ابن اسد خان کا ہی[۱]

ارشاد الوزرا کا ایک قلمی مکمل نسخہ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کی آزاد لائبریری میں محفوظ ہی۔ اس میں محمد شاہ تک کے وزیروں کے حالات ہیں اور نظام الملک ناظم دکھن کے بارے میں لکھا ہی کہ ان کو وزیر مقرر ہوے چار مہینے کے قریب ہوے ہیں۔ فائز اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"چنین گوید احقر العباد صدرالدّین محمد ابن زبردست خان کہ احوال ملوک وسلاطین ماتقدّم دراکثر تواریخ مفصل ارباب سیر بقید تحریر آوردہ اند و درضمن آن احوال وزرا قلمی فرمودہ اند۔ بخاطر قاصر رسید کہ از احوال وزرائے جمیع سلاطین مرقوم نماید۔ بنابرآں بہ تتبعے تمام ہرچہ قابل ترقیم بود تحریر نمود۔ تا بر ہمگنان ظاہر شود کہ ارباب دول چہ قسم مردم بودہ اند و بہ کدام نحو زندگی فرمودہ اند۔ ہر کہ عقل معاش وحسن سلوک داشتہ بخوبی زندگی نمودہ و ہر کہ ناشایستہ و مذموم بود بہ جزائے

---

[۱] برٹش میوزیم لائبریری، لندن کی فہرستِ مخطوطاتِ فارسی جلد اوّل ص ۳۳۸-۳۳۹

عمل خود گرفتار شدہ ..... و این رسالہ موسومہ بہ ارشاد الوزرا مشتمل است بر دوازدہ مقالہ"

اس نسخے کے خاتمے پر کاتب نے لکھا ہے، "تمام شد نسخۂ ارشاد الوزرا بہ تاریخ ہفدہم ربیع الاول ۱۲۲۱ھ"

۱۳- نجم الصدور:- اس رسالے کا موضوع علم ہیئت کا ایک شعبہ معرفتِ تقویم ہے، جس کو مصنف "اولِ مرتبۂ تحصیلِ نجوم" قرار دیتا ہے۔ بعض اور امورِ متعلقہ کا بیان بھی ہے، جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ وہ نسخہ مصنف کی مِلک تھا۔ اُس کے سرورق پر خود مصنف اور برہان الدین حسن خاں کی مُہریں لگی ہوئی ہیں اور یہ عبارت درج ہے:-

"۲۰ ربیع الثانی ۱۱۳۵ھ۔ داخل کتاب خانہ شد"

۱۴- تحریر الصدور - اس مختصر رسالے میں مبتدیوں کو حساب کے ضروری قاعدے بتائے گئے ہیں اور یہ علامہ شیخ بہاء الدین عاملی کی کتاب پر مبنی ہے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنفِ رسالہ اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں پڑی ہوئی ہیں اور لکھا ہے: "رسالۂ تحریرات در علمِ حساب"

۱۵- رسالۂ مالیخولیا معروف بہ بنطاسیا - اس رسالے میں مرض مالیخولیا کے اقسام، اسباب، علامات اور علاج کا بیان ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور رسالے کے نام کے نیچے "جلد چہار دہم" لکھا ہوا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔

۱۶- ہدایۃ الصدور- اس مختصر رسالے میں علم قیافہ کا بیان ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر

مصنّف کی مُہر ہے اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "غُرّہ جمادی الثانی ۱۱۳۵ھ داخلِ کتاب خانہ شد۔" یہ نسخہ مصنّف کی مِلک تھا۔

۱۷۔ **زینۃ البساتین** - یہ رسالہ باغبانی اور کاشت کاری کے فن میں ہے اور اس کی تالیف میں شفا، منہاج، ذخیرہ، کناس، یوحنا، عجائب المخلوقات، تقویم الصحہ، آثار اخبار رشیدی اور فلاحت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ اُس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہر پڑی ہوئی ہے۔

۱۸۔ **تحفۃ الصّدر** - اِس رسالے میں مقدّمے اور خاتمے کے علاوہ بیس فصلیں ہیں، جن میں سے سترّہ فصلوں میں گھوڑے کے متعلق ہر طرح کی معلومات اور اس کے مختلف مرضوں کے علاج درج ہیں اور آخری تین فصلوں میں سے ایک میں گدھے اور خچر کا ایک میں اونٹ کا اور ایک میں ہاتھی کا بیان ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ ایسے ذکر آگئے ہیں جن سے فائز اور ان کے والد کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اِس رسالے پر لفٹنٹ کرنل ڈی، سی فِلٹ (D.C. Phillott) نے انگریزی میں حاشیے لکھ کر اُس کو اشاعت کے لیے مرتّب کیا اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اُس کو بیپٹسٹ مشن پریس میں چھپوا کر ۱۹۱۱ء میں شائع کیا۔ اِس مطبوعہ نسخے کے سرورق پر اُس کا نام "فرس نامہ" اور اُس کے مصنف کا نام "زبردست خان" لکھا ہوا ہے۔ مگر اُس کے دیباچے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ اپنے موضوع کے اعتبار سے تو "فرس نامہ" کہا جا سکتا ہے، لیکن مصنف نے اس کا نام تحفۃ الصّدر رکھا ہے۔ مصنف کے نام میں غلطی ہو جانے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے دیباچے میں اپنے باپ کا نام پہلے اور اپنا نام بعد کو

یوں لکھا ہے "عاصی پر معاصی قلیل البضاعت ابن زبردست خان قدس اللہ روحہ المخاطب بہ صدر الدّین محمد خان عفر اللہ ذنوبہٗ"۔ اگر فلکٹ صاحب ان لفظوں پر ذرا سا غور کرتے تو اُن کی سمجھ میں آجاتا کہ اس سالے کے مصنف صدر الدّین محمد خان ہیں اور اِس کی تصنیف کے وقت اُن کے والد زبردست خان کا انتقال ہو چکا تھا۔

تحفتہ الصّدر کے اِس ایڈیشن کا پیش نامہ سر آشوتوش مکرجی نے لکھا ہے۔ اُنھوں نے بھی بیٹے کی تصنیف باپ کی طرف منسوب کر دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ریو (RiEU) نے اپنی فہرست کتب میں ایک 'زبردست خان' کا ذکر کیا ہے جو ابراہیم خان کے بیٹے اور ارشاد الوزرا کے مصنف تھے۔ مگر یہ بے چارے ریو پر ایک اتہام ہے۔ اُس نے زبردست خان کا کچھ حال تو ضرور لکھا ہے لیکن ارشاد الوزرا کو اُن کی نہیں بلکہ اُن کے بیٹے صدر الدین محمد کی تصنیف بتایا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

۱۹۔ رقعات الصّدر:- فائز نے اپنے خطوں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے "رقعات الصّدر" اُس کا نام رکھا تھا۔ اُس میں سے ایک سو چودہ منتخب خطوں کا مجموعہ منتخب رقعات الصّدر کے نام سے کلیاتِ فائز کے موجودہ نسخے میں شامل تھا۔ مگر اب وہ خطبۂ کلیات کے ساتھ علیحدہ جلد میں بندھا ہوا جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ خط اپنی نوعیت کے لحاظ سے دس فصلوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ ان میں سے نویں فصل میں وہ خط ہیں جن میں مختلف صنعتیں استعمال کی گئی ہیں اور دسویں فصل میں وہ خط ہیں جن میں مختلف علموں کی اصطلاحوں سے کام لیا گیا ہے یا علمی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ رقعات سے پہلے ایک مقدمہ ہے اور آخر میں "خاتمہ مشتمل بر نصیحت نامہ" ہے۔ ایک سو چودہ خطوں میں سے صرف آٹھ کے مکتوب الیہ معلوم ہیں۔ ان آٹھ خطوں میں ایک خط میر کلاں کے نام، ایک مہابت خاں کے نام، ایک لطو میاں کے نام، ایک حکیم الممالک کے نام اور چار حکیم مومن علی خاں

کے نام ہیں۔ رقعات الصدر کا مقدمہ کافی طولانی ہے۔ اُس کی ابتدا میں مصنف اپنی اس کتاب کا تعارف یوں کرتا ہے:-

"این رقعاتے چند است کہ احقر نام صدرالدین محمد بن زبردست خان غفر اللہ ذنوبہا برائے جمعے از احباب مرقوم نمودہ، چون خالی از نکات معنوی و مناسباتِ لفظی نبود درین رسالہ جمع نمود۔ بر سبیل منشیان بلاغت نشان از طول عبارت آرائی کہ مطلب بہ چندین فرسخ ازآن بعید می ماند اجتناب نمودہ بفحوائے خیر الکلام ما قلّ ودلّ بہ اختصار عبارت و بیان مدعا کوشیدہ و اندک لفاظی با موقع و کنایات خفیۂ لطیفہ یا مثلے مناسب و شعرے لائق محل را از دست ندادہ۔ لان الظرافۃ فی الکلام کالملح فی الطعام۔ چون از حداثت سن این مستمند را میلے بہ شعر و سخن بودہ گاہے متوجہ تحریر نظم و نثر می شد۔ بعد چندے بہ تحریک و تحریص عزیزے مشغول ترتیب آن متفرقات، کہ چون زلف دلبران پریشان بود، گشتہ مانند خاطر محبوبان جمع ساخت نظم را در دیوان و نثر را درین مجموعہ مسمّٰی بہ رقعات الصدر منتظم و منسلک گردانید۔"

اِس مقدمے کے خاتمے پر فائز لکھتے ہیں:-

"رقعاتے چند کہ چون رقعۂ براۃ از مدتے مدید جمع نمودہ بودم آنہا را پنبہ دوزی کردہ باہم وصل نمودم و زنگ کلفت از دل اہلِ طبع زدودم۔"

رقعات الصدر کا یہ نسخہ اس قدر آب رسیدہ ہے کہ بہت مشکل سے پڑھا

جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آخر سے کم بھی ہے۔ دسویں فصل کے بیس خطوں میں سے صرف گیارہ موجود ہیں۔ باقی نو خطا اور خاتمہ پورا غائب ہے۔ اس نسخے کے کاتب کوئی احمد علی ہیں اور اس کے سر ورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہر لگی ہوئی ہے۔

۲۰- خطبۂ کُلیّات ـ فائز کے کُلیّات کا یہ طولانی اور عالمانہ مقدمہ ایک مستقل تصنیف ہے، جس میں شاعری کے جواز و عدم جواز، شعر کی مدح و ذم، عربی و فارسی شاعری کی ابتدا، بیان و بدیع، عروض و قافیہ، مبالغہ و اغراق، اصنافِ سخن، صنائعِ شعریہ، وغیرہ کا بیان ہے۔

اِس خطبے میں فائز نے شعرائے ایران کے کلام پر رائے زنی کی ہے، اپنی شاعری کے محرّکات اور خصوصیات بتائے ہیں، قصیدہ گوئی سے اختلاف کیا ہے، شعر کی عظمت دکھائی ہے، اور اپنے کُلیّات کی ترتیب کا حال بیان کیا ہے۔ یہ خطبہ فائز کی استعدادِ علمی، وسعتِ نظر، مہارتِ فن، قدرتِ نظم اور صحتِ ذوق کا ثبوت دیتا ہے اور کئی حیثیتوں سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

خطبۂ کُلیّات کے تین نسخے موجود ہیں۔ ایک میں جگہ جگہ ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے۔ اُس کے سر ورق پر مصنف کی مُہر لگی ہوئی ہے، جس میں صرف 'صدرالدّین محمد خان' لکھا ہوا ہے۔ کوئی سَن درج نہیں ہے۔ اِس مُہر کے نیچے ایک عبارت تھی جواب بہت کچھ مٹ گئی ہے۔ صرف یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں "بتاریخ بست و نہم ...... در خانہ..... زبردست خاں ...... نوشتہ شد"۔ مصنّف کی مُہر اور یہ عبارت بتاتی ہے کہ یہ نسخہ مصنف کی مِلک تھا۔ اور اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جو ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے وہ خود مصنّف نے کی ہے۔ اِس نسخے کے سر ورق پر دو مُہریں اور بھی ہیں۔ ایک میں 'حسین بن الرضا' اور دوسری میں 'علی بن الرضا' درج ہے۔ اسی سر ورق پر ایک جگہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں "دیوان بخط جسونت رائے"۔ اِس نسخے کا کچھ حصّہ غائب